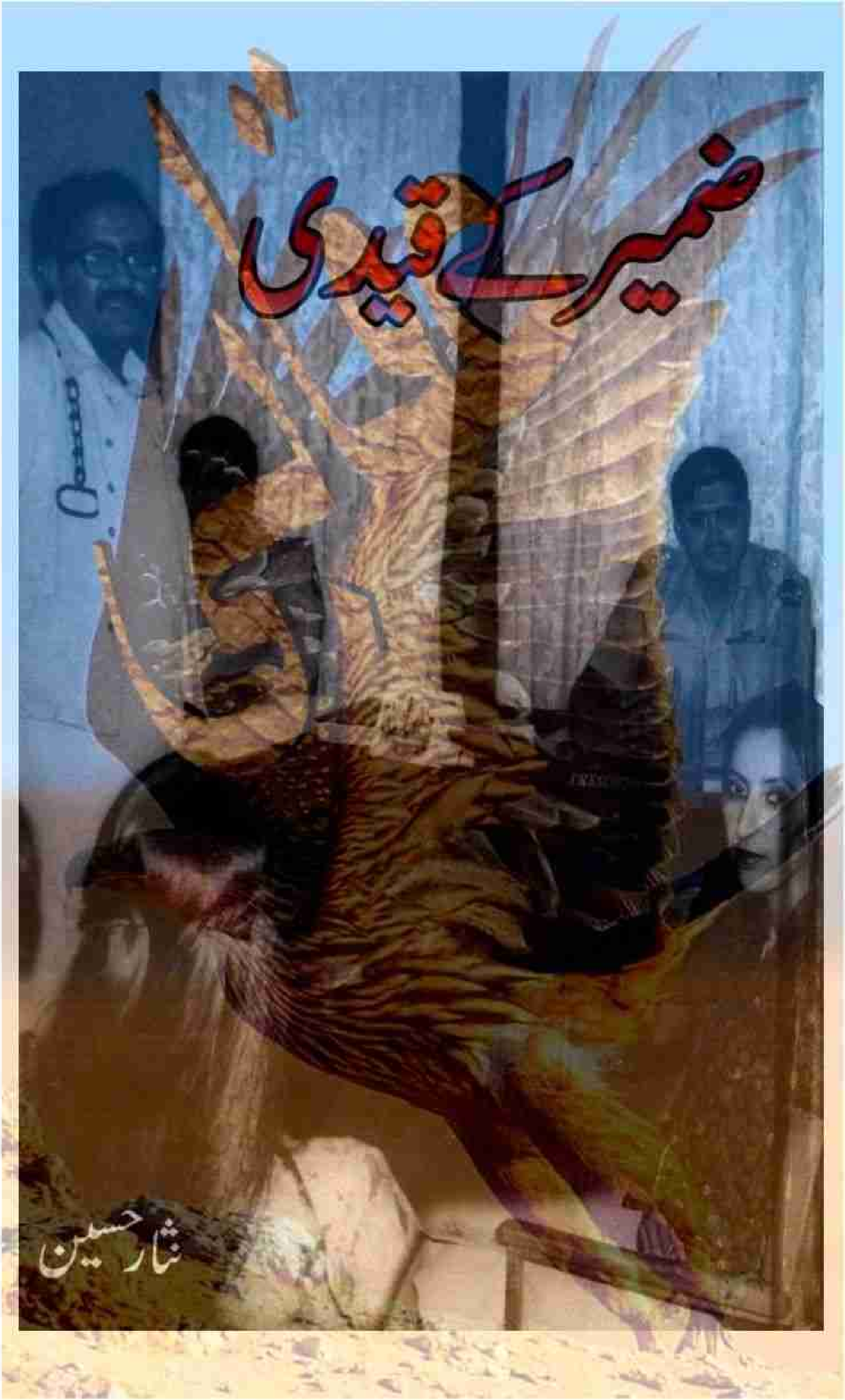

ضمیر کے قیدی
نثار حسین



ضمیر کے قیدی

(جام ساقی کیس بیانات کی روشنی میں)

RAKTAB PUBLICATIONS
714, Regal Trade Square
Preedy Street, Saddar Karachi-74400
Ph: 0092-21-2700750



نثار حسین

ضمیر کے قیدی

رکتاب پبلی کیشنز

714 ریگل ٹریڈ اسکوائر

صدر کراچی ۔ 74400 پاکستان

مرتبہ: نثار حسین

سال اشاعت: جولائی 2009

پرنٹر: ابن حسن پرنٹنگ پریس
ہاکی اسٹیڈیم' کراچی

قیمت: 350 روپے

رابطہ 0092-21-2700750

0092 - 300 - 2393143

E-mail : raktabpublication@gmail.com

شہید

نذیر عبّاسی

کے نام

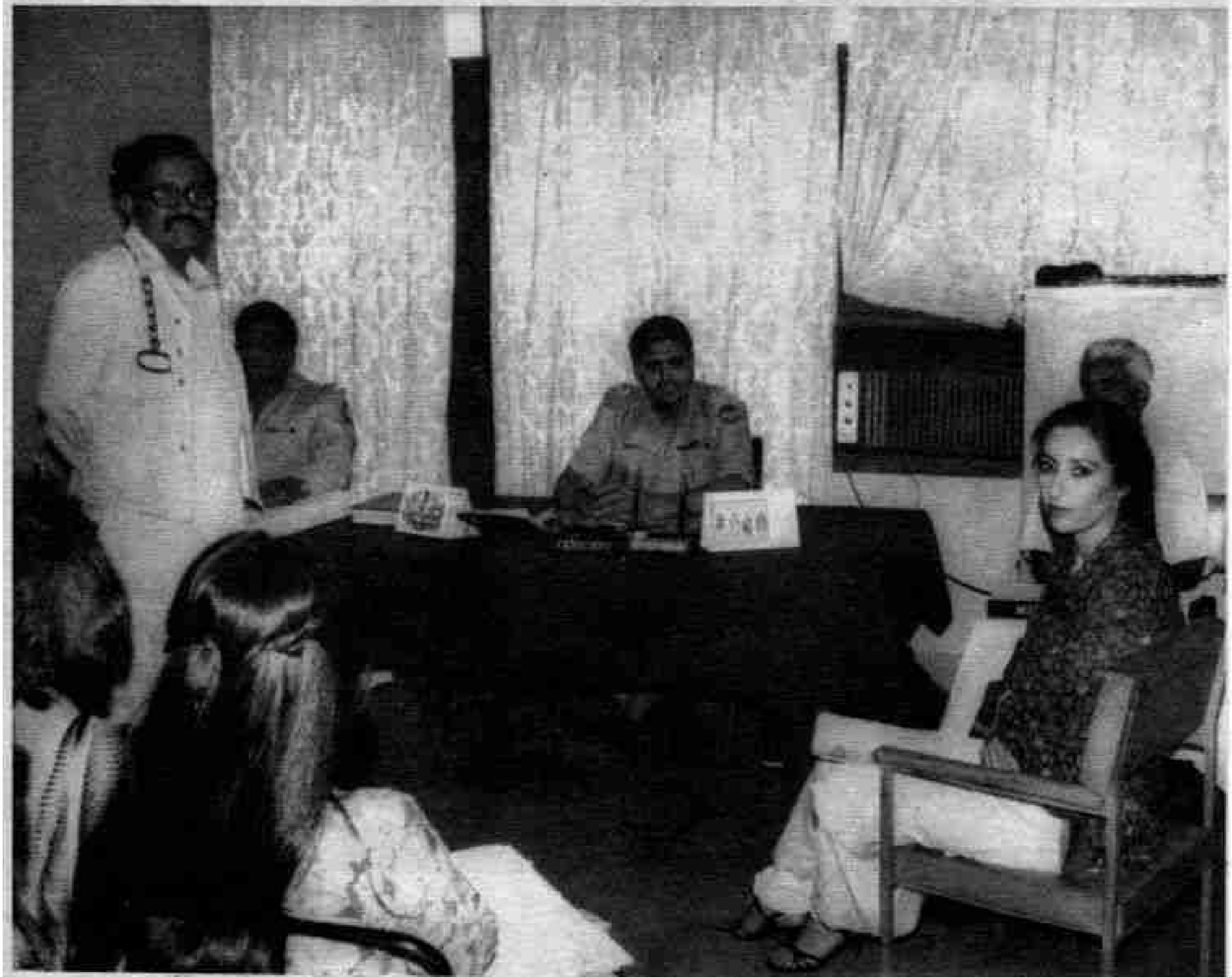


میں پاکستان کا نوجوان ہوں
میری زندگی ایک گیت ہے
میری موت جدو جہد کی پکار ہے۔

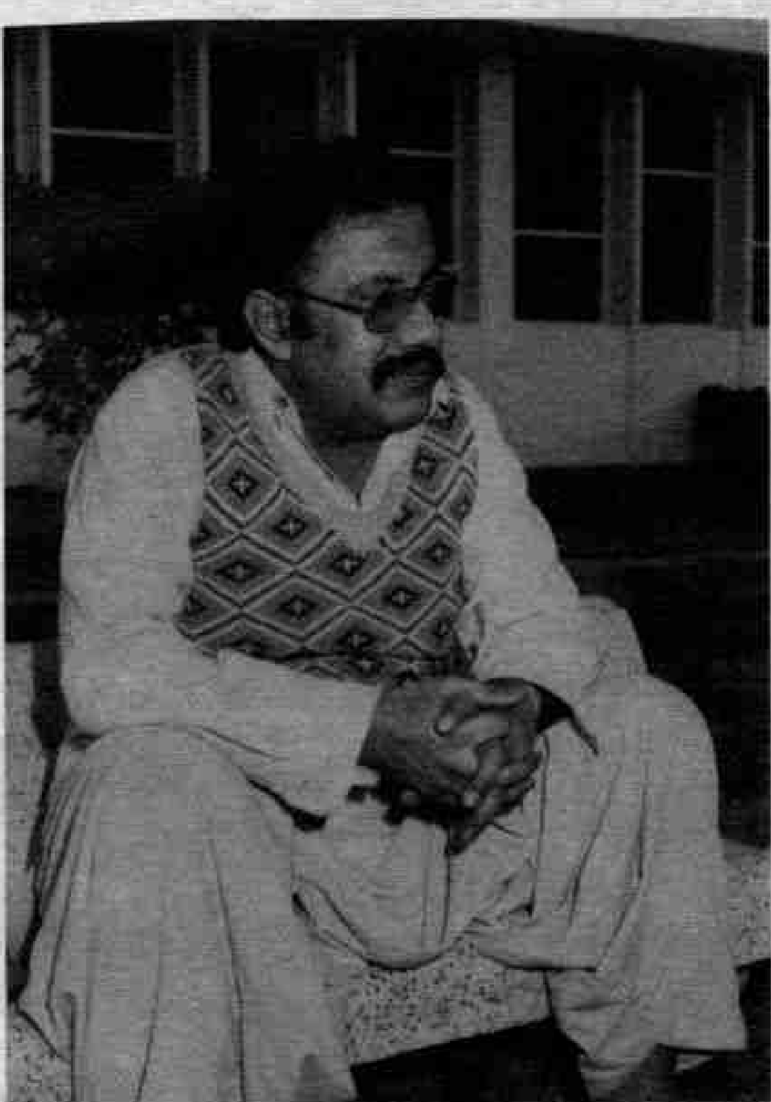
نذیر عبّاسی

فہرست

جمہوریت ہی جبر کی قوتوں کے خلاف بہترین انتقام ہے۔ (بینظیر)



گواہ صفائی شہیدِ جمہوریت محترمہ بے نظیر بھٹو خصوصی فوجی عدالت کراچی میں، بائیں جانب گلے میں ہتھکڑی
ڈالے کمیونسٹ پارٹی پاکستان کے سیکریٹری جنرل کامریڈ جام ساقی بھی موجود ہیں۔



کامریڈ جام ساقی



حرف آغاز

اس کتاب کے بارے میں چند گزارشات ''گزارش احوال واقعی'' کے عنوان سے پہلی اشاعت میں گوش گزار کر چکا ہوں۔ اب خیال تھا کہ کچھ تفصیل سے اس جبر کے دور میں پیش آنے والے حقائق بھی قارئین کے سامنے لائے جائیں۔ کتاب پر نظر ثانی کے ساتھ ساتھ اغلاط کو بھی درست کیا جائے۔ اس سلسلے میں کام ابھی چل ہی رہا تھا اور کچھ ابتدائی حصہ کمپوز بھی کروالیا گیا تھا۔ لیکن قارئین اور احباب کو جلدی کچھ زیادہ ہی تھی۔ لہٰذا فیصلہ کیا گیا کہ بہرحال ایک ایڈیشن کسی بھی صورت جلد شائع کیا جائے۔ احباب کے اس بے حد اصرار پر اُسی کتابت شدہ مواد کو موجودہ اشاعت میں انتہائی مجبوری میں استعمال کیا جا رہا ہے۔ گرچہ اب کتابت آنکھوں کو اتنی بھلی معلوم نہیں ہوتی لہٰذا آپ سے معذرت خواہ ہیں۔ اور اس وعدہ کے ساتھ کہ اولین فرصت میں اس کتاب کا ایک ترمیم و اضافہ شدہ ایڈیشن جلد ہی اشاعت کے لئے تیار کیا جائے گا۔ لیکن اس کی کوئی حتمی مدت ابھی طے نہیں کی جاسکتی۔

1987ء دسمبر جب کتاب چھپ کر تیار ہوئی تو پہلے اسے دیگر شہروں تک پہنچا دیا گیا تھا۔ کیونکہ خدشہ تھا کہ مارشل لاء حکومت اس پر پابندی عائد کر دی گی۔ اور گرفتاری کا خدشہ اپنی جگہ

موجود تھا۔ لہٰذا فیصلہ کیا گیا کہ رسم اجراء کے سلسلے میں ایک تقریب منعقد کی جائے تا کہ زیادہ سے زیادہ پڑھنے والوں تک اطلاع پہنچ سکے اور حکومت کی قدغن سے قبل ہی قارئین کتاب حاصل کرلیں۔ اور ہم اپنے اس مقصد میں کامیاب رہے۔

اس جلسہ کی صدارت میرے محترم اردو نثر کے سب سے بڑے ادیب' ناول نگار اور دانشور خدا کی بستی اور جانگلوس جیسے ناولوں کے خالق جناب شوکت صدیقی صاحب نے فرمائی۔ میں یہ کہتے ہوئے آج بھی ایک فخر محسوس کرتا ہوں۔ کیونکہ یہ میری پہلی کاوش تھی۔ اس تقریب کے یادگاری لمحات کی چند تصاویر اس اشاعت میں شامل کی جارہی ہیں۔

آخر میں قارئین سے ہم امید کرتے ہیں کہ وہ ہماری کوتاہیوں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے ہماری سرپرستی حسب سابق کرتے رہیں گے۔

نثار حسین

جون ۲۰۰۹ء کراچی

گزارشِ احوالِ واقعی

حقائق کی تلاش میں انسان روزِ ازل سے سرگرداں ہے، انسانی معاشرہ میں رونما ہونے والا ہر واقعہ اپنے اندر حقائق کو چھپائے ہوتا ہے، انسان ان پوشیدہ حقائق کو منظرِ عام پر لاتا ہے تو چھپے ہوئے اسرار انسانی معاشرہ پر آشکارا ہوتے چلے جاتے ہیں، سچائی ثابت ہوتی جاتی ہے اور جھوٹ انسانی معاشرہ سے مٹتا چلا جاتا ہے۔ زندہ صرف سچے حقائق رہ جاتے ہیں۔

سنہ ۱۹۸۳ء میں جب جام ساقی اور ان کے ساتھیوں پر کراچی کی ایک فوجی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا اور اخبارات میں خبریں آنی شروع ہوئیں تو اس بارے میں مختلف قیاس آرائیاں بھی شروع ہو گئیں، کچھ لوگ انہیں راہِ حق پر سمجھتے تھے اور کچھ نہیں۔ لیکن اس بات پر سب ہی متفق تھے کہ اگر ان سے کوئی جرم سرزد ہوا ہے تو وہ سیاسی نوعیت کا ہے۔ وہ دھرتی کے خلاف کوئی سازش نہیں کر رہے تھے۔ وہ سیاسی عمل کو آگے بڑھانے کیلئے مختلف نقطہ نظر کی بات کر رہے تھے اور یہ نقطہ نظر آج کوئی پوشیدہ عمل نہیں ہے مختلف مسلمان ریاستیں اس پر عمل پیرا بھی ہیں اور وہاں بسنے والے آج بھی مسلمان کہلاتے ہیں اور ان تمام فرائض پر بھی عمل پیرا ہیں جو ایک مسلمان پر عائد ہوتے ہیں اگر حکومت جام ساقی اور ان کے ساتھیوں کے نظریات سے اختلاف رکھتی ہے اور سمجھتی ہے کہ ان نظریات پر عمل پیرا ہونے سے ملک میں بگاڑ پیدا ہوگا تو اس کا فیصلہ بھی عوام نے کرنا ہے نہ کہ فردِ واحد نے۔ اس لئے فیصلہ دینے کی مجاز ایک فوجی عدالت نہیں ہو سکتی۔ زیادہ سے زیادہ یہ مقدمہ ایک سول عدالت میں چلایا جانا چاہیئے تھا۔

اخبارات میں مقدمہ سے متعلق خبریں آنی شروع ہوئیں تو لوگوں کا تجسس اس مقدمہ سے متعلق حقائق جاننے کیلئے بڑھتا چلا گیا۔ عوام جاننا چاہتے تھے کہ جن لوگوں کو اس مقدمہ میں شامل کیا گیا ہے وہ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ اُن کے نظریات کیا ہیں کیا وہ دھرتی کے لیئے اور وہاں بسنے والوں کیلئے اتنے ہی خطرناک ہیں کہ اُنہیں روکنے کیلئے فوجی عدالتوں کا سہارا لینے کی ضرورت پیش آئی۔ اسی تجسس نے ہمیں مجبور کیا کہ حقائق عوام تک پہنچائے جائیں۔

ہمیں اپنے وسائل کا اندازہ بھی تھا اور راستے میں حائل مشکلات کا بھی لیکن دوستوں نے حوصلہ دیا، قیمتی مشورے بھی دیئے اور مواد اکٹھا کرنے میں مدد بھی کی۔ اسی سلسلے میں جام ساقی اور پروفیسر جمال نقوی سے کئی ملاقاتیں بھی کیں۔ مقدمہ سے متعلق تفصیلی بات چیت بھی ہوئی اور دوران تفتیش ہونے والے مظالم کی داستان بھی سنی۔ جس کا ذکر ان کے بیانات میں بھی موجود ہے۔

داستان بہت لمبی ہے اور ہمارے وسائل محدود۔ ہم نے پہلے ہی اپنی بساط سے زیادہ بوجھ اُٹھا رکھا ہے اگر تمام پہلوؤں کو سمیٹنے کی کوشش کرتے تو کتاب کی ضخامت اُس کی فروخت پر اثر انداز ہوتی اسی مجبوری کی بنا پر صفائی کے بیانات کو کانٹ چھانٹ کر مختصر کرنا پڑا۔ لیکن کوشش کی گئی ہے کہ بیان کی صحت میں کوئی فرق نہ آنے پائے۔ چونکہ میرا کسی کتاب کو مرتب کرنے کا پہلا موقع ہے اس لئے آپ کو کتاب میں جو کمی محسوس ہو اُسے آپ ہم تک ضرور پہنچائیں تاکہ آئندہ اُنہیں دور کیا جا سکے۔

آخر میں اُن تمام دوستوں کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔ جنہوں نے میری اس کوشش کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے میں میری مدد کی۔

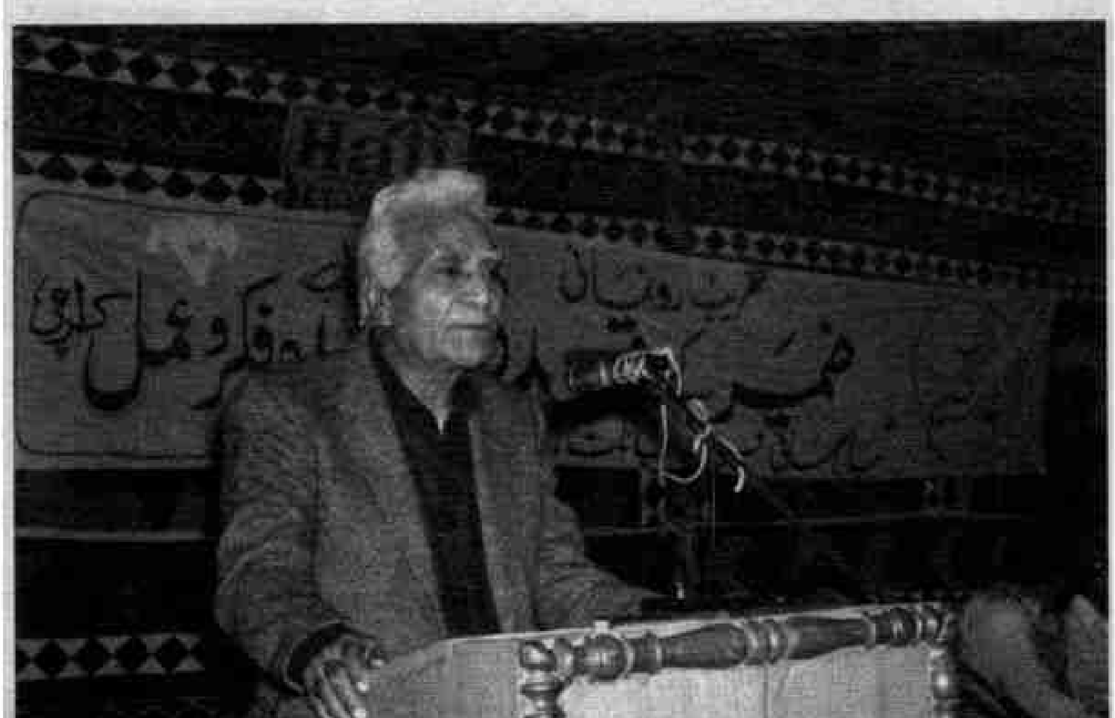
نثار حسین

۹ نومبر ۱۹۸۷ء

تقریب رسم اجرا



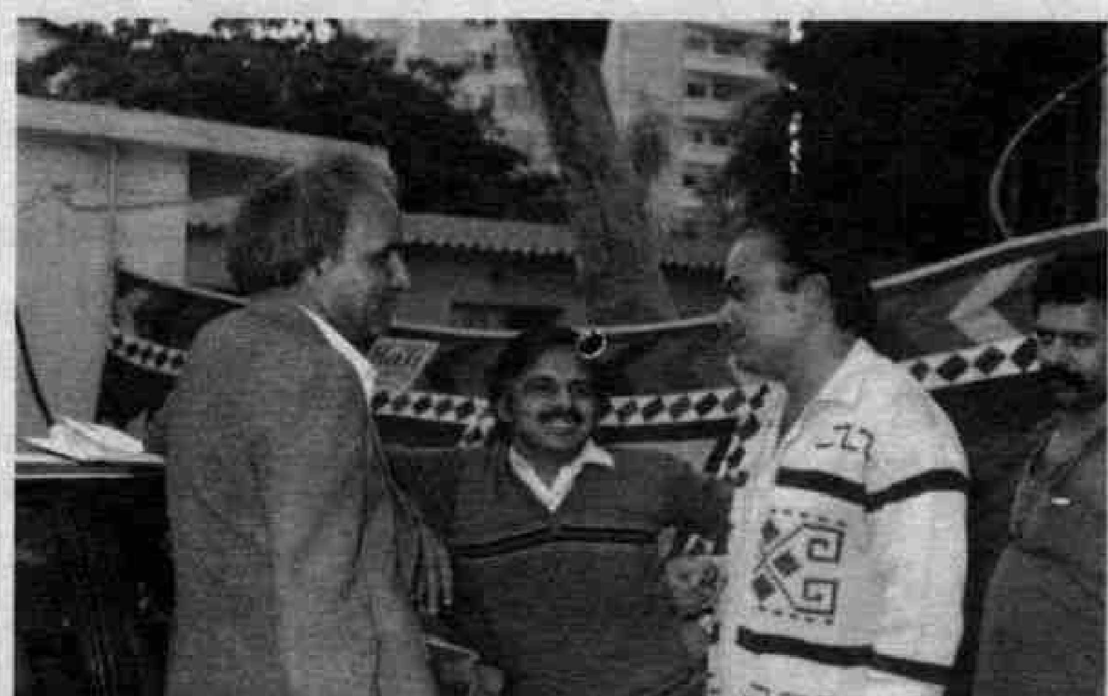
دائیں سے کامریڈ جام ساقی۔ صدر جلسہ محترم شوکت صدیقی۔ نثار حسین۔
ڈاکٹر ظفر عارف اور بیرسٹر ودود احمد



محترم شوکت صدیقی صاحب تقریب سے صدارتی خطاب فرما رہے ہیں



تقریب کے اختتام پر صدر جلسہ محترم شوکت صدیقی کے ساتھ ایک گروپ فوٹو



تقریب سے قبل؛ نثار حسین۔ مجاہد بریلوی۔ ڈاکٹر ظفر عارف تبادلۂ خیال کرتے ہوئے



صدر جلسہ محترم شوکت صدیقی، سہیل سانگی کو کتاب پیش کرتے ہوئے



نثار حسین تقریب سے خطاب کرتے ہوئے



تقریب کے شرکاء پہلی صف میں، مصنف کی والدہ اور ہمشیرہ ڈاکٹر اسماء ابراہیم



روزنامہ جرأت کے چیف ایڈیٹر مختار عاقل اور دیگر شرکائے تقریب
مصنف کے ساتھ کتابوں کے اسٹال پر

حرفِ دار

ہماری جدوجہد کی راہ میں پہلی متوقع چیز گرفتاری ہوتی ہے کیونکہ ہم ایک غیر استحصالی اور منصفانہ معاشرہ قائم کرنے کیلئے استحصالی سماج میں انقلابی تبدیلیاں برپا کرنے پر یقین رکھتے ہیں۔ استحصالی طبقہ اور رجعت پسند حکمران قوتیں اپنی حاکمیت کی بقا کیلئے ہمیں فنا کرنے کی جدوجہد کرتی رہتی ہیں۔ ہماری گرفتاری ان کے اس عمل محض کا آغاز ہوتا ہے گرفتاری کے بعد یہ عقوبت خانوں، تشدد گاہوں اور بالآخر سڑکوں، کارخانوں اور کھلیانوں میں لڑی جاتی ہے۔ بہادر اور باشعور انقلابی ان محاذوں پر بھی سرخرو ہوتے ہیں۔

میری اور میرے دوستوں کی ۱۹۸۰ء میں گرفتاری بھی ایک ایسا ہی واقعہ تھی ہمیں خوشی ہے کہ ہم اس آزمائش میں کھرے اترے۔ ہماری گرفتاری پیپلز پارٹی کالونی کے اس گھر سے ہوئی جہاں نذیر عباسی شہید کی آمد متوقع تھی دن کے گیارہ بجے کا عمل ہوگا۔ جب میں نے دروازے پر دستک دی۔ ٹوٹے ہوئے دروازے سے جھانکنے پر کئی نامانوس چہرے نظر آئے وہ فوج کے لوگ تھے۔ میں دستک دے چکا تھا واپس پلٹنے کا وقت گذر چکا تھا۔ اسی اثنا میں دروازہ کھلا اور مجھے اندر گھسیٹ لیا گیا اندر نذیر عباسی کرسی پہ رسیوں سے جکڑے ہوئے تھے وہ مجھ سے پندرہ منٹ پہلے وہاں پہنچے اندر جھانک کر دیکھا مگر اندر فوج کے افسران نے بھی ایک آنکھ کو اندر جھانکتے دیکھ لیا عباسی پلٹ گئے اور بعد میں لوگوں سے جھانکنے والے کا حلیہ پوچھ کر تلاش کرتے ہوئے بس اسٹاپ سے گرفتار کر لیئے گئے نذیر کی جیب سے جام ساقی کی لاہور ہائی کورٹ میں پیشی کے وقت کی چند تصویریں نکلیں اور یہیں سے

سے ان کا شک یقین میں بدل گیا اور وہ انہیں اس مکان میں لے آئے اور دوبارہ گھات لگا کر بیٹھ گئے جس میں وہ کامیاب رہے کیونکہ ان کا دوسرا شکار میں ہوا تھا۔!

دو گھنٹوں تک انہوں نے ہمیں وہیں بٹھائے رکھا، شاید وہ ہمارے کسی اور ساتھی یا اپنے کسی افسر کے منتظر تھے۔ ایک بجے کے قریب ہماری آنکھوں پر پٹی   باندھ کر انہوں نے ہمیں اس گھر سے باہر نکالا اور جیپ کی قسم کی گاڑی میں بٹھا کر روانہ ہو گئے۔ جب ہماری آنکھوں پر بندھی پٹی کھولی گئی تو ہم نے خود کو ایک کمرے میں پایا۔ ہمیں اندازہ تو نہیں البتہ گمان یہ گذرتا تھا کہ یہ کینٹ اسٹیشن کے قرب و جوار میں واقع کوئی عمارت تھی۔ یہ خاموشی کا ایک عجیب وقفہ تھا۔ میں اور نذیر ایک طرف بیٹھے تھے اور سامنے وہ لوگ چپ چاپ کچھ کاغذات کو ادھر اُدھر رکھنے اور ان کی ورق گردانی کرنے میں مصروف تھے۔ اس گراں گذرنے والے سکوت کو نذیر نے توڑا "ساتھی کچھ بتائیں اب کیا کیا جائے؟ ہمیں کیا کہنا چاہیئے؟" میں نے جواب دیا۔ کوئی خاص بات پوچھو تو بتائیں۔" انہوں نے کہا "نام تو مجھے نذیر ہی بتانا چاہیئے۔ کیونکہ یہ لوگ مجھے پہلے سے جانتے ہیں، میں کوئٹہ چھاؤنی میں زیر حراست رہ چکا ہوں" "نذیر مشتاق" کے نام سے روپوش تھے، یہ لوگ انہیں پہچان چکے تھے لہٰذا مشتاق کے نام پر اصرار بے کار تھا۔ میں نے ان سے اتفاق کیا کہ انہیں اپنا صحیح نام نذیر ہی بتانا چاہیئے۔ نذیر نے دوبارہ پوچھا "اور کیا کرنا چاہیئے؟ میں انہیں کیا بتلاتا، وہ ایک سچے کمیونسٹ تھے آزمائشوں کی کئی کٹھن منزلوں سے سرخرو گذر چکے تھے اور خوب اچھی طرح جانتے تھے کہ ایسے موقعوں پر انہیں کیا کرنا چاہیئے۔ یہ وقفہ جو ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ بات کرنے کا مل رہا تھا بہت مختصر تھا ہم دونوں شاید آئندہ آنے والے لمحات کا سامنا کرنے کیلئے خود کو اس گفتگو کے ذ ریعے تیار کرنا چاہتے تھے۔ میں نے انہیں کہا "ہم مزدور طبقے کے کارکن اور کمیونسٹ ہیں، جو جنگ باہر لڑی جا رہی ہے وہ جنگ ہمیں یہاں اندر لڑنی ہے۔ ہمیں ایک امتحان سے گذرنا ہے، کیا ہم جس یقین اور ایمان کے ساتھ یہاں آئے ہیں اسے سلامت رکھ کر باہر نکل سکتے ہیں؟" نذیر نے فوراً جواب دیا "ہاں نکل سکتے ہیں۔ کیوں نہیں نکل سکتے؟" میں نے کہا "ہاں دوست بس ہمیں یہی عہد کرنا ہے، یا تو ہم یہاں سے زندہ نہیں نکلیں گے اور اگر نکلے تو پھر اپنے ایمان اور یقین

کی سلامتی کے ساتھ باہر نکلیں گے۔" نذیر نے کہا "ٹھیک ہے کام ٹِڈ"۔ میں نے انہیں گلے لگایا اور پیار کیا۔ کون کہہ سکتا تھا کہ میں اپنے نوجوان ساتھی، دوست اور بیٹے کو آخری مرتبہ گلے لگا رہا ہوں اور پیار کر رہا ہوں، اسے اپنی باہوں سے جدا کر کے، شہادت کی اس منزل کی طرف روانہ کر رہا ہوں کہ جس کو حاصل کرنا جدوجہد کرنے والے ہر انقلابی کی سب سے بڑی آرزو ہوتی ہے۔

ہماری باتیں ختم ہی ہوئیں تھیں کہ وہ لوگ (فوجی) آئے اور ہمیں الگ الگ کمروں میں لے جا کر بٹھا دیا۔ میرے کمرے میں موجود فوجی افسر بار بار میرے پاس آتا اور انگریزی میں کہتا "کھیل ختم ہو گیا ہے" "THE GAME IS OVER"۔ جب اس نے یہ جملہ کئی بار دھرایا تو میں نے اسے جواب دیا "یہ صرف آپ کا خیال ہے کہ کھیل ختم ہو گیا ہے، میرے خیال میں تو کھیل اب شروع ہوا ہے۔ کچھ دیر تک یہ تلخ تکرار جاری رہی پھر میرے ہاتھ اور پاؤں ہتھکڑیوں سے جکڑ کر ایک چھوٹے سے اسٹور نما کمرے میں ڈال دیا گیا۔ کمرے کا دروازہ کھلا رہتا تھا۔ شاید ہاتھ پاؤں بندھے ہونے کی وجہ سے اسے بند کرنے کی ایسی کوئی خاص ضرورت بھی نہیں تھی کمرے کے باہر دن رات پہرہ رہتا تھا، جو ہر دو گھنٹے کے بعد بدل جاتا اور نئے سپاہی کمرے کے سامنے چلتے ہوئے نظر آنے لگتے۔ اسی دوران مجھے وہاں کمال وارثی کی موجودگی کا بھی احساس ہوا۔ باتھ روم میرے کمرے کے بعد تھا اور وہ لوگ کمال اور نذیر کو میرے کمرے کے سامنے سے لے کر جایا کرتے تھے باتھ روم لے جاتے وقت ان کی آنکھوں پر پٹی کی جگہ انکی قمیض اتروا کر باندھ دی جاتی تھی۔ آنکھوں کو بند کرنے کا مقصد یہ تھا کہ یہ لوگ مستقبل میں کبھی اس جگہ کو شناخت نہ کر سکیں لیکن آنکھوں پر پٹی کی جگہ قمیضوں کو اتروا کر باندھنے کا مقصد کچھ اور تھا۔ اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے کہ اتنے بڑے اور منظم ادارے کے پاس جس پر قومی آمدنی کا ساٹھ فیصد سے بھی زیادہ خرچ ہوتا ہو، آنکھوں پر باندھنے کیلئے چند فٹ لمبا کپڑے کا چیتھڑا بھی نہیں ہوگا۔ اس حرکت کا مقصد انسانوں اور محنت کشوں کی عزت نفس کیلئے لڑنے والوں کی عزت نفس کو مجروح کرنے کے سوا کچھ اور نہیں تھا۔ یہ اور اسی قسم کے دوسرے حربوں کو رجعت پرست اور عوام دشمن طبقوں نے طویل انسانی تاریخ کے ہر دور میں آزمایا ہے اور ناکام رہے ہیں۔

چند روز بعد جیسا کہ مجھے بعد میں پتا چلا آٹھ اگست کی صبح آٹھ بجے مجھے زنجیروں کی جھنکار سنائی دی اور نذیر مجھے ایک شانِ بے نیازی سے جاتے نظر آئے۔ کسی نے ان سے پوچھا۔ "کیا تمہارا نام نذیر عباسی ہے؟" ایک پُرعزم آواز ابھری "ہاں میرا نام نذیر عباسی ہے۔" ایک بار پھر زنجیروں کی جھنکار گونجی اور پھر اس کی آواز رفتہ رفتہ معدوم ہوتی چلی گئی۔

آج بازار میں پا بجولاں چلو — ان کا دم ساز اپنے سوا کون ہے
دست افشاں چلو مست و رقصاں چلو — شہرِ جاناں میں اب با صفا کون ہے
خاک بر سر چلو خوں بداماں چلو — دستِ قاتل کے شایاں رہا کون ہے
راہ تکتا ہے سب شہرِ جاناں چلو — رختِ دل باندھ لو دل فگارو چلو
پھر ہمیں قتل ہو آئیں یارو چلو

چند دنوں تک جب نذیر نظر نہیں آئے تو میں سمجھا کہ انہیں شاید حیدرآباد منتقل کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ وہاں حیدر شاہ کیس میں بھی مطلوب تھے۔ لیکن دس بارہ روز بعد پوچھ گچھ کے دوران مجھے گمان گزرا کہ میرا ساتھی اور میرا بیٹا انقلاب کی راہ میں شہید ہو چکا ہے۔ تفتیش کے دوران ایک فوجی افسر نے مجھ سے پوچھا "نذیر کہاں ہے؟" اس سوال میں اشارہ اور دھمکی دونوں پنہاں تھے۔ جنہیں میں نے فوراً سمجھ لیا۔ میں نے اس سے کہا۔ "مجھ سے کیا پوچھتے ہو تمہیں معلوم ہوگا" ایک ماہ بعد ۳۰ اگست کو جب مجھے لانڈھی جیل منتقل کیا گیا اور میں نے "جنگ" اخبار میں تمام دوستوں کی تصویریں اور ان کے نام دیکھے۔ لیکن نذیر کی تصویر کے نیچے نام کی جگہ خالی دیکھی تو میرا گمان یقین میں بدل گیا کہ انہوں نے اسے جسمانی طور پر ختم کر دیا ہے۔ بعد میں سپاہیوں نے مجھے بتایا کہ تمہارا ایک ساتھی مارا جا چکا ہے۔ مجھے فوراً اپنی اور نذیر کی آخری ملاقات یاد آگئی۔ اس نے اپنا عہد پورا کیا اور ایمان و یقین کی سلامتی کے ساتھ شہید ہوا۔

پوچھ گچھ کا تمام کام فوجی افسروں نے کیا۔ انہوں نے مجھ سے کمیونسٹ پارٹی آف پاکستان کے بارے میں سوالات کئے اور تشدد کے حتی الامکان طریقے اپنائے مختلف وقفوں سے تشدد اور تفتیش کا سلسلہ جاری رہتا مگر میں سب کو یہی جواب دیتا کہ جس گھر سے تم نے ہمیں

گرفتار کیا ہے وہاں تمہیں کا غذات مل چکے ہیں اور میں ان سے زیادہ ایک لفظ بھی بتانے پہ تیار نہیں ہوں۔ چاہے تم لوگ مجھے جان سے مار دو اس دوران اُنہوں نے تحمل، صبر، دھمکی تشدد، عزض ہر طریقہ آزمایا۔ تاکہ وہ سب اُگلوایا جاسکے جو ہمارے اندر ہے۔ مگر شاید اُنہیں یہ نہیں پتہ کہ ایک سچا انقلابی جو سوچ چکا ہے وہی بولتا ہے اور اس کے پاس چھپانے کیلئے کچھ نہیں البتہ بتانے کیلئے بہت کچھ ہے۔

اعصاب کی اس جنگ کا پہلا مرحلہ ایک، ماہ بعد ختم ہوا جبکہ یہ مرحلہ اگلے پانچ چھ ماہ اور چلتا مگر نذیر عباسی کی شہادت نے ان کے حوصلے پست کر دیئے تھے۔ نذیر عباسی نے یہ ثابت کر دیا کہ ہم مر سکتے ہیں لیکن جھک نہیں سکتے۔ اس لئے باہر اور اندر کے شدید دباؤ کے تحت اُنہوں نے ہمیں لانڈھی جیل منتقل کر دیا۔

لانڈھی جیل میں قید تنہائی کا آغاز ہوا جو تقریباً دس ماہ تک جاری رہا۔ اس دوران نہ تو جسمانی ایذا رسانی کی گئی اور نہ تشدد کیا گیا اور نہ ہی پوچھ گچھ کے طویل سیشن ہوئے۔ صرف ہمیں الگ تھلگ ڈال دیا گیا۔ جس کا مقصد ہمیں نفسیاتی اور روحانی تشدد دینا تھا۔ اس نوعیت کی قید تنہائی کی اذیت سے وہ لوگ مزید واقف ہوں گے جو اس سے گذر چکے ہیں۔ ہم کسی سے بات کرنے یا کوئی آواز سننے کو ترستے تھے۔ صرف باہر چلنے والی ٹریفک کا شور ہمیں باہر کی دنیا کا احساس دلاتا تھا۔ یہ شور اس موسیقی کی طرح تھا جس کی لے اور آہنگ کے دوش پہ ہمارے خیال پرواز کرتے اور قید و بند کی حدوں سے گذر جاتے۔

ہم اہل قفس تنہا بھی نہیں، ہر روز نسیم صبح وطن
یادوں کی طرح معطر آتی ہے، اشکوں سے منور جاتی ہے۔

لانڈھی جیل میں ہمارے تین ساتھی۔ یعنی کمال وارثی، سہیل سانگی اور شبیر شر بھی قید تھے دس ماہ بعد ہم چاروں کو ایک بیرک میں یکجا کر دیا گیا۔ شروع میں وہ تھوڑی دیر کیلئے ہمیں کھولتے تھے مگر پھر بعد میں جیسا کہ جیل کا دستور ہے ہمیں صبح اپنی اپنی کھولیوں سے نکال دیا جاتا تھا۔ اور شام کو بند کر دیا جاتا۔ اتنے طویل عرصے کی قید تنہائی کے بعد لوگوں سے ملنا بے حد خوشی

اور مسرت کا باعث تھا۔ ہمارے دو ساتھی بدر ابڑو اور امر لال کراچی سنٹرل جیل میں قید تھے سمری آف ایویڈینس ہوئی تو ہمیں معلوم ہوا کہ جام ساقی کو بھی ہمارے کیس میں شامل کر دیا گیا ہے پہلے وہ سکھر جیل میں تھے مگر پھر انہیں کراچی سینٹرل جیل منتقل کر دیا گیا۔ جہاں انہیں مکمل قید تنہائی میں رکھا گیا۔

ہماری ملاقات اپنے تمام ساتھیوں سے صرف ہر پیشی پر ہوتی رہی ہمارے وکلاء میں بیرسٹر ودود، علی امجد، اختر حسین، شفیع محمدی اور یوسف لغاری شامل تھے۔

سمری آف ایویڈینس ابھی جاری تھی تو ہائی جیکنگ کا واقعہ ہو گیا کارروائی معطل کر دی گئی۔ ہم کو بتایا گیا کہ ہائی جیکرز نے ہماری بھی رہائی اور ملک سے باہر روانگی کا مطالبہ کیا ہے۔ مگر ہم نے ملک سے باہر جانے سے سختی سے انکار کر دیا۔ وہ رات جیل کے حکام پر بڑی بھاری گذری وہ زبردستی فوٹوگرافر کو لے کر آئے اور پاسپورٹ کیلئے ہماری تصویر بنانی چاہی مگر ہم نے کسی نہ کسی طریقے سے یہ نہ ہونے دیا۔ ہمیں بعد میں معلوم ہوا کہ جام ساقی نے اپنی کھولی کو اندر سے بند کر دیا اور کہا کہ اگر کوئی زبردستی کرے گا تو اُس پر حملہ کر دیں گے۔

راویوں کا بیان ہے کہ ہماری گرفتاری کے تقریباً نو دن بعد ۸ اور ۹ اگست کی درمیانی شب کو فوجی عقوبت خانے سے چار لاشیں سول ہسپتال کے مردہ خانے لائی گئیں۔ ان میں ایک پہچانی گئی وہ شہید نذیر عباسی شہید کی لاش تھی باقی تین کی شناخت موجود نہیں تھی لیکن قیاس آرائیاں یہ تھیں کہ یہ میری کمال وارثی اور شبیر شر کی لاشیں ہیں۔ اس اثنا میں سندھ ہائیکورٹ میں نذیر عباسی کی تاریخ آگئی چنانچہ ہمارے ع۔ہ اور دوست سب تاریخ پر گئے تو اُن کو ایک کی شہادت کا علم تھا اور دوسروں کے بارے میں بری خبر سننے سے لرز رہے تھے کورٹ کا کمرہ بھرا ہوا تھا۔ ہر شخص جذبات سے بھرا ہوا تھا عجیب سکوت کا عالم تھا۔ جذبات باہر نکلنے کو مچل رہے تھے۔ کارروائی کے آغاز میں جب عدالت کو سرکاری طور پر نذیر کی ہلاکت کے بارے میں بتایا گیا تو لوگوں کے جذبات کے بند کو ایک مزدور کارکن نے نعرہ کے ذریعے توڑ دیا اس لمحے کے پیچ در پیچ جذبات کی عکاسی کوئی شاعر ہی کر سکتا تھا۔ عدالت کے کمرے

میں اُس وقت مشہور شاعرہ فہمیدہ ریاض موجود تھیں اُنہوں نے اس لمحے کو امر بنا دیا۔

ایوانِ عدالت میں

ایوانِ عدالت میں
پتھرائی ہوئی آنکھیں
پتھرائے ہوئے چہرے
پتھرائی ہوئی سانسیں
چمڑے کی زبانوں پر
پتھرائی ہوئی باتیں

فریاد کٹہرے میں
رو رو کے تڑپتی تھی
قانون کے رکھوالے
کل لے کے گئے جس کو
اب اس کو یہاں لائیں
وہ نعش تو دکھلائیں.....

پتھرائے ہوئے چہرے:

پتھرائی ہوئی آنکھیں
چمڑے کی زبانوں پر

پگھلی ہوئی کچھ باتیں
پتھر کر جو چکنے تھے
ہاتھوں سے پھسلتے تھے
قانون کے نکتے تھے
کیا لوگ سمجھتے تھے
"سنگین مجبوری ہے
درخواست ادھوری ہے"

پتھرائے دلوں میں تو
بس ریت برستی تھی
ہر آنکھ کہ پتھر تھی
اشکوں کو ترستی تھی
یکدم کوئی دل دھڑکا
شعلہ سا کہیں بھڑکا
جب تک کہ کوئی سمجھے
لو پھوٹ بہے دھارے
آوازیں ملیں باہم

اور گونج اٹھے نعرے — دم روک کے سنتے تھے
معصوم سی جانوں کے
بے تاب جوانوں کے — جب سرخ سلام آیا
مقتول کا نام آیا
کیا شور لہو کا تھا — گھونسہ سا لگا دل پر
کیا گونج تھی نعروں میں — آنکھوں سے لہو پھوٹا
ایوانِ عدالت میں — جیتے رہو دل والو
پتھرائے ہوئے کمرے — پتھر تو کوئی ٹوٹا

ملٹری کورٹ کی تفصیلات بہت تھکا دینے والی اور طویل تھیں۔ یوں سمجھئے کہ کسی نہ کسی طرح وقت گذرتا رہا سوال وجواب کا ایک تھکا دینے والا سلسلہ تھا جو چلتا رہا بہت دنوں تک یہ بات بھی زیر بحث رہی کہ یہ کورٹ ہمارے مقدمے کی سماعت کا حق رکھتی بھی ہے یا نہیں۔ میں نے اس اثنا میں کورٹ میں کئی دفعہ درخواست دی کہ ہم کو جیل میں وہ سہولتیں میسر نہیں جس کے ہم حق دار ہیں مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی میں "اے" کلاس کا مستحق تھا مگر مجھے "بی" کلاس دی گئی۔

قید وبند کی اس مدت میں ہم سے ملنے بہت سے نوجوان آئے بعض اخبارات میں یہ خبر پڑھ کر آئے کہ کوئی سیل پکڑا گیا ہے کچھ یہ سن کر آئے کہ میرے گھر سے وائرلیس سیٹ پکڑا گیا ہے وہ ہمیں جاسوس یا اسی نوعیت کے مجرم سمجھ کر آتے اور ہم سے ملاقات کے بعد اُنہیں پتہ چلتا کہ ہم بھی اُنہی کی طرح نارمل انسان ہیں، اُن میں سے بیشتر بچے اب طالب علموں کی تنظیموں یا دوسری ترقی پسند جماعتوں میں شامل ہو چکے ہیں جیل میں عام ملاقاتیوں پر پابندی تھی مگر رشتہ داروں کو اجازت تھی مگر لوگ اس سے فائدہ اٹھا کر ہم سے مل لیا کرتے تھے۔

یکم ستمبر ۱۹۸۲ء کو میری کورٹ میں پیشی کی تاریخ تھی اُس دن میں الصبح بیہوش ہو گیا دوستوں نے مجھے اُسی حالت میں پولیس وین میں ڈالا اور کورٹ لے گئے۔ وہاں ڈاکٹر بلایا گیا معائنے سے پتہ چلا کہ مجھ پر فالج کا حملہ ہوا ہے۔ اس کے بعد مجھے ہسپتال منتقل کر دیا گیا۔

بعد میں مجھے پتہ چلا کہ ہمارے ساتھی جام ساقی نے میرے ہسپتال جانے پر کورٹ سے شدید احتجاج کیا اور کہا کہ مجھے ہسپتال نہ بھیجا جائے بلکہ کورٹ میرا علاج کرے۔ کرنل صاحب اس بات پر بہت برہم ہوئے کہ کورٹ مریض کا علاج کیسے کر سکتا ہے اور کہا کہ وہ کوئی ڈاکٹر تو نہیں ہیں۔ اس پر جام ساقی نے کہا کہ جناب آپ تو جج بھی نہیں ہیں جب آپ قانون کو جانے بغیر مقدمہ چلا سکتے ہیں تو میڈیکل سائنس کو جانے بغیر علاج بھی کر سکتے ہیں۔

میں تین ہفتے تک سول ہسپتال کے ڈاکٹر اختر کے پاس زیر علاج رہا اس کے بعد حکومت کے دباؤ پر مجھے واپس جیل بھیج دیا گیا مگر ڈاکٹر اختر نے یہ سرٹیفکیٹ بھی دیا کہ میں کسی ذہنی دباؤ یا ذہنی کام کرنے کے قابل نہیں ہوں۔ اس سرٹیفکیٹ کی وجہ سے کورٹ کی کارروائی معطل کی گئی دسمبر میں مجھے پھر اسپتال لے جایا گیا۔ اس دفعہ مجھے جناح اسپتال کے ڈاکٹر ذکی حسن کے وارڈ میں بھیج دیا گیا وہاں میں ایک مہینہ تک رہا کورٹ نے اعلان کر دیا کہ مجھ پر اُس وقت تک مقدمہ ملتوی کیا جاتا ہے جب تک میں مکمل طور پر صحت مند نہ ہو جاؤں۔ مگر دوسرے ساتھیوں پر مقدمہ چلتا رہا۔

اس دوران میں صفائی کے گواہان آنے لگے جن کی فہرست ہم نے پہلے ہی تیار کر لی تھی۔ ہمارے گواہوں میں جناب ولی خان، جناب غوث بخش بزنجو، محترمہ بے نظیر بھٹو، جناب فتح یاب علی خان جناب معراج محمد خان اور جناب شیخ رشید وغیرہ تھے۔ اُن کے علاوہ محترمہ طاہرہ مظہر علی خان، محمود شام، منہاج برنا، شیخ عزیز، افضل صدیقی اور دوسرے بہت سے صحافی اور اساتذہ اس مقدمے میں پیش ہوئے۔

تقریباً ہر سیاستدان نے یہ بات کہی کہ اگر یہ لوگ مارشل لاء کے خلاف ہیں، قانونی حکومت کا مطالبہ کرتے ہیں موجودہ حکومت کو غاصب قرار دیتے ہیں اور زرعی اصلاحات کا مطالبہ کرتے

رہیں تو یہ بات تو ہم سب بھی کہتے ہیں۔اس لئے ان کا نقطہ نظر جرم ہے تو یہ جرم ہم سب نے بھی کیا ہے اس طرح حکومت کی یہ کوشش ناکام ہوگئی کہ وہ ہم کو مجرم ثابت کر سکے۔

میں نے اپنا عدالتی بیان اسپتال میں تیار کیا جب سب کے بیان جمع ہونے لگے تو میں نے بھی اس کو عدالت میں جمع کروانے کو بھیجا مگر کورٹ نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ وہ میری طرف سے کسی قسم کا کوئی بیان لینے کی مجاز نہیں ہے۔ اس لئے میرا بیان مجوزہ ہی رہا پیش کردہ نہ بن سکا۔

مجھے ۱۹۸۳ء مارچ یا اپریل میں اسپتال واپس بھیج دیا گیا اُس وقت مقدمہ آخری مراحل میں تھا۔ وکلاء کے بیانات چل رہے تھے۔ یکم جون ۱۹۸۴ء کو آخری پیشی ہوئی اور فیصلہ محفوظ کر لیا گیا جن دوستوں پر مقدمہ چل رہا تھا ختم ہوگیا صرف دو ایسے قیدی تھے جن کے مقدمے کی کارروائی پوری نہ ہو سکی یعنی میں اور ڈاکٹر جبار خٹک جو بعد میں گرفتار ہوئے تھے۔ کچھ دنوں کے بعد حالات نے کروٹ بدلی اور جونیجو حکومت برسراقتدار آگئی۔

جونیجو حکومت کے برسراقتدار آنے کے بعد جنوری ۱۹۸۶ء میں ہمارا مقدمہ سول عدالت میں منتقل ہوگیا، اب ہمارا مقدمہ ایک سیشن جج کی عدالت میں چلنے لگا۔ جس کی پیشی میں میں اور جبار خٹک جاتے تھے اس مقدمے کی تاریخیں کافی پڑیں مگر کارروائی کم ہوئی ہمارے باقی ساتھیوں کا فیصلہ ۱۹۸۴ء میں فیصلہ محفوظ کرنے کے سات آٹھ مہینے بعد سنایا گیا۔ اس فیصلے کے تحت شبیر شر اور کمال وارثی کو سات سات برس کی قید ہوئی اور باقی ساتھی رہا کر دیئے گئے۔ میرے مقدمے کے سول عدالت میں آنے کے بعد میرے وکلاء نے ہائیکورٹ میں رٹ کی اس کی قانونی پوزیشن تو مجھے پتہ نہیں لیکن یہ ضرور ہوا کہ انہوں نے ضمانت منظور کرلی اور میں ۲ مارچ ۱۹۸۶ء کو رہا ہو کر پونے چھ سال بعد اپنے گھر کو آیا۔ جیل کے دوران ہم کو بہت سے تجربوں اور مشاہدوں کا سامنا ہوا ہم نے جیل میں لوگوں کے سیاسی معاملات پر بہت توجہ دی اپنے سیاسی امور کے علم کو آگے بڑھایا بہت سا تحریری کام بھی کیا۔

جیل میں ہم لوگ ذاتی اور اجتماعی مطالعہ پر بہت توجہ دیتے تھے آپس میں مباحثے کرتے مختلف نظریات ہونے کے باوجود بھی جیل میں لوگ ایک دوسرے کے نظریات سمجھنے کی کوشش کرتے۔

ہمارے مقدمے کا لوگوں پر کیا اثر ہوا۔ اس کا اندازہ تو ہمیں جام ساقی کے حالیہ دورہ پنجاب اور سندھ کے دوران ہوا کہ لوگ کس طرح والہانہ انداز میں ہم سے ملے۔

ہمارے مقدمے کے بارے میں ملکی اور غیر ملکی اخبارات و رسائل میں بہت کچھ لکھا گیا کچھ ہماری حمایت میں تھا اور کچھ مخالفت میں۔ قیدیوں کی مدد کرنے والی ایمنسٹی انٹرنیشنل نے ہمارے لئے کافی کچھ لکھا اور کوششیں کیں۔ انہوں نے ہمیں "ضمیر کا قیدی" قرار دیا ہمیں یورپ امریکہ، فرانس، فن لینڈ، غرض پوری دنیا کے بے تحاشا لوگوں نے بیحد محبت دی جن سے ہماری ذاتی یادداشت بھی نہیں تھی۔

قید کے دوران ہم نے زندگی کو تفصیل سے دیکھا اور سمجھا۔ جیل تقریباً ایک مائیکرو سکوپ کا پی ہوتی ہے جس سے ہم نے قیدیوں اور زندگی کا مطالعہ کیا۔ جیل کی بدعنوانیوں کو دیکھا۔ جیل میں منشیات کا استعمال اور قیدیوں کو دی گئی سزاؤں کو دیکھا۔ لوگوں کو کوڑے اور پھانسی لگتے دیکھا۔

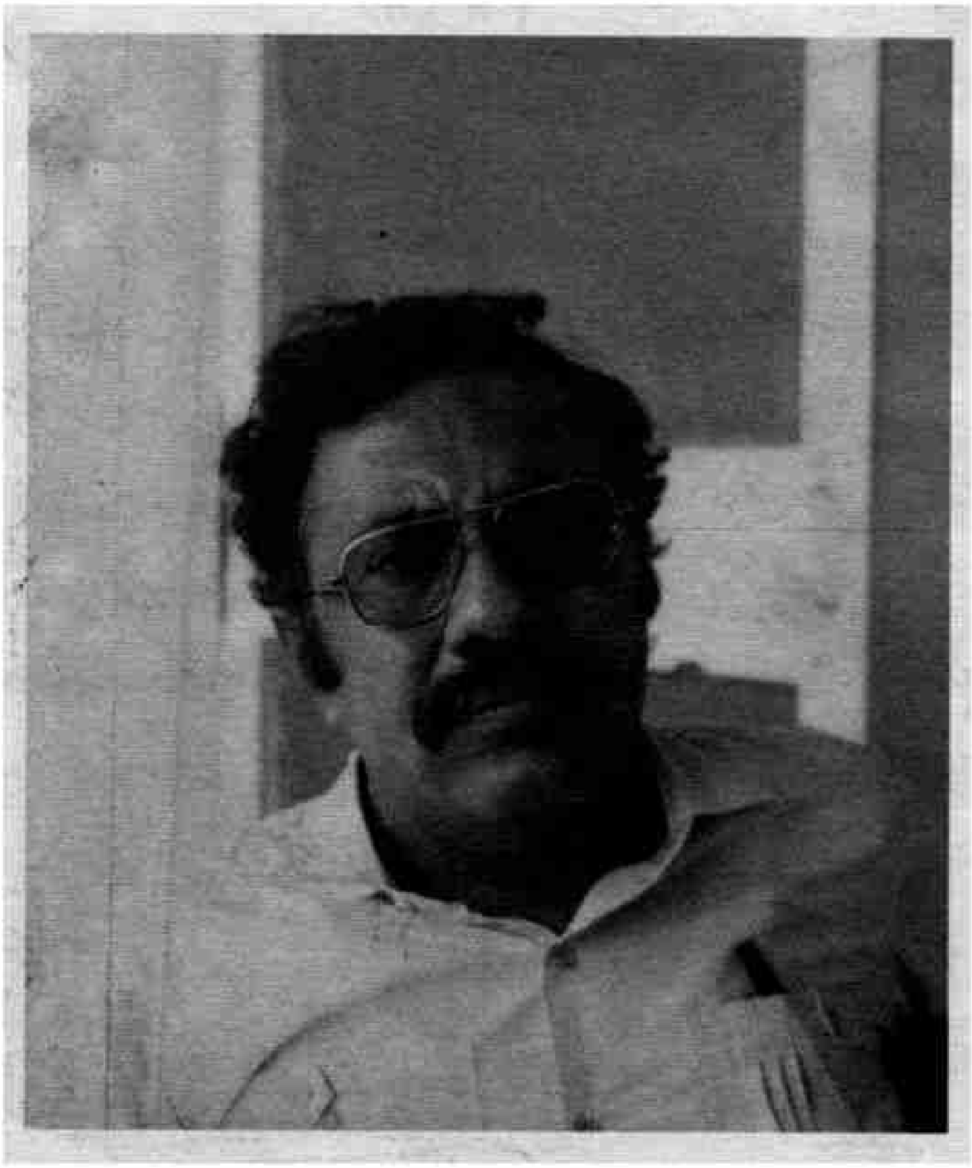
غرض جیل ایسی بھٹی ہے جس میں پختہ شعور اور راسخ العزم رکھنے والے جب جھونک دیئے جاتے ہیں تو وہ اُس میں کندن بن سکتے ہیں۔ ہمارے بہت سے ساتھی ابھی کندن بننے کے عمل میں ہیں اور بہت سے دمکتا سونا بن کے باہر آچکے ہیں اور نئے ارادوں کے ساتھ انقلاب کی راہیں ہموار کر رہے ہیں

جیل کے شب و روز کی یہ یادیں دراصل اُن ساتھیوں کو خراج تحسین ہے جن کے پائے استقامت میں لغزش نہیں آئی۔

میں عزیزم نثار حسین کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے اس مقدمے کی روداد کو مرتب کرکے مجھ سے یہ سطریں لکھنے کی فرمائش کی۔اس طرح میں اپنے ساتھیوں کو اپنے خیالات پہنچانے میں کامیاب رہا۔

پروفیسر جمال نقوی

۲ر نومبر ۱۹۸۷ء کراچی



کامریڈ جام ساقی

ولد : محمد سچّل

جائے پیدائش : جھنجی تحصیل چھاچھرو ضلع تھرپارکر

تعلیم : پرائمری تعلیم آبائی گاؤں سے حاصل کی۔ سندھ یونیورسٹی سے ایم ۔اے پولٹیکل سائنس کیا۔

مختصر حالات زندگی : جام ساقی مشہور سیاسی شخصیت ہیں آپ تھر کے پسماندہ علاقے میں پیدا ہوئے وہیں ابتدائی تعلیم حاصل کی پھر سندھ یونیورسٹی سے ایم اے کیا اس دوران طلباء سیاست میں حصہ لیتے رہے۔ بعد میں عملی سیاست شروع کی۔ شاعری بھی کرتے ہیں۔ ایک ناولٹ بھی لکھا۔ بیوی سنگھاں نے ان کی قید کے دوران خودکشی کی۔ دو بچے ہیں بیٹا سجاد ظہیر نویں جماعت اور بیٹی سحا ور ساتویں جماعت کی طالبعلم ہیں۔ ایک بیٹی کی وفات بیوی کی موت سے چند دن پہلے ہوئی۔

جام ساقی نے سات مرتبہ جیل یاترا کی۔ پہلی مرتبہ ۴ مارچ ۶۶ء میں گرفتار ہوئے سب سے لمبا عرصہ ضیاء حکومت (آٹھ سال) میں جیل میں گذارا۔

سیاسی پس منظر : سندھ نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے صدر رہے، نیشنل عوامی پارٹی سندھ کے جنرل سیکرٹری اور مرکز کے جوائنٹ سیکرٹری رہے۔ کمیونسٹ پارٹی آف پاکستان کی مرکزی کمیٹی کے رکن اور مرکزی رہنما اور پارٹی کے واحد ترجمان بھی ہیں۔

خصوصی فوجی عدالت حیدرآباد کے سامنے

کامریڈ جام ساقی

جناب صدر اور معزز اراکین عدالت

مجھے اس عدالت میں میری نظر بندی کے تیرہ ماہ بعد پیش کیا گیا ہے۔ اس پورے عرصے میں قید تنہائی میں رکھا گیا اور دوسرے ہر قسم کے تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ اگر مجھ پر قائم کیا گیا مقدمہ حقیقی ہو تو یقیناً اتنا طویل عرصہ عجیب و غریب کہانیاں گھڑنے کیلئے درکار نہ ہوتا۔

مجھ پر یحییٰ خاں کے غیر قانونی اقتدار کے دوران بھی خصوصی فوجی عدالتوں میں مقدمے چلائے گئے۔ ۱۹۶۹ء کے اوائل میں مجھے اس بنیاد پر گرفتار کیا گیا تھا کہ میں نے ون یونٹ کے خلاف بیجز تقسیم کئے تھے۔ مجھ پر مئی ۱۹۶۹ء میں ایک میجر جاوید مجید کی خصوصی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا تھا۔ سی آئی ڈی کے ایک گواہ نے عدالت کو بتایا کہ "انھیں ایک وائرلیس پیغام موصول ہوا ہے کہ میں سرحد پار کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں"، مجھے اس پر شدید دکھ ہوا اور میں اپنے جواب میں جذباتی ہوگیا۔ پریذائڈنگ افسر میرے جذبات کو محسوس کر رہا تھا کیونکہ میں نے اسے آبدیدہ دیکھا تھا۔ مگر اس نے مجھے ایک سال قید سخت کی سزا سنادی۔

مجھے ایک اور انوکھا واقعہ یاد ہے۔ مجھ پر مارشل لاء ریگولیشن ۵، ۱۶، ۱۹ کی خلاف ورزی پر مقدمہ قائم کیا گیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ میں نے ون یونٹ کی مخالفت کر کے ایم ایل آر ۱۹ کی خلاف ورزی کی تھی۔ میں نے صدر عدالت سے پوچھا کہ یہ ایم ایل آر ۵ اور ۱۶ کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ وہ نہیں جانتا۔ میں نے اس پر کہا کہ میں اس وقت تک عدالت کو مقدمہ جاری رکھنے کی اجازت نہیں دوں گا

جب تک عدالت یہ نہیں جان لیتی کہ وہ قواعد کیا ہیں جن کی خلاف ورزی کا الزام مجھ پر عائد کیا گیا ہے۔ میجر جاوید نے دس منٹ کے وقفے کا اعلان کیا اور جب کارروائی دوبارہ شروع ہوئی تو اس نے بتایا کہ ایم ایل آر ۵ غداری کے بارے میں ہے اور اس نے مسکراتے ہوئے بتایا کہ جہاں تک ایم ایل آر ۱۶ کا تعلق ہے حیدرآباد "بگ گی" کو بھی اس کے متعلق علم نہیں ہے۔ تاہم بغیر کسی مزید تاخیر کے اس نے وہ سزا سنا دی جس کے لئے اسے بھیجا گیا تھا۔

مجھ پر دسمبر ۱۹۶۹ء میں دوبارہ ایک فوجی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا اس عدالت کی سربراہی کوئی میجر بیگ کر رہا تھا۔ اس نے مجھے زرعی کالج کے ہوسٹل کے کمرے میں چھ سو طلباء کے سامنے اشتعال انگیز تقریر کرنے کے الزام میں ایک سال قید بامشقت کی سزا سنائی ہوسٹل کے چھوٹے سے کمرے میں چھ سو طلباء۔ بیان کی نہ تو تصحیح کی گئی اور نہ اسے حذف کیا گیا جب کہ مجھے سزا سنا دی گئی۔"

مجھے ان میجروں سے کوئی شکایت نہیں کیونکہ میں ان کی مجبوریاں سمجھ سکتا ہوں۔ بلکہ مجھے تو ان پر رحم آتا ہے کیونکہ میں اس درد اور دکھ کا اندازہ کر سکتا تھا اور کر سکتا ہوں جس سے ایک ایماندار آدمی اپنے ضمیر کے خلاف کام کرتے ہوئے دوچار ہوتا ہے۔ تاہم جس عدالت میں مجھ پر مقدمہ چلایا جا رہا ہے خصوصی فوجی عدالت نہیں ہے لیکن یہ سول عدالت بھی نہیں ہے اگرچہ اس بدقسمت ملک میں عدالتی قدروں کی درگت کے پیش نظر اس سے کوئی فرق بھی نہیں پڑتا سپریم کورٹ کے چیف جسٹس یعقوب علی خاں کو عہدے سے محض اس لئے برطرف کر دیا گیا کہ انہوں نے بیگم نصرت بھٹو کی رٹ درخواست منظور کر لی تھی۔ ہائی کورٹوں کے ججوں کو دس گھنٹے کے اندر دستور کی حفاظت اور وفاداری کے حلف کی خلاف ورزی پر مجبور کیا گیا ایک ہائی کورٹ کے جج کو گھر کی تلاشی اور بیٹے کی گرفتاری کے ذریعہ اس لئے دھمکایا گیا کہ اس نے سابق وزیر قانون حفیظ پیرزادہ کو نااہل قرار دینے کے بارے میں ایک بریگیڈیئر سے اختلاف کیا تھا۔

میں خوب جانتا ہوں کہ میرے جیسا شخص جو کمیونسٹ ہے اور سائنسی سوشلزم کا داعی ہے ایک ایسی حکومت میں انصاف کی کیا توقع کر سکتا ہے۔ جہاں سی ایم ایل اے کمانڈر انچیف اور خود ساختہ صدر کھلے بندوں دائیں بازو کا ہونے کا اعلان کرتا ہو۔

فوجی عدالتیں فوجی زیادہ اور عدالت کم ہوتی ہیں۔ ان کے فیصلے پہلے اوپر سے تیار ہوتے ہیں

اور بعد میں سنائے جاتے ہیں ان حالات میں اس کی کوئی زیادہ گنجائش نہیں ہے کہ "یہ معزز" عدالت اس مقدمے کا فیصلہ بلا خوف اور رعایت کر سکے گی یہ خاص طور پر اس لئے ایسا ہے کہ متعلقہ حکام شروع سے ہی اس پر اصرار کرتے رہے ہیں کہ جیل یا تشدد گاہوں سے میری لاش ہی برآمد ہو۔ کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ ایک شخص پر فوج کی مخالفت کا الزام ہو اور اس پر مقدمہ بھی فوجی عدالت میں ہی چلے، مدعی خود ہی منصف بھی ہو۔ سندھی زبان میں ہم اس انصاف کو جہاں "خانی انصاف" کہتے ہیں۔!

اگر مراعات یافتہ طبقوں سے متعلق حفیظ پیرزادہ جیسے لوگوں کو بھی انصاف میسر نہیں تو محنت کش طبقوں کی کاز کے لئے لڑنے والے کمیونسٹ کو کیسے انصاف مل سکتا ہے، اگر پٹ فیڈر کے کسان ملتان کے مزدوروں اور دیگر ہزاروں مقامات کے عوام کو گولیوں کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اگر سندھ یونیورسٹی اور دیگر تعلیمی اداروں کے طلبا جیلوں اور اذیت گاہوں میں مقید رکھے جاتے ہیں اور کیمپس کو بند رکھا جاتا ہے تو میں جو مزدوروں، کسانوں، نوجوانوں، دانشوروں، مظلوم قومیتوں اور دیگر کچلے ہوئے عوام کی کاز کا ترجمان ہوں کیسے ایک ایسے حکمران ٹولے سے انصاف کی توقع رکھ سکتا ہوں جو کھلے عام خود کو دائیں بازو سے متعلق کہتا ہو۔

جناب! اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جانا چاہئے کہ اس عدالت کے سامنے پیشی کو میں بیکار محض خیال کرتا ہوں۔ کیونکہ میں بخوبی جانتا ہوں کہ اس عدالت کو یہ موقع حاصل ہوا ہے کہ وہ انصاف، غیر جانبداری اور ضمیر کے مطابق فیصلہ کر کے ایماندار ہم وطنوں بشمول مسلح افواج کے محب وطن اور ایماندار عناصر کے دل جیت سکے۔

معزز ججز عدالت! سیاسی مقدموں کے فیصلوں کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ افراد عدالتوں کے سامنے اور عدالتیں عوام کے سامنے پیش ہوتی ہیں۔ ایک فیصلہ عدالت دیتی ہے اور دوسرا فیصلہ تاریخ دیتی ہے۔ آیئے ہم امید کریں کہ اس عدالت کے فیصلہ کی توثیق تاریخ کا انمٹ فیصلہ کرے گا

معززین! مجھے اجازت دیجیئے کہ میں آپ کے سامنے اذیت ناک اور غیر انسانی سلوک کا تذکرہ کردوں جو مجھ پر ہمارے بحیلے باوردی بھائیوں نے روا رکھا ہے۔ میں بعض ایسے "پرجوش" فوجی افسروں

کا حوالہ دوں گا جنہوں نے پاکستان کے غیر مسلح عوام پر اپنا غیض و غضب اتارنے میں کسی احتیاط کو بھی مدنظر نہیں رکھا اور ایف آئی یو کے افسروں کا ذکر بھی کروں گا۔ میں ایف آئی یو کا ذکر علیحدہ طور پر اس لئے کر رہا ہوں کہ میں ایف آئی یو کو فوجی ڈھانچے کے طور پر پہچاننے سے قاصر ہوں، اس کی وضاحت میں بعد کروں گا۔

مجھے دس دسمبر ۱۹۷۸ء کو داؤد مینشن حیدرآباد کی سیڑھیوں سے گرفتار کیا گیا۔ میری گرفتاری کیلئے پولیس کی چار گاڑیاں اور فوج کی دو گاڑیاں لائی گئی تھیں۔ جو پنجاب رجمنٹ کی ۱۷ ویں بٹالین سے متعلق تھیں۔ ۱۷ ویں پنجاب کے ضرورت سے زیادہ پرجوش کمانڈنگ افسر نہ صرف اس اپریشن کے چیف تھے بلکہ بہ نفس نفیس گرفتاری کے لئے موجود تھے وہ پولیس حکام پر اعتبار کرنے کو تیار نہ تھے کیونکہ یہ خبر گرم تھی کہ کوئی سندھی افسر مجھے گرفتار کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ بعدازاں اس میں یہ اضافہ بھی ہو گیا تھا کہ کوئی سول افسر بھی ایسا کرنے کیلئے آمادہ نہیں ہے۔ اس طرح کرنل نہ صرف موقع پر موجود تھا بلکہ جوں ہی میری گرفتاری عمل میں آئی وہ مجھے سٹی پولیس تھانے پہنچ گیا اور ایک گھنٹہ بعد اس نے سٹی پولیس تھانے کے ایس ایچ او خلیل باجوہ کو نہ صرف مجھے ۱۷ ویں پنجاب کے کوارٹر گارڈ پہنچانے کا حکم دیا بلکہ میرے ساتھ اس کے شریفانہ برتاؤ پر سرزنش بھی کی میں اس کے پاس بیٹھا تھا اور ٹیلی فون پر اس کے جوابات اور معذرت خواہانہ انداز سے یہ سمجھ رہا تھا۔ مسٹر باجوہ کے الفاظ تھے "نہیں جناب! میں اسے اپنے کوارٹر نہیں لے گیا بلکہ وہ تو مسلسل یہیں میرے دفتر میں میرے سامنے بیٹھا ہے"۔ تاہم میری گرفتاری کے ایک گھنٹہ کے اندر مجھے آنکھوں پر پٹیاں باندھ کر ۱۷ ویں پنجاب کے کوارٹر گارڈ پہنچا دیا گیا۔

تقریباً ۱۰ یا ۱۰½ بجے مجھے کوارٹر گارڈ سے اے سی دفتر لے جایا گیا۔ جہاں تین افراد میرے منتظر تھے۔ کرنل رحمان اور میجر ظہیر نے ڈی ایس پی حیدرآباد ہونے اور تیسرے نے خفیہ سے متعلق ہونے کا سوانگ رچایا۔ یہاں مجھے بتایا گیا کہ اگر میں سیاست سے کنارہ کش ہو جاؤں تو مجھے رہا کیا جا سکتا ہے۔ فطری طور پر میں نے انکار کیا جس پر کرنل رحمان نے دوسری پیشکش کی کہ اگر میں این ڈی پی (نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی) میں شامل ہو جاؤں تو حکومت نہ صرف مجھے رہا کر دیگی بلکہ نفع بخش کاروبار زمین یا نقد رقم بھی مہیا کرے گی۔ تاکہ میں پر آسائش زندگی گذار سکوں میں نے انھیں بتایا کہ مجھے جھکانے کی ایسی کوششیں

ناکام رہیں گی کیونکہ میں نے اپنی زندگی سوشلزم کے لئے وقف کر رکھی ہے اور میں نے اس وقت تک جدوجہد جاری رکھنے کا مصمم عزم کر رکھا ہے جب تک قومی اور شخصی استحصال کا خاتمہ نہیں ہو جاتا۔ اس پر جھنجھلاتے ہوئے کرنل رحمان کا ردعمل انتہائی تشددانہ تھا۔ اس نے فوراً ایک فوجی کو بید لانے کا حکم دیا۔ تقریباً ایک بجے رات کو بید بازی شروع ہو گئی جو گالم گلوچ اور چیخ و پکار کے ساتھ اس وقت تک جاری رہی جب تک ہماری فوج کے "بھیلے" جوان ہانپ نہیں گئے، میرا خون بہہ رہا تھا اور صبح ہو رہی تھی۔

بہرکیف میں یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ کوئی شخص خود سے ایسی پیشکش کرنے اور ایسا وحشیانہ برتاؤ کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا اس سب کے پیچھے کوئی بڑی توپ ضرور ہے اور وہ بڑی توپ لازماً حکمران ٹولے سے متعلق ہو گی کیونکہ ایک پیشہ ور فوجی افسر کو خواہ وہ کرنل ہو یا جنرل، اس سے کیا سروکار کہ میں این ڈی پی میں شامل ہوتا ہوں یا نہیں۔ چار دن تک مسلسل اذیتیں دینے کے بعد وہ مجھے سیل میں ڈال گئے۔ میں نے بعد میں اندازہ لگایا کہ انھوں نے مجھے ایف آئی یو/ایف آئی سی ۱۵۷ کے حوالے کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

۲۰ دسمبر کو مجھے آنکھیں باندھ کر کراچی لے جایا گیا اور ایف آئی یو/ایف آئی سی ۱۵۷ کے اذیت کیمپ کے حوالے کر دیا گیا جہاں مجھے چند دن تک اندھیری کھولی میں رکھا گیا جس کی چھت کو اوپر سے اور کھلے فرش کو نیچے سے زور زور سے پیٹا جاتا تھا۔ اس قدر تاریکی تھی کہ میں قطعی کچھ نہیں دیکھ سکتا تھا حتیٰ کہ مجھے پانی کے مگ اور کھانے کے برتن کو بھی ٹٹول کر ڈھونڈنا پڑتا تھا چند دنوں کے بعد مجھے اس کھولی سے نکالا گیا اور ایک دوسری کھولی میں چار دن تک جگائے رکھا گیا۔

بے آرامی اور اذیت رسانی کو گالیوں اور بیہودہ زنی سے دو آتشہ بنایا گیا ہماری پولیس برطانوی راج سے ہی گالیوں کے لئے بدنام ہے لیکن میں نے یہاں دیکھا کہ چند اداروں اور بعض افراد کو گالیوں میں خصوصی مہارت دلائی گئی ہے اور وہ اس فن میں پولیس سے کہیں زیادہ تربیت یافتہ ہیں کیونکہ وہ موقع پر ہی نئی غلیظ گالیاں ایجاد کر سکتے ہیں چار دن کے بعد انھوں نے اذیت رسانی کو سوالات سے بدل دیا۔ انھوں نے میری عینک، ٹوتھ برش اور کنگھی وغیرہ ۲۰ دسمبر کو ہی مجھ سے چھین لی تھی جو مجھے فروری ۷۹ء کے پہلے ہفتے میں لوٹائی گئی۔

اس دوران ایک جعل ساز مجھ سے ملنے آیا جس نے ایک کوالیفائیڈ ڈاکٹر کا سوانگ رچا رکھا تھا میں نے اس سے اپنے چشمے کی واپسی کے لئے کہا اور بتایا کہ مجھے ماہر امراض چشم نے ہر وقت چشمہ لگانے کو کہا ہے تو اس پر اس نے جواب دیا کہ "ارے نہیں! اس نے غلط کہا " اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میرا خیال ہے کہ ہمارے ملک کے ماہرین امراض چشم کو بیرون ملک جاکر کثیر زرمبادلہ صرف نہیں کرنا چاہیئے۔ بلکہ وہ ان اذیت گاہوں کے جعل سازوں سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ عدالت مجھ سے اتفاق کرے گی ہر ملزم کو کچھ حقوق حاصل ہوتے ہیں اور میں یہ جاننے کا حق رکھتا ہوں کہ وہ شخص جسے ماہر امراض چشم کے بہروپ میں بھیجا گیا تھا وہ کون تھا؟۔

بعض اوقات جب وہ مجھے بے خواب رکھتے تھے تو مجھ پر دسمبر جنوری کی سرد راتوں میں یخ بستہ پانی ڈالا جاتا تھا۔ گالیوں کی بوچھاڑ کی جاتی تھی اور چلایا جاتا تھا " تم کو نیند آ رہی ہے تم بڑے ...... (عدالت خالی جگہ خود پر کر سکتی ہے) اکثر اوقات وہ میرے سر ہاتھوں اور مونچھوں کے بال نوچتے تھے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ ان کے لئے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ میں اذیت اور تشدد سے مر بھی جاؤں جیسا کہ حسن ناصر مر گیا تھا۔ یا ذہنی طور پر ابنارمل ہو جاؤں جیسا کہ ایران کے ڈاکٹر مصدق ہو گئے تھے۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا کہ مجھے انجکشنوں سے نامرد بنایا جا سکتا ہے۔ مجھے اتفاق ہے کہ یہ دھمکی ایسے رجعتی حکمرانوں کے لئے عین فطری ہے جو بانجھ استحصالی طبقوں کی نمائندگی کرتے ہیں بانجھ پن کے علاوہ یہ نظام اور پیش بھی کیا کر سکتا ہے جو عرصہ ہوا اپنی تخلیقی، جدت طرازی اور ترقی کی صلاحیتوں سے عاری ہو چکا ہے۔

عام طور پر لوگ کہتے ہیں کہ "جہاں کوئی قانون نہیں ہوتا وہاں مارشل لاء ہوتا ہے لیکن مجھے اس سے برعکس محسوس ہوتا ہے کہ جہاں مارشل لاء ہوتا ہے وہاں کوئی قانون نہیں ہوتا، تاہم میں ذہنی طور پر ایسی اذیتیں برداشت کرنے کے لئے تیار تھا کیونکہ میں حکمران ٹولے کے کردار سے آگاہ تھا۔ تشدد اور اذیتوں نے صرف اس حکومت کے کردار کے بارے میں ہمارے تجزیئے کی توثیق مزید کی تھی۔

لیکن اس کے علاوہ بھی بہت کچھ تھا جس نے شدید اذیت دی۔ مثال کے طور پر بے آرامی کی طویل راتوں میں جب مجھے جگائے رکھا جاتا تھا تو وہ مسلسل یہ بکواس کرتے تھے کہ زرعی اصلاحات

اسلام کے خلاف ہیں اس لئے زمین کسانوں میں تقسیم نہیں کی جانی چاہیئے صرف جاگیرداری زمین کے مالک ہونے چاہئیں۔ وہ جانتے تھے اور میں نے بھی انہیں بتایا تھا کہ یہ میرے ایمان کا جزو ہے کہ زمین کو پہلے کاشتکار اور پھر امداد باہمی کے فارموں کی ملکیت ہونا چاہیئے لیکن وہ ساری ساری رات بکواس کرتے رہتے تھے۔ کچھ دیگر راتوں کے دوران بعض "ماہرین" میرے پاس آئے اور مجھ سے سامراجی سرمائے کی وکالت کرتے رہے ان کے یہ بیہودہ دلائل کئی راتوں تک جاری رہے ایک پاکستانی شہری کی حیثیت سے اور اس طرح کم از کم نظری طور پر اگرچہ ابھی عملی طور پر نہیں، ملک کے آقا ہونے کی حیثیت سے مجھے یہ معلوم کرنے کا حق حاصل ہے کہ وہ کون تھے ہ مجھے یہ تسلیم کرکے انتہائی دکھ ہوتا ہے "یہ حضرات" مسلح افواج سے متعلق تھے اگر ایسا نہیں تھا تو سامراجی سرمائے اور فرسودہ جاگیرداری نظام کے ان کھوکھلے دلالوں کو اس اذیت گاہ تک کس طرح رسائی حاصل ہو سکی جس کی نگرانی فوج کر رہی تھی اور جہاں مجھے کھلی آنکھوں سے سیل کے باہر چلنے کی اجازت بھی نہ تھی۔ بعض افسران کمیونسٹ پارٹی آف پاکستان کے اس بیان سے انتہائی غضبناک تھے جس میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ جنرل نصیری کو ناپسندیدہ شخص قرار دیا جائے اور اسے واپس ایران بھیجا جائے تاکہ وہ رضا شاہ پہلوی کے دور میں کئے گئے کئی انسانیت سوز قتلوں کے مقدمات بھگت سکے کیونکہ وہ بدنام زمانہ "ساواک" کا بانی اور سربراہ تھا۔ پاکستانی فوج کے افسران کو ساواک کے سربراہ کو ملک سے نکال دینے کے مطالبے پر اتنی پریشانی نہیں ہونی چاہیئے جب تک کہ اس کے پیچھے کوئی خاص وجہ نہ ہو۔ اگر حکومت کے پاس مستقبل کو جاننے کیلئے اتنی سی عقل بھی نہیں تو پھر وہ ہمارے بیان سے ہی کچھ سیکھ سکتی تھی مصائب آزمائش اور کٹھن جدوجہد کے ان دنوں میں ایک عام آدمی بھی سمجھ سکتا تھا کہ یہ کٹھن اور شدید صورت حال عظیم ایرانی عوام کو فرسودہ بادشاہت جو سامراجی مفادات کے نگراں کی حیثیت سے سرگرم تھی کہ جوئے سے نجات دلا کر رہے گی۔ اگر حکومت نے ہمارا مطالبہ مان لیا ہوتا تو ایران کی موجودہ حکومت سے ہمارے سرکاری تعلقات انتہائی قریبی اور دوستانہ ہوتے اور وہ ہمیں ایک کروڑ ڈالر کی امداد دینے سے انکار نہ کرتی جس کے لیے حکومت کو چاول کی اگلی فصل رہن رکھنی پڑی۔

ایف آئی یو کے ان افسران کے رویئے کا جائزہ لیتے ہوئے اور اس کھلے راز کو مدنظر رکھتے ہوئے

ہماری بعض انٹیلی جنس ایجنسیوں کے شاہ ایران کی ساواک سے قریبی تعاون کے تعلقات ہیں ۔
جب میں نے ۱۵ دسمبر ۱۹۷۹ کو ایران کے سابق وزیر صحت کا بیان (غالباً مشرق کراچی میں) پڑھا کہ ساواک کے اسرائیل کی موساد امریکی سی آئی اے، مغربی جرمنی کی ایک ایجنسی اور پاکستان کی ایک انٹیلی جنس ایجنسی سے قریبی تعاون کے تعلقات تھے تو مجھے یہ سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہوئی کہ یہ پاکستانی ایجنسی ایف آئی یو ہے۔!!

چونکہ میں ان کی نگرانی میں ۹ ماہ تک رہا ہوں اس لئے میں ایف آئی یو کے بارے میں کچھ زیادہ جانتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ بنیادی طور پر اس ایجنسی کا قیام غیر ملکی انٹیلی جنس کا توڑ کرنے کیلئے عمل میں آیا تھا لیکن اس نے کام جاسوسی کا کیا۔ بھٹو حکومت کے دوران اس نے اسمگلروں کا معاملہ اس جواز پر ہاتھ میں لیا کہ بعض اسمگلر غیر ملکی ایجنٹ ہو سکتے ہیں لیکن موجودہ اقتدار میں اس نے سیاست کے پھٹے میں ٹانگ اڑانا شروع کی دائیں بازو اور روشن خیال جماعتوں کے سیاستدان اس کے بارے میں اس لئے خاموش ہیں کہ وہ محسوس کرتے ہیں کہ صرف ترقی پسند اور کمیونسٹوں کو ہی تشدد اور اذیت رسانی کا نشانہ بنایا جاتا ہے لیکن یہ سادہ لوح یہ نہیں جانتے کہ اگر صورت حال یہی رہی تو ایجنسی جلد ہی آدم خور بن جائے گی اور ان دائیں بازو اور روشن خیال جماعتوں کے سیاسی کارکنوں کو بھی نہیں بخشے گی جیسا کہ ایران میں ہو چکا ہے اس لئے فوج کے مفاد کے لئے ملک کے مفاد کے لئے اور عوام کے مفاد کیلئے بھی ضروری ہے کہ اس عمل کو فوری طور پر بند کیا جائے، میری تفتیش کے دوران وہ ایک پمفلٹ "زمین کا مالک کون" کے بارے میں بہت پریشان تھے جس میں زور دیا گیا تھا کہ زمین غریب کسانوں اور ان حقیقی مالکوں کو واپس کی جانی چاہیئے جو ان سے جنگلات یا فوجی افسروں یعنی غیر حاضر زمینداروں کے نام پر چھینی گئی تھی یہ پمفلٹ سندھ انقلابی جمہوری محاذ نے ۱۹۷۵ء میں جاری کیا تھا لیکن ۔ ان حضرات نے اس سے ذاتی طور پر تکلیف محسوس کی اور وہ ان عناصر کے بارے میں جاننے کو بے تاب تھے جو ان کے مفاد کیخلاف ہیں ۔

میرے تفتیش کنندگان نے یحیٰی خاں کے دور میں بنگلہ دیش پر فوجی اقدام کی میری مخالفت پر مجھے شدید اذیتیں دیں ۔ میں یہ جان کر حیرت زدہ رہ گیا کہ اب بھی ایسے نامعقول عناصر کو اہم ذمہ دار

عہدے تفویض ہیں جو یہ سبق سیکھنے میں ناکام رہے ہیں کہ زمین پر کوئی فوج اپنے ہی عوام کو شکست نہ دے سکی ہے نہ دے سکے گی۔ زیادہ سے زیادہ یہ وقتی طور پر بند باندھ سکتی ہے لیکن عوام کی یلغار کا دھارا جلد ہی انھیں تنکوں کی طرح بہالے جاتا ہے۔ میں سنجیدگی سے سمجھتا ہوں کہ ایسا ہوگا۔ ایسے افراد اگر ذمہ دار عہدوں پر فائز رہے تو ہمارا ملک اور ہمارے عوام شدید خطرے میں ہیں۔
ان دنوں تشدد سے پڑنے والے زخم خراب ہوگئے اور ان سے پیپ بہنے لگی میری بیٹھ سوج گئی اور مجھے شدید بخار رہنے لگا اس پر مجھے ایک ماہ تک روزانہ، چار انجکشن لگائے جاتے رہے لیکن ان متکبر افسروں نے تشدد کا سلسلہ جاری رکھا۔ زخم آخر کار بھر گئے لیکن ابھی تک میرے جسم کے مختلف حصوں میں گہرے نشانات موجود ہیں جسے عدالت دیکھ سکتی ہے۔

مجھے یہ دھمکی دی گئی کہ اگر میں نے پانچ وقتہ نماز ادا نہ کی تو مجھے قلعہ لاہور بھیجا جائے گا۔ تاکہ میں حسن ناصر کا حشر بھگت سکوں۔ میں ضمیر کی آزادی پر یقین رکھتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ ایک شخص نماز پڑھتا ہے یا نہیں اس سے کسی کو سروکار نہیں ہونا چاہیئے۔ میرا خیال ہے کہ وہ اس طرح اسلام کی خدمت نہیں کر رہے۔ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے سیکرٹریٹ میں بالجبر نمائشی نمازوں سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ بعض افراد اپنے افسروں کی خوشنودی کیلئے نماز پڑھتے ہیں اس طرح حکومت منافقین پیدا کر رہی ہے اور پیدائشی مسلمان منافقوں سے کہیں بہتر ہوتے ہیں۔
مجھے بتایا گیا کہ میری بیوی طوائف ہے لیکن میں نے پیری ڈیز کی کتاب "ینتھلڈ" پڑھ رکھی ہے اس لئے میں آسانی سے سمجھ سکتا تھا کہ اس قسم کے الزامات ہر رجعتی حکمران کا آزمودہ نسخہ ہیں۔

اس کے علاوہ میں اپنی بیوی کی پاکبازی کے بارے میں اچھی طرح واقف تھا بعد ازاں مجھے معلوم ہوا کہ میری بیوی نے اپنی زندگی مجھ پر قربان کر دی کیونکہ وہ سمجھتی تھی کہ یہ سامراج نواز رجعتی حکمران مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ بدقسمتی سے حکمرانوں کے کردار سے واقف ہوتے ہوئے بھی اس نے عوام کی قوت کو کم کر کے دیکھا نہیں تو وہ نہ صرف پرامید ہوتی بلکہ پر اعتماد بھی ہوتی کہ جلد یا بدیر میں باہر آجاؤں گا اور عوام اور میں اس کے ساتھ ہوں گے۔ تاہم جب گیارہ ستمبر ۱۹۷۹ء کو مجھے

میرے والد سے ملاقات کی اجازت دی گئی تو مجھے اس کی افسوسناک موت کی تفصیلات معلوم ہوئیں مجھے یہ جان کر انتہائی دکھ ہوا کہ نظام مصطفےٰ کے دعویدار اور نظریہ پاکستان کے ترجمان میری وفا شعار بیوی کی کردار کشی کر رہے تھے جب کہ ان کو یقینی علم تھا کہ وہ پہلے ہی فوت ہو چکی ہے اور اپنی قبر میں ابدی نیند سو رہی ہے۔

پہلے انہوں نے مجھ پر الزام عائد کیا کہ مجھے افغانستان کے ذریعے روسی ہتھیار مل رہے تھے چند دنوں، بعد انہوں نے یہ الزام واپس لے لیا اور کہا کہ جی بی سے میرے کچھ رابطے ضرور تھے اور کچھ دن بعد انھوں نے یہ الزام بھی واپس لے لیا اور کہا کہ انہوں نے میرے بیگ سے ریوالور برآمد کیا ہے جس پر میں نے کہا کہ وہ باآسانی ایک ٹینک بھی اس بیگ سے برآمد کر سکتے تھے۔ تفتیش کرنے والے افسروں نے جواب دیا کہ "لیکن عام فہم اسے قبول نہیں کرے گی اس پر میں نے اسے بتایا کہ مارشل لاء کا عام فہم سے کیا واسطہ! آپ لوگ ایک مارشل لاء آرڈر جاری کر سکتے ہیں کہ ایک تھیلے سے ٹینک بھی برآمد ہو سکتا ہے اور اس میں شق "ب" کا بھی اضافہ کیا جائے کہ اس آرڈر کو کسی عدالت قانون میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔

بعد ازاں مجھے یہ بتایا گیا کہ کمیونسٹ پارٹی آف پاکستان فوجی افسروں کو بائیں بازو کا "ٹوپ" برپا کرنے کیلئے اکسا رہی ہے۔ اس لئے مجھے آرمی ایکٹ کے تحت گرفتار کیا گیا ہے کبھی مجھے یہ بتایا جاتا کہ افسروں کے سیکرٹ ایکٹ کے تحت مجھ پر مقدمہ چلایا جائے گا اور کبھی بتایا جاتا کہ ہم کمیونسٹ گوریلا جنگ شروع کرنا چاہتے تھے۔ حضرات! سول حکومت پہلے الزامات عائد کرتی ہے اور پھر کسی شخص کو گرفتار کیا جاتا ہے۔ لیکن مارشل لاء حکومت پہلے افراد کو گرفتار کرتی ہے اور پھر کوئی سا الزام عائد کر دیتی ہے۔ یہ ذہنیت مجھے بھیڑیا اور بکری کے بچے کی کہانی یاد دلاتی ہے بھیڑیا الزام عائد کرتا ہے کہ بکری کا بچہ دریا کا پانی گندہ کر رہا ہے۔ بچہ جواب دیتا ہے "جناب میں تو دریا کے نیچے کی طرف ہوں"۔ "اچھا تو تم نے مجھے پچھلے سال گالیاں دی تھیں"۔ بکری کا بچہ اسے مطلع کرتا ہے کہ اس کی عمر تو کل چھ ماہ ہے بھیڑیا کہتا ہے کہ تمہارے باپ نے گالیاں دی ہوں گی۔ اس پر بکری کا بچہ کہتا ہے جناب آپ نے

مجھے کھانا ہی ہے تو الزامات عائد کرنے کی زحمت کیوں کرتے ہیں!!

ان بہادروں کا یہ احمقانہ اور وحشیانہ رویہ فروری ۷۹ء کے پہلے ہفتہ تک جاری رہا تب انہوں نے فیصلہ کیا کہ مجھے لاہور قلعہ بھیج دیا جائے۔ آخری کوشش کے طور پر وہ میرے پاس آتے اور کہتے کہ اس مرحلہ پر بھی اگر میں کمیونسٹ پارٹی آف پاکستان کے اراکین کی فہرست ان کے حوالے کر دوں تو مجھے لاہور قلعہ نہیں بھیجا جائے گا۔

گالیاں روز کا معمول تھیں لیکن ایک صوبیدار کو خصوصی طور پر گالیاں دینے اور بال وغیرہ نوچنے کا کام سونپا گیا تھا میں نہیں جانتا کہ نظر بندوں کا حوصلہ پست کرنے کیلئے یہ ان کا مجموعی طریقہ کار تھا یا وہ شخص اذیت پسند تھا۔ لیکن میرے معاملے میں انہوں نے حکومت کے لئے کوئی ساکھ قائم نہیں کی۔ فروری ۷۹ء کے پہلے ہفتہ میں یہ زائد تشدد ختم ہو گیا۔ مجھے میرا چشمہ، ٹوتھ برش اور کنگھی وغیرہ واپس دیدیئے گئے لیکن انھوں نے اخبار اور سگریٹ دینا قبول نہیں کیا۔ مجھے مسلسل ۹ ماہ تک ۲۴ گھنٹے ہتھکڑی لگا کر رکھا جاتا۔ جب تک میں ایف آئی یو کی اذیت گاہ میں رہا۔

۷ مارچ کو مجھے میرے ایک دوست شمیم واسطی اور وکیل صفائی نورالدین سرکی سے سندھ ہائی کورٹ کے حکم پر ملاقات کی اجازت دی گئی یہ ملاقات ایف آئی یو کے ایک میجر کی موجودگی میں ہوئی اور ہمیں مقدمے کے بارے میں گفتگو کرنے سے منع کر دیا گیا کیونکہ میری گرفتاری کے تین ماہ بعد بھی حکومت یہ فیصلہ نہیں کر پائی تھی کہ مجھ پر کیا الزامات عائد کئے جائیں۔ شاید حکومت میرے خلاف مذموم پروپیگنڈہ کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔ حکومت کا خیال ہے کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ میرے نظریات اور حب الوطنی کی وجہ سے مجھ پر تشدد کیا جا رہا ہے تو یہ سارا جبر و اقتدار بھک سے اڑ جائے گا۔ میرا خیال ہے کہ دوسری وجہ زیادہ صحیح ہے کیونکہ بعد ازاں مجھے جو چارج شیٹ دی گئی تو اس کے سر پہ "خفیہ" درج تھا یہ جلی حرفوں میں لکھا تھا اور چارج شیٹ کا خاتمہ بھی اسی انداز میں اسی لفظ کے ساتھ تھا میری ٹھوس رائے ہے کہ اس چارج شیٹ کو شائع کیا جانا چاہیئے۔ چاہے حکومت الزامات ثابت کر پائے یا نہیں۔ یہ یقین

کرنے کیلئے میرے پاس کافی وجوہات ہیں کہ حکومت ان جھوٹے اور من گھڑت الزامات کے بارے میں بیہودہ اور مذموم مہم چلا رہی ہے جن کو وہ کسی بھی عدالت میں پیش تک نہیں کر سکتی اگر اس چارج شیٹ کو شائع کیا جاتے تو اس بیہودہ مہم کا خاتمہ ہو جائے گا۔ میں نے اسی لئے اس چارج شیٹ کی نقل اس بیان کے ساتھ منسلک کی ہے۔

اسی ۷ مارچ کی شام کو مجھے انتہائی ڈرامائی احتیاطی تدابیر کے ساتھ بذریعہ ہوائی جہاز لاہور لایا گیا۔

۱۲ سال قبل ۱۹۶۸ء میں حکومت نے مجھے شاہی قلعہ لاہور بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا۔ میں نے کھلے عام اعلان کیا تھا کہ میں سوشلزم پر، مزدوروں، کسانوں، طلباء، خواتین، کچلی ہوئی قومیتوں اور دیگر جمہوری اور محب وطن عناصر کے کاز پر یقین رکھتا ہوں لیکن وہ عوام کے دھتکارے ہوئے ایوب خان اور بعد ازاں یحییٰ خان کے خلاف عوامی ابھار کا دور تھا اس لئے حکومت کو عوام کے دباؤ پر جھکنا اور اپنے مذموم عزائم کو واپس لینا پڑا۔

قلعہ لاہور میں مجھے قید تنہائی میں رکھا گیا اور حکومت کی مرضی اور منشاء کے آگے جھکنے کے کیلئے کہا گیا اور دھمکی دی گئی کہ انکار کی صورت میں مجھے برقی شکنجوں سے تشدد کا نشانہ بنایا جائے گا تاہم یا تو لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ مجھے قلعہ لایا گیا ہے اور انہوں نے فوراً لاہور ہائی کورٹ میں رٹ دائر کر دی یا پھر سامراج کے غلام اذیت پسند تشدد کرنے والوں کو ہمسایہ ایران و افغانستان کے عوام کی شاندار فتوحات کی خبروں نے لرزا دیا تھا۔ انہوں نے اپنے ہاتھ روک لئے۔ میں اس موقع پر افغانستان اور ایران کے انقلابی عوام کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جن کی وجہ سے میں زندہ ہوں اور آج اس عدالت میں موجود ہوں۔ میں دنیا بھر کے کمیونسٹوں ترقی پسندوں اور انقلابیوں کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے میرے حق میں بین الاقوامی مہم چلائی جس کے بارے میں اس وقت نہیں جانتا تھا۔ انہوں نے دھمکیوں کا سلسلہ جاری رکھا یا تو مجھے سر جھکانا ہوگا یا حسن ناصر کی طرح سر کٹانا ہوگا وہ بے چارے یہ نہیں جانتے تھے کہ کمیونسٹ لیڈر حسن ناصر کا نام میرے لئے قوت، جذبے اور توانائی کا سرچشمہ ہے۔ لاہور ہائی کورٹ نے مجھے اجازت

دی کہ میں اپنے وکیلوں میں سے ایک جناب چوہدری اصغر خادم سے ملاقات کرسکوں لیکن یہ ملاقات سی آئی ڈی کے ایک ڈی ایس پی اور دو انسپکٹروں کی موجودگی میں ہوئی۔ دنیا میں ہر جگہ ایک ملزم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے وکیل سے تخلئے میں مل سکے۔ لیکن اس ملک میں جہاں نفاذ نظام مصطفےٰ کی بلند و بانگ باتیں کی جاتی ہیں ایسا نہیں ہے۔ مجھے ایف آئی یو کے افسران یہ تو بار بار بتاتے رہے کہ ریاست کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی بھی ملزم سے مطلوبہ معلومات حاصل کر سکے لیکن یہ بتانے کو کوئی تیار نہ تھا کہ ایک شہری کی حیثیت سے مجھے بھی کوئی حق حاصل ہے یا نہیں۔

حضرات! آپ کو یہ یقین رکھنا چاہیئے کہ باہر کی دنیا ہمیں مذہب کے بارے میں ہماری تشویش سے نہیں بلکہ اس بنیاد پر پرکھے گی کہ ہم نے تہذیب کی ابتدائی سطح شہری حقوق کا احترام اور شرافت حاصل کرلی ہے یا نہیں۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ ایک عام کمیونسٹ کو بھی برداشت کرلیں گے لیکن چونکہ میں کمیونزم کے ساتھ ساتھ چھوٹی قومیتوں کے حقوق اور چار قومی نظریہ کی بات بھی کرتا ہوں اس لئے وہ مجھے کھلا نہیں چھوڑیں گے میں نے انھیں بتایا کہ نہ صرف کمیونسٹ بلکہ ہر جمہوریت پسند اور باضمیر شخص پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ جہاں کہیں بھی جبر دیکھے اس کی مخالفت کرے بعد ازاں آخری کوشش کے طور پر انہوں نے مجھے پیشکش کی کہ اگر میں کمیونسٹ پارٹی کے اراکین کی فہرست حکومت کو دینے کا وعدہ کروں تو حکومت مجھے رہا کرنے کیلئے تیار ہے میں نے ظاہر ہے انکار کردیا اور اس لئے قید تنہائی بھگت رہا ہوں جسے ہائی کورٹس کی طرف سے غیر قانونی قرار دیا گیا ہے۔

مارچ ۱۹۷۹ء کے آخر میں میں نے انھیں بتایا کہ اگر انتخابات ہوں اور ملک میں عمومی جمہوری حالات ہوں تو ہم اپنے کھلے دفاتر قائم کرنا چاہیں گے۔ اس پر انہوں نے مجھے اطلاع دی کہ ۷۹ء کو انتخابات منعقد ہوں گے میں نے انھیں بتایا کہ انتخابات کا کوئی امکان نہیں ہے ایک پرجوش کپتان نے مجھے بتایا کہ جنرل صاحب نے مکہ شریف میں وعدہ کیا ہے کہ وہ انتخابات ۱۷ نومبر ۷۹ء کو کرائیں گے۔ میں اس پر یہی کہہ سکتا تھا کہ اگر واقعی انتخابات ۱۷ نومبر ۷۹ء کو

ہوجاتے ہیں تو میں سیاست سے دستبردار ہوجاؤں گا کیونکہ میں جانتا تھا کہ جب ایک جنرل سیاسی اقتدار غصب کرلیتا ہے تو پھر وہ کبھی خود سے نہیں چھوڑتا۔ اس پر ایک فوجی افسر نے کہا کہ ہم بیوقوف نہیں ہیں البتہ ہمارا پیٹ کچھ زیادہ خراب ہے لیکن آپ لوگوں کو کیوں پریشانی ہوتی ہے تیسری دنیا میں تین سو سے زیادہ فوجی کوپ ہوچکے ہیں۔ جب میں نے سوال کیا تو وہ ایک بھی ایسی مثال نہیں بتا سکے جہاں جنرل اپنے اقتدار میں خود اپنے ملک کو توڑنے کے ذمہ دار ہوں۔

لاہور ہائی کورٹ کے حکم پر انہوں نے مجھے رسائل کی اجازت دی لیکن واضح کردیا کہ سیاسی رسائل کا جہاں تک تعلق ہے مجھے صرف ایسے رسائل پڑھنے کو ملیں گے جو جماعت اسلامی کے شائع کردہ ہوں۔

قلعہ کے حکام اس امر پر بہت پریشان تھے اور انھوں نے مجھ سے پوچھا بھی کہ میں پنجابی زبان کیسے جانتا ہوں ان کا خیال تھا کہ میں نے یہ زبان فوج کو اکسانے کیلئے سیکھی ہے لیکن اگر انھیں یہ معلوم ہوجاتا کہ مجھے کسی حد تک پشتو بھی آتی ہے تو ان کی حالت ہی خراب ہوجاتی اس عدالت کی اطلاع کے لئے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ملک کی مختلف جیلوں میں متعدد بار رہنے کی وجہ سے ایسے کئی فائدے ہوتے ہیں

۱۵ جولائی کو مجھے واپس کراچی لایا گیا حیدرآباد پولیس ایئرپورٹ پر مجھے حیدرآباد جیل لے جانیکے ہوم سیکرٹری کے احکامات کے ساتھ موجود تھی۔ لیکن اچانک ایف آئی یو کے افسران کارپس کمانڈر کے احکامات کے ساتھ آموجود ہوئے کہ مجھے دوبارہ اس اذیت گاہ میں لے جائیں۔ مجھے دوبارہ ایک سیل میں نظربند کردیا گیا جہاں ایف آئی یو افسران اکثر اوقات تشریف لاتے اور مجھے افغان انقلاب کے لئے گالیاں دیتے ہیں اس دن کا انتظار کررہا ہوں جب مجھے سامراجی پاکستان میں انقلاب پر اپنے ایجنٹوں کے ذریعے نہیں بلکہ خود براہ راست گالیاں دیں گے مجھے یہ توقع کرنے دیجیئے کہ اراکین عدالت کوپ اور انقلاب میں فرق کرسکتے ہیں وہ مجھے سائنسی سوشلزم پر بھی معتوب ٹھہراتے تھے اور اس طرح پاکستان کے عوام کے ساتھ اپنی وفاداری کا پردہ خود چاک کرتے تھے لاہور ہائیکورٹ

کے حکم کے باوجود انھوں نے مجھے اخبار دینا بند کر دیئے۔ میں نے اس پر کھانا کھانے سے انکار کر دیا چوتھے دن ایک صوبیدار مجھے یہ مطلع کرنے آیا کہ اگر میں بھوک ہڑتال سے مر بھی جاؤں تو کسی کو پرواہ بھی نہیں ہوگی، پانچویں دن ایک افسر آیا اور اس نے مجھے بتایا کہ وہ مجھے اخبار کی اجازت دیدیں گے لیکن صرف جنگ اخبار کی اور دوسرے رسائل بھی لیکن ان میں سیاسی سندھی زبان کے رسائل نہیں ہوں گے حتیٰ کہ سندھی ادبی بورڈ جیسے نیم سرکاری اداروں کے رسالوں کی بھی اجازت نہ دی گئی۔ مجھے اس بنیاد پر ادبی رسائل کی اجازت نہ دی گئی کہ ان میں تنقید ہوتی ہے جب میں نے انھیں یہ بتانے کی کوشش کی تنقید ادب کی ایک صنف ہے۔ تو انہوں نے بتایا کہ انہیں معلوم ہے کہ شاعری اور افسانوں سمیت سارا ادب بین السطور میں ان کی مخالفت سے بھرا ہوتا ہے۔

۲۲ نومبر کو مجھے آنکھیں بند کر کے حیدرآباد لایا گیا اور ۱۷ دن پنجاب، ۲۳ جوج اور اسم ایف کا ایف کے پاس قید تنہائی میں رکھا گیا۔ ۷ جنوری کو مجھے اسم ایف ایف کی تحویل میں دیدیا گیا جہاں مجھے پھر اخبارات اور رسائل سے محروم کر دیا گیا میں نہیں جانتا کہ اعلیٰ افسروں میں خوف کی نئی لہر کی وجہ سے کیا گیا یا اس لئے کہ اسم ایف ایف کا ایڈجوائنٹ جماعت اسلامی کا حامی تھا۔ اس پر میں نے ۰ افروری کو انھیں ایک نوٹس دیا کہ (۱) مجھے ایک ماہ میں چھ خط لکھنے کی اجازت دی جائے جیسا کہ پاکستان کے جنگی قیدیوں کو ایک ماہ میں چھ خط لکھنے اور اخبارات کی اجازت حاصل تھی (یہ بات مجھے فوجی سپاہیوں نے بتائی تھی (۲) لاہور ہائی کورٹ کے احکامات کے مطابق اخبارات ورسائل کی اجازت دی جائے۔ لاہور ہائی کورٹ کو اگر قانونی نہیں تو اخلاقی قوت حاصل تھی۔ (۳) مجھے ہلال احمر کو ایک بوتل خون دینے کی اجازت دی جائے تاکہ میں خود کو تسلی دے سکوں کہ میں اب بھی اپنے غریب عوام کے لئے کچھ کر سکتا ہوں۔ (۴) ریڈیو رکھنے کی اجازت دی جائے تاکہ میں قید تنہائی قدرے آسانی سے کاٹ سکوں۔ بصورت دیگر میں ۱۴ فروری سے بھوک ہڑتال کروں گا میں نے یہ اضافہ بھی کیا کہ یا تو مجھ پر مقدمہ چلایا جائے یا عدالتی جیل میں بھیج دیا جائے تاکہ میں مطالعہ کر سکوں۔ میں نے ۱۴ فروری کو بھوک ہڑتال کر دی۔ جیسا کہ میں نے انھیں مطلع کیا تھا لیکن افسروں کے کان پر ۲۷ فروری تک جوں تک نہ رینگی لیکن پھر انھوں نے جیل بھیج دیا۔ اگرچہ مجھے قید تنہائی میں رکھتے والدین کو خط تک نہ لکھنے دیتے، کسی

سے ملاقات نہ کرنے دینے اور سی کلاس میں رکھنے کی ہدایات بھی ساتھ تھیں۔ اگر ان میں ذرا سی عقل ہوتی تو وہ مجھے والدین کو خط لکھنے کی اجازت ضرور دیتے کیونکہ میں کسی بھی تکلیف میں کیوں نہ ہوں ظاہر ہے اپنے والدین کو یہی لکھتا کہ میں بالکل خیریت سے ہوں۔ کیونکہ میں کبھی نہ پسند کرتا کہ میری بیوی کی افسوسناک موت کی وجہ سے غمزدہ خاندان کو مزید پریشان کردں۔

جناب صدر اور اراکین عدالت! اب میں آپ کے سامنے ان وجوہات کا ذکر کرونگا جن کی وجہ سے میرے ساتھ ایسا سلوک روا رکھا گیا۔

الف۔۔ میں کمیونسٹ پارٹی آف پاکستان کا رکن ہوں کمیونسٹ پارٹی آف پاکستان ملک کے مزدور طبقے کے انتہائی باشعور عناصر پر مشتمل پارٹی ہے اس لئے یہ تمام جمہوری تحریکوں کی علمبردار رہی ہے اور اسی لئے اس نے حکمران ٹولوں کی خاص طور پر غاصب فوجی جنرلوں کی شدید نفرت اور دشمنی مول لی ہے۔ جنہوں نے متعدد بار عالمی سامراج اور داخلی استحصالی طبقوں کے ایما پر ملک کے سیاسی معاملات میں دخل اندازی کی ہے، میری پارٹی پاکستان کے قیام سے ہی عوام کے حقوق کی جدوجہد کا لازمی حصہ اور مستقل مزاج علمبردار رہی ہے میری پارٹی نے پاکستان کے عوام کی مختلف زبانوں کو تسلیم نہ کرنے کی رجعتی فکر کے خلاف شدید جدوجہد کی اور دیگر جمہوری قوتوں کے ساتھ مل کر مشرقی بنگال کے ۱۹۵۴ء کے انتخابات میں رجعتی قوتوں کو شکست فاش دی میری پارٹی نے امریکی سامراج کے ساتھ فوجی معاہدوں کی مخالفت کی اور اس کے نتیجے میں شدید تشدد کا شکار ہوئی میری پارٹی نے ون یونٹ اور ایوبی مارشل لا کے خلاف جدوجہد کی اور مجھے فخر ہے کہ میں ایسی پارٹی کا رکن ہوں جس نے حسن ناصر جیسے کمیونسٹ پیدا کیے جس نے اس جمہوریت اور سوشلزم کی جدوجہد میں اپنی زندگی قربان کر دی، میری پارٹی نے بلوچستان میں فوجی اقدام کی مخالفت کی اور سیکولر اور ایک فرد ایک ووٹ کی بنیاد پر عام انتخابات کیلئے مہم چلائی میری پارٹی نے زرعی اصلاحات، قومیانے، مزدوروں طلبا خواتین اور دانشوروں کے حقوق کے لئے جدوجہد کی۔ میری پارٹی نے ۱۹۷۱ء میں بنگلہ دیش کے عوام کی نسل کشی کے خلاف جدوجہد کی اور سیاسی مسائل کے سیاسی حل کا مطالبہ کیا۔

یقیناً جناب! میں ایک ایسی پارٹی سے تعلق رکھتا ہوں جس کا استحصالیوں کے خلاف عوامی جدوجہد کے ہراول ہونے کا شاندار ریکارڈ ہے۔ بین الاقوامی طور پر ہماری پارٹی ہمیشہ مضبوطی سے سوشلسٹ کیمپ کے ساتھ بین الاقوامی مزدور تحریک کے ساتھ سامراج دشمن تحریک کے ساتھ اور امن کیمپ کے ساتھ متحد رہی ہے۔ مجھے اعتراف ہے کہ چینی ماؤ نوازوں کی انتشار پسندی نے سامراج کو یہ موقع دیا کہ وہ پاکستان میں تحریک کو توڑ سکیں۔ اور ماؤ نوازی کے نام پر کئی عوام دشمن گروہ قائم کر سکیں لیکن اب سامراجی حکمت عملیاں پاکستان میں اور بین الاقوامی میدان میں بے نقاب ہو چکی ہیں۔ جعل ساز بے نقاب ہو گئے ہیں اور بھٹکے ہوئے عناصر کمیونسٹ تحریک میں واپس آ رہے ہیں۔

میں یہ نہیں چاہتا کہ اس عدالت کو کمیونسٹ پارٹی آف پاکستان کے بارے میں بریفنگ سیشن بنا دوں۔ عدالت پارٹی کی دستاویزات سے استفادہ کر سکتی ہے جو اس کے ریکارڈ میں ہیں میرا بنیادی مقصد اس حقیقت کی نشاندہی کرنا ہے کہ سائنسی سوشلزم کے اصولوں پر سختی سے کاربند رہنے کی وجہ سے ہماری پارٹی نے جو بھی موقف اختیار کیا ہے وہ ہمیشہ تاریخ سے مطابقت میں ثابت ہوا ہے میں آپ کو محض دو مثالیں دیتا ہوں۔ پارٹی نے اعلان تاشقند کی حمایت میں مہم چلائی جس کی وجہ سے اس کو تنگ نظر شاونیت پسندوں کی دشمنی مول لینا پڑی۔ ایک اور جنگ اور اس کے نتیجے میں بے شمار مصائب نے ۶ سال بعد حکمران طبقوں کو شملہ معاہدے کی صورت میں اعلان تاشقند کے اصولوں کو تسلیم کرنے پر مجبور کیا دوم یہ کہ پاکستان کے بے شمار محب وطن بیٹوں کو آزاد خارجہ پالیسی بنانے کا مطالبہ کرنے پر قوم دشمن قرار دیا گیا اور انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بنایا گیا۔ لیکن حد تو یہ ہے کہ یہ کھلی سامراج نواز حکومت بھی خواہ رسمی طور پر ہی غیر جانبدار تحریک کی صفوں میں شامل ہونے پر مجبور ہوئی ہے۔ اسی طرح میں پورے اعتماد کے ساتھ اعلان کرتا ہوں کہ وہ تمام لوگ جو پاکستان کے عوام کی منشا و رضا کی راہ میں رکاوٹ بن رہے ہیں جلد ہی اپنے ساواک برادران کے ساتھ موت کی وادیوں میں جا ملیں گے پاکستان کے لوگ اس کے محنت کش عوام اور ہمارے اتحادی عوام کا اقتدار اعلیٰ بحال کرنے

کیلئے متحد ہیں اور وہ عوام کے دشمنوں کو تاریخ کی گندی نالیوں میں اٹھا کر پھینک دیں گے۔ پاکستان کے عوام افغانستان اور ایران کے بھائیوں کے ساتھ، عرب دنیا کے ساتھ اور عالمی سامراج دشمن قوتوں کے ساتھ مضبوطی سے متحد ہو رہے ہیں پاکستان بنیادی سماجی تبدیلیوں کے دہانے پر کھڑا ہے اور جوان کی مخالفت کرتا ہے وہ خبردار رہے! یہ بہت فطری ہے کہ سامراج اور استحصالی حکمران طبقے مجھ سے اور میری پارٹی سے دشمنی محسوس کرتے ہیں اور ہمارے خلاف ریاستی جبر کی مشینری استعمال کرتے ہیں۔

ب ۔ فوجی حکومت عوام کے خلاف ہمیشہ اسی قدر تشدد کا سلسلہ دراز کرتی ہے جس قدر وہ عوام سے الگ تھلگ ہوتی چلی جاتی ہے۔ سرمایہ دار ملکوں کی جمہوری سے جمہوری حکومتیں بھی سیاہ قوانین برقرار رکھتی ہیں تاکہ عوام کے ترجمانوں کو شہری حقوق سے محروم رکھ سکیں۔ ہماری حکومت سرمایہ دار نہیں بلکہ ایک جدید نوآبادیاتی حکومت ہے جس کے معنی یہ ہیں یہ عالمی سامراج کے مفادات کیلئے اور مٹھی بھر داخلی اتحادیوں کیلئے کام کرتی ہے عوام کے شعور کی بڑھتی ہوئی لہر کی وجہ سے یہ شہری طریقوں اور پولیس کو اپنے اقتدار کی بقا کے لئے ناکافی تصور کرتی ہے اور اپنے آخری جبری ہتھیار یعنی سامراجی آقاؤں کے وفادار بعض سینئر جنرلوں کی قیادت میں شکست خوردہ فوج کو بیرکوں سے نکال لائی ہے لیکن سامراج کو اس خطہ سے کامیابی کے ساتھ دھکیلا جا رہا ہے جس سے رجعتی حکمران ٹولے کی بنیادیں ہل گئی ہیں۔ جونگے پن سے عوامی لہر کو وحشیانہ تشدد اور موجودہ مقدمے کی طرح جھوٹے مقدمے گھڑ کر روکنے کی کوشش کر رہے ہیں

ج ۔ اپنی پارٹی کی رہنمائی کی وجہ سے میں پہلے سیاستدانوں میں سے تھا جنھوں نے ۱۹۷۱ء میں بنگلہ دیش کیخلاف فوجی اقدام کی مخالفت کی تھی اور اعلان کیا تھا کہ اگر سیاسی مسائل کو سیاسی طور پر حل نہ کیا گیا تو اس کے نتیجے میں پاکستان ٹوٹ جائے گا۔ فوجی اقدام کے خاتمے کے مطالبے کے لئے حیدرآباد نوابشاہ، کراچی، لاہور، کوئٹہ اور پشاور وغیرہ میں جلوس نکالے گئے۔ میرا بیان جس میں نسل کشی کے ناگزیر نتیجے میں پاکستان کے ٹوٹنے کی وارننگ

دی گئی تھی کئی ملکوں کے اخبارات میں شائع ہوا اور ریڈیو پاکستان اور ریڈیو پیکنگ کے علاوہ قریباً تمام اہم ریڈیو اسٹیشنوں سے نشر ہوا نسل کشی کیخلاف مہم بڑھانے میں میرے کردار سے انٹیلی جنس ایجنسیاں بہت ناخوش ہوئیں اور انھوں نے یہ افواہ پھیلا دی کہ پاکستان کیخلاف آل انڈیا ریڈیو سے تقریریں نشر کر رہا ہوں میں نے ۲۱ جنوری ۷۳ء ۱۹ میں روزنامہ جنگ میں اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ سی آئی ڈی والوں کے علاوہ اگر کوئی شخص بھی حلفیہ کہہ دے کہ اس نے مجھے آل انڈیا ریڈیو پر تبصرہ کرتے سنا ہے یا انڈیا میں دیکھا ہے تو میں پھانسی پانے کے لئے تیار ہوں۔

موجودہ حکمران جنرل کے پیش رو بعض جنرل شیخ مجیب الرحمٰن کو چھ نکات سے بہت کچھ زائد دینے کو تیار تھے۔ لیکن بنگال کے عوام کو چھ نکات دینے کو تیار نہ تھے وہ جنرل اردلی کے سامنے ہتھیار ڈالنے کو تیار تھے لیکن عوام کے سامنے نہیں۔ انھوں نے حکمران طبقوں رجعتی سیاستدانوں کو دھمکیوں، لائسنسوں اور پرمٹوں سے خاموش کر دیا لیکن مجھے اور محنت کشوں سے تعلق رکھنے والے دیگر سیاستدانوں کو ان حربوں سے خاموش نہ کر سکے۔ اس لئے میرے خلاف ان کے منتقمانہ رویے کا جواز ضرور ہے۔

یحییٰ ٹولے نے جنرل عمر کو مجھے ہر قیمت پر قتل کرنے پر مامور کیا۔ میرے وارنٹ جاری کئے گئے۔ لیکن پاکستان کی عوام نے مجھے تحفظ دیا۔ جنرل عمر نے اخبارات میں ایسے مضامین شائع کروائے کہ میں نے سرحد عبور کر لی ہے اور افواہیں پھیلائیں کہ میں آل انڈیا ریڈیو سے تقریریں کرتا پھر رہا ہوں۔ بعد ازاں پولیس افسروں کو طلب کر لیا گیا اور بتایا گیا کہ ساتی کہیں کہیں دیہات میں روپوش ہے اسے گرفتار کر دو اور قتل کر دو اور اس کی لاش کو خاکی یونیفارم پہنا دو اور ہمیں اس کی لاش کی تصویریں لا دو اس کے ساتھ ہی یہ افواہ اڑائی گئی کہ ساتی چھور سیکٹر سے ایک ہندوستانی فوجی افسر کے طور پر پاکستان میں داخل ہوا ہے ہماری جانباز فوج نے ہلاک کر دیا اس کی لاش کی تصویریں حکومت کے پاس موجود ہیں۔ یہ پروپیگنڈہ بھی کیا گیا کہ میں لچھمن سنگھ کے ساتھ مل کر اپنے ہی دیہاتوں پر حملے کر رہا ہوں۔ یہ ایک حقیقت ہے اور دلچسپ بھی۔ مذکورہ

لچھمن سنگھ نے میرے گاؤں پر حملہ کیا اور میرے تین رشتہ داروں کو ہلاک کیا۔ میرے والد کو زدوکوب کیا اور ان کی بے عزتی کی کیونکہ گذشتہ حملے میں اس کا ایک آدمی میرے گاؤں میں ہلاک ہو گیا تھا۔ جب مجھے جنرل عمر کے اس منصوبے کا علم ہو گیا تو میں نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ دن بھی آئے گا۔ جب ہم اپنی مقدس سرزمین پر عزت اور افتخار کے ساتھ چلیں گے لیکن یحییٰ خاں اور جنرل عمر جیسے لوگوں کو گلیوں میں منہ چھپانا بھی ممکن نہ رہے گا اور آج بھی جب میں زیر تشدد اور سلاخوں کے پیچھے ہوں۔ میں بے عزت اور بے توقیر نہیں ہوں۔

۔ یحییٰ اور جنرل عمر غارت ہوئے لیکن بعض سینئر جنرل یہ بات نہیں بھول سکے کہ میں نے فوجی اقدام کی مخالفت کی جرأت کی تھی۔ اسی لئے بھٹو حکومت کے دور میں جب مجھے گرفتار کیا گیا تو میں اس وقت پاکستان کی جیلوں میں واحد سیاسی قیدی تھا نیشنل عوامی پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے کہنے سے ولی خاں کے ایک نمائندے نے مسٹر بھٹو سے جو اس وقت پاکستان کے صدر تھے میری رہائی کا مطالبہ کیا اس پر بھٹو نے جواب دیا کہ جام ساقی نے فوجی اقدام کی مخالفت کی تھی اس لئے سینئر جنرل مجھے اس کو رہا کرنے کی اجازت نہیں دے رہے۔

د۔ ہم ہمیشہ سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ زمینوں کو کسانوں میں تقسیم کیا جائے اور بنیادی صنعتوں کو قومی ملکیت میں لیا جائے لیکن حریص جنرلوں نے الٹا راستہ اپنایا ہے انھوں نے پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں سرکاری تحویل میں لئے گئے اداروں کو نجی تحویل میں واپس دے دیا ہے چیکر صورت حال یہ ہے کہ افغانستان اور ایران نے قومیانے کا عمل شروع کیا ہے اگرچہ ایک کیپٹن نے مجھے مطلع کیا ہے کہ قومیانا غیر اسلامی ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ نہ تو افسروں کی اکثریت اور نہ ہی یہ حکومت یہ اعلان کرنے کی جرأت کر سکتی ہے کہ قومیانا اور زرعی اصلاحات غیر اسلامی ہیں اس کے باوجود عملاً حکومت غیر قومیانے پر عمل پیرا ہے اور زرعی اصلاحات کی مخالفت کرتی ہے اور زرعی ٹیکس چھوڑ کر بڑے زمینداروں کو مراعات مہیا کرتی ہے اور محنت کش طبقوں پر تشدد کا بازار گرم کرتی ہے۔ ملتان اور بیٹ ویڑہ کے واقعات اس کی واضح مثال ہیں اور اس طرح چند جاگیرداروں اور مٹھی بھر سرمایہ داروں کی خدمت کرتی ہے اس لئے یہ لازمی طور پر

پاکستان کے عوام کی مخالف ہے۔ عوام کے وفادار بیٹے اس کے خلاف جنگ آزما ہیں۔

جناب صدر! مجھے واضح کرنے دیجئے کہ جب میں بعض سینئر جنرلوں کا ذکر کرتا ہوں تو اس سے میری مراد ان جنرلوں سے ہوتی ہے جو برٹش آرمی میں بھرتی ہوئے تھے اگر کوئی شخص برطانوی فوج میں بھرتی ہوا ہو اور ایک پیشہ ور سپاہی کے طور پر فوج ہی میں رہا ہو تو اسکی سینارٹی دوسری سروسوں کی طرح عمومی ہے۔ لیکن اپنے کام سے غرض رکھنے کے بجائے جب وہ اپنی قیمتی ناک سیاست میں گھسیڑتا ہے تو خود کو واحد نگران گردانتا ہے اور ترقی پسند و محب وطن سیاسی رہنماؤں کیخلاف کیچڑ اچھالتا ہے۔ جو یا تو آزادی کیلئے لڑے تھے یا پاکستان میں پیدا ہوئے تھے۔ یاد رکھئے کہ جب ہم برطانوی سامراج سے آزادی کیلئے جیلوں میں جا رہے تھے اور سامراج سے نبرد آزما تھے تو یہ حضرت برطانوی آقاؤں کو سیلوٹ کر رہے تھے اور برطانوی مفاد کی حفاظت کیلئے عوام پر بندوقیں تان رہے تھے۔ اگر یہ حضرت اتنے دلیر نہیں تھے کہ تحریک میں شامل ہو جاتے تو وہ کوئی اور نوکری بھی کر سکتے تھے یا خاموش رہ کر اپنے گھر میں آرام کر سکتے تھے ہم ایک فوجی افسر کو اس کی غربت اور ناخواندگی کی وجہ سے معاف کر سکتے ہیں۔ لیکن ایک کیشنڈ افسر کو نہیں۔ خاص طور پر اس وقت جب وہ سیاست میں دخل اندازی کرتا ہے اور ہم یعنی پاکستانی عوام پر کیچڑ اچھالتا ہے اسی لئے ہم بجا طور پر اس نتیجے پر پہونچتے ہیں کہ یہ شخص کسی کو بھی پیسے کیلئے قتل کر سکتا ہے اگر سینارٹی کی وجہ سے کوئی شخص اعلیٰ سول عہدہ حاصل کرے تو کوئی حرج نہیں۔ میں نے ایک لمحے کیلئے بھی کبھی نہیں سوچا کہ ہمارے پوسٹ ماسٹر جنرل یا ریلوے افسر پاکستان سے پہلے بھرتی ہوئے تھے یا بعد میں۔ لیکن ہم کسی ملازم پیشہ کو اس بات کی اجازت نہیں دے سکتے کہ وہ سیاستدانوں پر الزام دھرے اور صدر پاکستان کے عہدے پر غاصبانہ قبضہ کرلے یہ پاکستان کی عوام کا حق ہے کہ وہ اپنا صدر منتخب کریں۔ کم از کم مجھے ذاتی طور پر کوئی اعتراض نہ ہوگا اگر کوئی جنرل صدر کے عہدے پر منتخب ہو جائے۔ پاکستان کے عوام جرأتمند ذہین تھے کہ سامراجیوں کو نکال باہر پھینکیں اور پاکستان بنائیں، اب اگر ۳۴ سال بعد ذہنی طور

پر پسماندہ ہو گئے ہیں تب فوج صدر منتخب کر سکتی ہے تاہم کم از کم خود کو یہی تسلی دے لیں کر اگر ہمیں اپنا صدر چننے کا حق نہیں دیا گیا ہے تو بھی ہمارے چھ لاکھ بیٹوں اور بھائیوں نے تو اسے ووٹ دیا ہے لیکن سینیارٹی کی وجہ سے کوئی شخص محض اپنی نمائندگی کر سکتا ہے۔

جہاں تک ہمارے ملک کے بین الاقوامی کردار کا تعلق ہے ہم پاکستان کے عوام بڑی شدت سے اس مبارک گھڑی کی راہ تک رہے ہیں جب ہماری افواج امریکیوں اور شاہ حسین کے حکم پر ۱۹۷۱ء میں اردنی کیمپوں میں فلسطینی عوام کو ہلاک کرنے کے بجائے اپنے عرب بھائیوں کے شانہ بشانہ القدس کو آزاد کرانے کیلئے لڑیں گی۔ ہم ان لوگوں کو کیسے بھول سکتے ہیں جنہوں نے ہمارے بیٹوں اور فوجی سپاہیوں کی صلاحیتوں کو ہمارے عرب بھائیوں کے خلاف استعمال کیا اور اس طرح ہمارے ملک کو ذلیل کیا، امریکی حکومت نے ایران کیخلاف فوج استعمال کرنیکی دھمکی دی ہے لیکن ہماری حکومت اس کے خلاف جواب دینے کیلئے تیار نہیں کہ ہم ایران کیخلاف حملے کو برداشت نہیں کریں گے۔

بھگوڑوں کے ایک رہنما مینار خان ناصری نے ایک پریس کانفرنس (جنگ ۱۱ر جنوری ۱۹۸۰ء) میں کہا کہ چونکہ افغانستان میں روسی موجود ہیں اس لئے بے چارے امریکی ایران پر حملہ نہیں کر سکتے اس کے علاوہ اس نے یہ بھی بتایا کہ روسیوں نے افغانستان کے تمام قبیلوں کو خرید لیا ہے پھر کون ساتھ دے رہا ہے یہ الگ کہانی ہے کانگریس کمیٹی کے سامنے امریکی سیکرٹری کی ایک رپورٹ کے نتائج اس اعلان کے سوا اور کچھ نہیں ہیں کہ امریکہ پاکستان کی مقدس سرزمین کو ایران اور افغانستان کی غیر یقینی صورتحال اور "شورش" کیخلاف بلا واسطہ یا بالواسطہ طور پر استعمال کرے گا اور (یو۔ ایڈ۔ کیم) ۱۹۵۹ء کا دو طرفہ معاہدہ اسے ایسا کرنے کا حق فراہم کرتا ہے۔ (پاکستان ٹائمز، جون ۷۹ء) اب یہ کھلا راز ہے کہ امریکہ ہمارے ملک کو ایران اور افغانستان کے عوام کیخلاف بالواسطہ یا بلا واسطہ طور پر استعمال کر رہا ہے اور زیادہ استعمال کرنا چاہتا ہے۔ لیکن حکومت اس معاہدے کو ختم کرنے کیلئے تیار نہیں ہے مجھے یہ کہتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ حکومت اس رپورٹ پر بھی ردعمل نہیں کرتی۔ امریکہ نے ایک

سے زائد مرتبہ اعلان کیا ہے کہ اگر ضرورت پڑی تو وہ تیل کے عرب چشموں پر قبضہ کرے گا۔ لیکن ایسے مذموم بیان بھی خود ساختہ اسلامی حکومت پر اثر انداز نہیں ہوتے علاوہ ازیں اس علاقے کی صورتحال انتہائی حساس ہے۔ امریکی حکومت کے عزائم اس پورے علاقے کے لیے انتہائی گھناؤنے ہیں وہ سوویت یونین سے پاکستان کے آخری سپاہی تک لڑنا چاہتی ہے وہ عرب تیل پر قبضہ کرنا چاہتی ہے اور وہ ایران میں بادشاہت کو پھر سے استوار کرنا چاہتی ہے۔

۹۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اگر خواہشیں گھوڑے ہوتے تو بھکاری سواری کرتے اس میں کوئی شک نہیں کہ سامراجی اچھے دنوں کو یاد کرتے ہیں جب ان کی برآمد کردہ ڈپلومیسی تمام یکجا کی پوری آبادی کو ریڈ انڈین بنا کر رکھ دیا۔ لیکن وہ دن لد گئے جدید نوآبادیاتی نظام یعنی ڈالر ڈپلومیسی کے ذریعہ بالواسطہ حکومت کے دن بھی ڈھل رہے ہیں ہماری آنکھوں کے سامنے اس خطے میں قوت کا توازن بدل رہا ہے سوشلزم کی بحیثیت نظام اور نظریہ فیصلہ کن بالاتری سب پر واضح ہے اس صورتحال میں جب سامراج کی براہ راست مداخلت ناممکن ہوتی جا رہی ہے یہ نئے طریقوں سے "تقسیم کرو اور راج کرو" کی پرانی پالیسی پر عمل پیرا ہے دنیا کے کئی ملکوں میں رجعتی جرنلوں نے تاریخ کے ساتھ ہولناک کھیل کھیلا ہے لیکن پاکستان کی فوج ایسی فوج ہے جس کے جرنلوں نے تاریخ کے ساتھ جغرافیہ بھی کھیلا ہے، سامراج کے حکم پر ہماری حکومت عوام کو ایک دوسرے سے لڑا رہی ہے۔ یہ قومی چپقلشوں کو تنازعات بنانے کیلئے استعمال کر رہی ہے یہ جمہوری تحریک کو علاقائی نالوں میں دھکیل کر اسے کمزور کرنے اور روکنے کی ہر ممکن کوشش کر رہی ہے۔ کیونکہ ملک کے ایک حصہ کو جمہوری یلغار کی زد سے بچا لینا اسے پورے ملک کے وطن سے زیادہ عزیز ہے ہم کمیونسٹ اور ترقی پسند تمام عوام کے حقوق کے حصول پر یقین رکھتے ہوئے بڑی شدت سے ریاستوں کو توڑنے اور سرحدوں کے از سر نو تعین کی مخالفت کرتے ہیں کیونکہ اس کے ذریعے خوش ہمسائیگی کے تعلقات برقرار نہیں رکھ سکتے اور یہ بھی کہ اس سے سامراج دشمن اتحاد متاثر ہوتا ہے، اسی وجہ سے ہمیں ان کی دشمنی مول لینی پڑتی ہے

ظ۔ سنیر جنرل صاحب ضیاء الحق نے کھلے عام اعلان کیا ہے کہ وہ دائیں بازو کا ہے پاکستان کے عوام نے جب بھی انہیں موقعہ فراہم ہوا کبھی کسی دائیں بازو کی پارٹی کو منتخب نہیں کیا۔ ہماری فوج بجٹ کا بڑا حصہ کھاتی ہے جو قریباً ۸۵ فیصد بنتا ہے ایک عام امر کی کہاوت ہے کہ بغیر نمائندگی ٹیکس عائد کرنا ظلم ہے وہ لوگ جنہیں ملک بہت عزیز ہے انھیں یہ غور سے پڑھنا چاہیئے۔ علاوہ ازیں ہمارے ملک میں ٹیکسوں کی رقم کا ایک بہت بڑا حصہ بالواسطہ ٹیکسوں سے حاصل کیا جاتا ہے اس طرح ہم دوہرے ظلم کا شکار ہیں بالواسطہ ٹیکسوں کا مطلب یہ ہے کہ انھیں غریب لوگ اشیائے صرف خریدتے ہی ادا کرتے ہیں مفلوک الحال پاکستانی کو چار آنے کا نمک خرید کر بھی کچھ پیسے ٹیکس میں دینا پڑتے ہیں۔ بڑی رقم تو اسی طرح حاصل کی جاتی ہے زمینداروں اور سرمایہ داروں سے حاصل ہونے والی رقم تو بہت تھوڑی ہے۔ ہمارے سنیر افسروں کو یا تو خاموش رہنا چاہیئے یا بڑا حصہ دینے والوں کو ان کا حق دینا چاہیئے۔ اگر کوئی شخص اتنا ہی ڈھیٹ ہے اور اصرار کرتا ہے کہ ایک حقیر سی اقلیت یعنی شرفاء کے ٹولے کو ہی حق حاصل ہے اور وہ سامراج کی خدمت حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے اپنی تنخواہ قومی خزانے سے نہیں لینا چاہیئے۔ وردی نہیں پہننی چاہیئے۔ جنرل شیر علی کی طرح جس نے جماعت اسلامی کے پلیٹ فارم پر ۱۹۷۰ء کا الیکشن لڑا تھا، کھل کر سامنے آنا چاہیئے اور جنرل شیر علی کی طرح عبرتناک شکست کا سامنا کرنا چاہیئے میں حیران ہوتا ہوں۔ جب یہ سنیر لوگ سوشلزم کا ذکر طنزیہ لہجے سے کرتے ہیں خاص طور پر آج کے دور میں جب صورتحال ایسی ہو کہ جاپان کے معاشیات داں کو بھی یہ کہنا پڑا کہ جاپان کی بقا صرف اسی میں ہے کہ وہ روسیوں کا استقبال دو جھنڈوں یعنی سرخ و سفید سے کرتا ہے (ڈان ۱۹ اپریل ۱۹۸۰ء) نہ صرف یہ بلکہ امریکہ کے سابق صدر کو بھی اپنی کتاب "حقیقی جنگ" میں کہنا پڑا کہ مغرب کے لئے اس صدی کے باقی حصے میں ایک طرف ایٹمی تباہی کی خطرناکی کا سامنا ہے اور دوسری طرف صورتحال کی تیز تر تبدیلی ہے جس میں ہمیں ایسا انتخاب کرنا پڑ رہا ہے کہ ہم ہتھیار ڈال دیں یا خودکشی کر لیں، سرخ ہو جائیں یا مر جائیں اس کی توثیق ڈاکٹر کسنجر

کے اس اعتراف سے بھی ہوتی ہے کہ یورپ اگلے دس سال میں مارکسی ہو جائے گا۔ میں چونکہ دائیں بازو سے متعلق نہیں ہوں اس لئے ایک ایسی حکومت کے تشدد اور مقدموں کا شکار ہوں جس کا سربراہ خود مانتا ہے کہ وہ دائیں بازو کا ہے اور جسے کسی نے نہیں بلایا بلکہ وہ خود آیا ہے۔

نہ صرف یہ کہ ضیاء الحق نے کھلے عام اعلان کیا ہے کہ وہ دائیں بازو کا ہے بلکہ میں نے خود دیکھا ہے کہ بعض افسر خاص طور پر ایف آئی یو کے افسر ایک نوازا اخبارات ورسائل کے اداریوں اور مضامین کی زبان بولتے ہیں اس کا بھی تجزیہ کرنا پڑے گا یہ افسران اخبارات ورسائل کی نمائندگی کرتے ہیں یا یہ اخبارات ورسائل ان مخصوص افسروں کی نمائندگی کرتے ہیں تاہم دو چیزیں واضح ہیں کہ یہ افسران اپنے رویے اور اپنی مخصوص سیاسی فکر کے ساتھ مل کر امن اور ترقی کی طرف نہیں لے جا رہے بلکہ اس کے برعکس ملک کی بقا ہی کیخلاف سرگرم عمل ہیں دوم یہ کہ یہ افسران جن کا نقطہ نظر عوام کئی بار مسترد کر چکے ہیں ملک اور عوام سے اور مجھ سے جو کھلے عام سائنسی سوشلزم کے لئے جدوجہد کرتا ہے بدلہ لے رہے ہیں۔

ج - جناب ذوالفقار علی بھٹو کو قانون اور انصاف کے نام پر پھانسی چڑھایا گیا۔ ان پر الزام تھا کہ نواب قصوری کے قتل میں ان کا ہاتھ ہے۔ اگر قانون کے سامنے ہر شخص برابر ہے تو کیا ملتان کے سینکڑوں مزدوروں کے قتل عام پر کسی کو پھانسی دی گئی؟ کیا پٹ فیڈر کے کئی کسانوں کو قتل کرنے پر کسی کو سولی چڑھایا گیا؟ کیا مولوی شمس الرحمان کے قتل پر کسی کو پھانسی دی گئی؟ کیا حسن ناصر کے قاتلوں کو سزا دی گئی؟ کیا اسداللہ مینگل کے قتل پر کچھ ہوا؟ کیا بلوچستان کے قتل عام اور فوجی اقدام کرنے والے ملزم ٹھہرائے گئے؟ نہیں! ہم یہ فرض کر لیتے ہیں کیونکہ نواب قصوری خاندانی نواب تھا۔ اس لئے اس کا خون زیادہ گاڑھا تھا یہ نہیں کہوں گا کہ زیادہ سرخ تھا۔ اگر ایسا تھا تو کیا نواب لیاقت علی خان کا خون گاڑھا نہیں تھا میں جانتا ہوں کہ موجودہ حکمرانوں کے لئے اس کی وزارت عظمیٰ کوئی معنی

نہیں رکھتی لیکن وہ بھی بہر حال خاندانی نواب تھا تو پھر اس کا قتل کیوں ابھی تک ایک معمہ ہے؟ ہم اس خیال سے بھی خود کو تسلی دے لیں گے کہ نوابوں میں بھی بڑا فرق ہوتا ہے۔ ان میں چھوٹے اور بڑے نواب ہوتے ہیں۔ ٹھیک ہے۔ لیکن پاکستان کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا کوئی شخص پاکستان کو توڑنے پر بھی سزاوار ہوا۔ کیونکہ کم از کم نظریاتی طور پر سبھی پاکستان پر سینکڑوں نواب قربان کئے جاسکتے ہیں اور اس طرح پاکستان زیادہ اہم ہو جاتا ہے۔ ایک رپورٹ ہوا کرتی تھی جسے حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ کہتے ہیں جو میرے خیال میں اس لئے ادھوری تھی کہ یہ ان وجوہات سے بحث نہیں کرتی جنکی وجہ سے مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بنا تاہم وہ نامکمل محدود رپورٹ بھی شائع نہیں کی گئی بھٹو صاحب نے کینیڈا میں پاکستانی شہریوں سے خطاب کرتے ہوئے یہ واضح طور پر کہا تھا کہ وہ تو اسے شائع کرنے پر تیار ہیں لیکن جنرل انھیں ایسا نہیں کرنے دے رہے ہیں، پی این اے کے رہنما بھٹو دور میں اسکو شائع کرنیکا پرزور مطالبہ کرتے تھے۔ انہوں نے اس حکومت سے بھی مودبانہ درخواست کی تھی لیکن انھیں چند بڑے صاحبوں نے جھڑک دیا اور یہ طرم خان سب کچھ بھول گئے، لیکن ہمارے عوام حکومت کی توقعات سے زیادہ باشعور ہیں، وہ جانتے ہیں کہ ملک کیوں ٹوٹا اور یہ سارے قتل کیوں ابھی تک معمہ ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ مجرموں کو اس وقت تک سزا نہیں ملے گی جب تک پاکستان میں عوامی حکومت قائم نہ ہوگی۔

اس لئے جناب صدر! ہم اس قسم کے قانون اور انصاف سے کبھی متاثر نہیں ہوئے ہمارا ایمان ہے کہ تمام افسران کو صرف ایک "جنرل" یعنی جنرل ول (رائے عامہ) کے سامنے سر جھکانا چاہیئے انھیں پاکستانی عوام کے نمائندوں کے بنائے ہوئے قانون کی پابندی کرنی چاہیئے اور ہم ایسے انصاف پر یقین رکھتے ہیں جو خوف اور دھاندلی سے آزاد ہو اور اسی لئے ہمیں وحشیانہ تشدد کا سامنا ہے۔

ط۔ جناب صدر حکومت فوج کے ادارے کو تباہ کر رہی ہے اور ہم اس کی راہ میں

رکاوٹ بنے ہوئے ہیں مجھے اس کی وضاحت کرنے دیجئے۔ ۱

۱۔ کچھ عرصہ پہلے پنجاب رجمنٹ کی بعض بٹالینوں کو مجبور کیا جاتا تھا کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے دوران پنجاب رجمنٹ کی "بہادری اور کارناموں" کی یاد منائی جائے جب انھوں نے برطانوی آقاؤں کے حکم پر اپنے ہم وطنوں کے خون سے ہاتھ رنگے تھے ہم فوجی سپاہیوں اور نوجوان افسروں کو کچھ نہیں کہتے کہ ہم جانتے ہیں کہ وہ ہماری فوج کے مشینی آہنی ڈسپلن کی وجہ سے مجبور تھے لیکن اس ذہنیت کو کیا کیا جائے جو ہندوستان پر برطانوی سامراج قبضہ کی یاد منانے کا حکم دیتی ہے کم از کم میں انھیں اپنی مسلح افواج کے اراکین کے طور پر تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوں کیونکہ وہ ابھی تک برطانوی سامراج کے وفادار ملازم ہیں ان حضرات کو معلوم نہیں کہ پنجاب رجمنٹ کو ابھی ۱۸۵۷ء کی اس سیاہی کو دھونا ہے ؟

۲۔ اکتوبر ۱۹۷۸ء میں جام شورو واقعہ کے دوران بے شمار طلباء کو گرفتار کیا گیا اور اذیت دی گئی۔ ان میں سے بعض کو فوجی عدالتوں نے طویل سزائیں بھی دیں ایک بے چارے جی سی او کو ایک فوجی گاڑی پر ایسے راستے پر واپس آنے پر برطرف کر دیا گیا جہاں ایک میجر کے سیاہ کارنامے کی مذمت کرنے کیلئے ایک جلوس مارچ کر رہا تھا۔ اس جی سی او کی تیس سالہ سروس محض اس وجہ سے رائیگاں گئی کہ وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ میجر صاحب نے ایسی گھناؤنی حرکت کی ہے جس کی طلباء مذمت کر رہے ہیں۔ اب طلباء جیل میں اور جی سی او اور این سی او برطرف ہیں لیکن میجر کفایت اللہ جس کی وجہ سے یہ ساری مصیبت کھڑی ہوئی اور جس کے لئے وفاقی وزیر چوہدری ظہور الٰہی کو حیدرآباد میں موجود مرکزی وزیر دفاع میر علی احمد تالپور کو چھوڑ کر خاص حیدرآباد بھیجا گیا تھا، نے کہا کہ میجر صاحب نے شیریں سومرو کو اپنے کیمپ میں اس کے والد کے بارے میں جھوٹی کہانی سنا کر بلایا تھا اور کوئی دوسرا جرم نہیں کیا تھا میرے نزدیک ایک لڑکی کو فراڈ کرکے فوجی کیمپ میں لانا اور اس طرح فوج کے کردار کو مسخ کرنا ہی سزا کیلئے کافی جرم ہے لیکن کفایت اللہ کی صرف چند ماہ کے لئے تنزلی کی گئی اور وہ اب پھر میجر ہے۔ ایک پلاٹون کی پشت پناہی کرکے اور اسے تحفظ دے

کہ حکومت نے انتہائی غلط کام کیا ہے لوگوں نے یہ محسوس کرنا شروع کیا کہ ایک فوجی افسر ہو کر کوئی بھی شخص کوئی سا جرم سزا کے خوف کے بغیر کر سکتا ہے فوجی سپاہی اور جے سی او بھی ایسا ہی محسوس کرتے ہیں اور انہوں نے میری نظر بندی کے دوران مجھے بتایا کہ میجر کفایت اللہ کو اس لئے سزا نہیں ہوئی کہ وہ میجر ہے اور اس طرح "نوری مخلوق" ہے سب چارے جے سی او اور این سی او کو اس لئے نقصان اٹھانا پڑا کہ وہ "ناری" اور "خاکی" مخلوق ہیں اور ان کا ذکر ہی کیا جنہیں جان سے ہاتھ دھونا پڑے!

حضرات! یہ معمولی دو دھاری تلوار ہے۔ ایک طرف یہ عوام اور فوج کے درمیان تو دوسری طرف جوانوں اور افسروں کے درمیان خلیج بڑھا رہا ہے۔ اس لئے اس زہریلے معمول کو اب ختم کیا جانا چاہیئے۔ وہ لوگ جو اس عمل کو بند کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں اور اس پر تنقید کرتے ہیں ملک اور فوج کے حقیقی بہی خواہ ہیں۔

۳۔ میں اس قسم کی ایک اور مثال آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ وہ ہے شبنم ڈکیتی کیس اس کیس کے مجرموں میں بعض پولیس آفیسر ہیں، ایک فوجی افسر اور دیگر شہری ہیں لیکن سزا دیکھ کر حیرانی ہوتی ہے شہریوں کو موت کی سزا اور پولیس آفیسروں کو دس سال قید بامشقت سنائی گئی اس میں کوئی تعجب نہیں کہ قانون نافذ کرنیوالی ایجنسی سے متعلق اور اس کیس میں ملوث فوجی افسر کو ایک سال قید محض کی سزا دی گئی۔ جانبداری کی انتہا ہے کیونکہ میری رائے میں اگر مسلح افواج کا کوئی رکن کسی ایسی سرگرمی میں ملوث ہوتا ہے تو اس کو سخت ترین سزا ملنی چاہیئے کیونکہ اس کے بارے میں سمجھا جاتا ہے کہ وہ تحفظ کا نشان ہے۔ اس لئے جس نے بھی یہ فیصلہ لکھا اور سنایا اس نے عوام اور فوج کے مابین تعلقات کو مزید خراب کیا ہے۔

۴۔ سپریم کورٹ میں نصرت بھٹو کیس کے دوران وکالت کرتے ہوئے اے کے بروہی نے دلیل دی تھی کہ اسلامی تاریخ میں ہر مفتی اور قاضی نے ہمیشہ حکمرانوں کا ساتھ دیا ہے۔ ایسے اس کے برعکس صرف ایک ہی مثال امام حسین کی نظر آتی ہے جو اس کے نزدیک ناخوشگوار

اور غیر مروجہ مثال تھی جنھوں نے حکمرانوں کے آگے سر نہیں جھکایا۔ فاضل وکیل اس حقیقت سے ناواقف نظر آتے تھے کہ تمام قانون ساز ائمہ نے ابوحنیفہ، امام مالک، امام حنبل امام شافعی اور امام جعفر صادق نے جیل ہی میں انتقال فرمایا تھا۔ حضرات سلامِ ملک، جاننا ہے کہ اس نے فوجی حکومت کی وکالت کرتے ہوئے یہ کہا تھا۔ اس طرح وہ اس نے فوج کے خلاف نفرت پھیلائی اگرچہ میں اس سے اتفاق نہیں کرتا ہوں۔ میں یہ تسلیم نہیں کرتا ہوں کہ یہ حکومت فوجی حکومت ہے۔ یہ تب فوجی حکومت ہوتی جب اسے فوج نے منتخب کیا ہوتا بلکہ یہ اس کے برخلاف جنرل ضیاء اینڈ کمپنی کی حکومت ہے جو اپنی سینارٹی کے طفیل محض اپنی نمائندگی کرتے ہیں۔ وہ فوج کو لیٹرے طبقوں کیلئے استعمال کر رہے ہیں۔

۵۔ فوج کے افراد کو عام طور پر بات سے نہ پھرنے والے لوگ سمجھا جاتا ہے لیکن یہاں ہمارے ملک میں بعض "سینئر" جو خود کو فوجی سپاہی کہتے ہیں نے لگاتار وعدے توڑے ہیں ان کی وعدہ خلافیوں اور سیاسی قلابازیوں نے فوجی ہیوس کو تار تار کر دیا ہے۔ ہم نے قومی نشریات میں ہر چار ماہ بعد قرآن کی دو آیات کے ساتھ انتخابات کے وعدے سنے ہیں لیکن جہاں تک ان وعدوں کے پورا ہونے کا تعلق ہے ہمیں غالباً قرآن پاک کی مکمل تلاوت کا انتظار کرنا پڑے گا جس میں ۶۶۶۶ آیات کیلئے گیارہ سال لگیں گے اور ابھی تک یہ حضرات قرآن پڑھتے ہیں۔

۶۔ میں نے روزنامہ جنگ میں ریٹائرڈ شمس الحق قاضی کے نام سے ایک مضمون اگست ۷۹ء میں پڑھا تھا جس میں اس نے ایک سینئر جنرل خالد مسعود کا حوالہ دیا تھا۔ جنھوں نے اسٹاف کالج میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ہر ملک میں حکمران طبقے ہوتے ہیں جو فوج کو رہنما مہیا کرتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس سوچ میں جنرل خالد تنہا نہیں ہے بلکہ بدقسمتی سے ایک مکتبۂ فکر ہے۔ جو ملک اور فوج کو اقتدار میں ہونے کے باعث نقصان پہنچا رہا ہے۔

۷۔ جنوری ۱۹۸۰ء میں اسی بریگیڈیئر شمس الحق کا مضمون روزنامہ جنگ میں

شائع ہوا جو عرب شیوخ کے لئے گائیڈ لائن تھا۔ اس میں کہا گیا تھا کہ کیونکہ عرب سپاہی بادشاہوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہو سکتے ہیں (اور چونکہ یہاں قومیایا ہوا تیل ہے اس لئے غریب امریکہ بھی متوجہ ہو) اس لئے انھیں پاکستانی سپاہی بھرتی کرنے چاہئیں جو ہمیشہ بادشاہ کے وفادار رہتے ہیں۔ اس لئے بریگیڈیئر صاحب نے حکومت کو یہ مشورہ بھی دیا کہ نہ فوجی سپاہیوں کو کرائے پر دیکر قیمتی زرمبادلہ کمائے۔ کیا شاندار مشورہ ہے! یہ صاحب غالباً برطانوی فوج میں بھرتی ہوئے تھے اور اس لئے ان کی نظر میں پیسہ ہی سب کچھ ہے یا پھر وہ اتنے ہی بہادر ہیں کہ الزام لگا رہے ہیں کہ ہمارے فوجی ضمیر کی کسی خلش کے بغیر کرنسی نوٹ کے آگے سر جھکا سکتے ہیں۔ بہرحال کیونکہ یہ مضمون کڑی سنسر شپ کے دور میں چھپا ہے اور ایک سینئر افسر خواہ ریٹائرڈ نے لکھا ہے اس لئے میں اس سے صرف یہ نتیجہ اخذ کرتا ہوں کہ یہ حکومت کا منصوبہ ہے اور حکومت ہماری فوج کو مکمل طور پر کرائے کی فوج بنانا چاہتی ہے۔

۸۔ مجھے ۱۹۶۸ء میں بریگیڈیئر افضل جو اس وقت حیدرآباد کے جی او سی تھے سے ایک بحث یاد آرہی ہے جب میں نے اس سے بھرتی کے بارے میں پوچھا تھا اس نے مجھے بتایا تھا کہ نہ صرف سندھ میں بلکہ پنجاب میں بھی زرعی زمینوں اور دیگر پیشوں والے علاقوں کے لوگ فوج میں بھرتی نہیں ہوتے۔ صرف چند ضلعوں مثلاً میانوالی، کیمبل پور، راولپنڈی، جھنگ، جہلم، گجرات سیالکوٹ اور کوہاٹ کے لوگ ہی فوج میں آتے ہیں۔ اس لئے جی ایچ کیو نے کسی حکومت کو بھی اس امر کی اجازت نہیں دی کہ ان ضلعوں میں زراعت کے لئے پانی مہیا کرے، روزگار کے لئے کارخانے مہیا کرے اور شہری سہولتیں فراہم کرے کیونکہ ان سے ان علاقوں کے باشندوں کو وہیں رہنے اور بھرتی نہ ہونے کی ترغیب ملے گی۔ جب میں نے جواب دیا کہ یہ تو جبری بھرتی سے بھی زیادہ برا ہے۔ حکومت دوسرے ملکوں کی طرح بھرتی کیلئے ترغیب دینے کیلئے زیادہ فوائد کی پیش کش کیوں نہیں کرتی اس نے کہا "جوان! یہ کڑوی حقیقت ہے لیکن اسے ہضم کرنا ہی ہوگا" ایک تلخ حقیقت! جسے میں ہضم نہ کرسکا اس لئے ملک کیلئے اس کے نتائج سب کے سامنے ہیں اور

میرے خیال میں ہے۔ آپ کے سامنے بھی ہیں لیکن میں اب بھی محسوس کرتا ہوں کہ یہ ناقابلِ عمل نہیں ہے ہمیں اپنے فوجیوں کو باعزت طور پر ادائیگی کرنی چاہیئے نہ کہ مجبوری سے۔ عوام کے نام پر اور ملک کے نام پر یہ جبری بھرتی بند کی جانی چاہیئے۔ اگر کوئی شخص ہمارے اوپر خنجر اٹھائے وہ نہ ہمارا بیٹا ہے اور نہ ہمارا ملازم ہے اس صورت میں اُن یا انھیں ان پارٹیوں کے پارٹی فنڈ یا ان آقاؤں کی ذاتی جیبوں سے ادائیگی ہونی چاہیئے جن کی وہ خدمت کرتے ہیں۔

۹۔ ہمارے ملک کے کئی لوگ حتیٰ کہ میں بھی اس تنظیم بندی سے پہلے نہیں جانتا تھا کہ فوجی یونٹوں کی کمپنیوں کے نام ایڈم کی، الفا کی، چارلی کی، ڈیلٹا کی وغیرہ ہیں ٹیپو سلطان کی، بھگت سنگھ کی، حیدر علی کی، سراج الدولہ کی، دلا بھٹی کی، خوشحال خان کی اور خیر بخش کی کمپنی کیوں نہیں ہے۔ لیکن چونکہ یہ تمام ہیروز برطانوی سلطنت کیخلاف یا دیگر غیر ملکی جارحوں کے خلاف لڑے اس لئے بعض "جیالے" سامراج کے وفادار ہونے کی وجہ سے ان معنی خیز ناموں کی اجازت نہیں دیں گے جب حکومت اس ورثہ سے نجات پائے گی تو فوجی جوان زیادہ بہتر محسوس کریں گے وہ عوامی ہیرو کے نام کی لاج رکھنے کیلئے زیادہ جوش و خروش سے لڑیں گے لیکن غالباً بعض سینئر سوچتے ہیں کہ یہ فوج کسی سامراجی جارحیت کا مقابلہ کرنے کے لئے منظم نہیں کی گئی اس لئے انھیں چارلی اور ڈیلٹا وغیرہ جیسے بے ہودہ ناموں میں معنی نظر آتے ہیں یا پھر انھیں یقین ہے کہ چارلی جیسا نام رکھنے والی کمپنی وہ سب کچھ کر سکتی ہے جو وہ چاہیں گے۔ لیکن دلا بھٹی کے نام والی کمپنی اپنی ہی دھرتی پر غارت گری کے لئے کبھی تیار نہ ہوگی۔ اس لئے یہ نام بھی انھیں کرائے کے فوجی بنانے میں رکاوٹ بن سکتے ہیں۔

۱۰۔ گذشتہ سال سے فوج میں ملاؤں کی تقرری کی جا رہی ہے۔ حکومت نے اہلِ حدیث مولوی بھرتی کرنے کی کوشش کی ہے کیونکہ اہلحدیث انتخابات کی مخالفت کرتے ہیں اور فتویٰ دیتے ہیں کہ اگر کسی طرح بھی کوئی "صالح" اقتدار میں آجائے تو اسے ہٹانا نہیں چاہیئے فطری طور پر جو بھی قصرِ صدارت میں داخل ہوگا وہ چاہے غاصب ہی کیوں نہ ہو خود کو صالح ہی سمجھے گا۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ اصل وجہ زیادہ خطرناک ہے۔ اہلحدیث فرقہ اس ملک میں انتہائی حقیر اقلیت ہے یہ

حکومت فوج کو نہ صرف انتظامی، سماجی، معاشی اور سیاسی طور پر ایک الگ خصوصی ادارہ بنانا چاہتی ہے بلکہ اسے ایک الگ فرقہ بھی بنانا چاہتی ہے۔ ایک ایسا مذہبی فرقہ جسے کل پاکستان کے عوام کی اکثریت یعنی "بدعقیدوں" کے خلاف استعمال کیا جا سکے۔ یہ ملک کے لئے انتہائی خطرناک ہے اس لئے اس کو فی الفور ختم کیا جانا چاہیئے۔

۱۱۔ مجھے یہ بات حالیہ نظر بندی کے دوران معلوم ہوئی کہ فوجی سپاہی کو چھ روپے، میجر کو ۵۵ روپے اور دیگر افسران کو بھی تنخواہ کے ساتھ ساتھ مارشل لاء الاؤنس کے طور پر ادا کیا جاتا ہے۔ جہاں تک تنخواہ کا تعلق ہے مجھے اتفاق ہے کہ یہ آسمان سے باتیں کرتی ہوئی مہنگائی کے مقابلے میں انتہائی کم ہے۔ اس لئے ہم پہلے ہی مطالبہ کرتے آئے ہیں کہ کم سے کم تنخواہ کو ایک تولہ سونے کی قیمت کے مساوی قرار دیا جائے اس طرح یہ قیمتوں کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتی رہے گی لیکن جہاں تک قومی مفاد کا تعلق ہے ہر ذی شعور اور ایماندار شخص اتفاق کرے گا کہ مارشل لاء کو فوری طور پر ختم ہونا چاہیئے۔ لیکن ہمارے جوانوں کا شخصی مفاد اس میں بنا دیا گیا ہے کہ یہ غیر معینہ مدت تک جاری رہے اس طرح صورتحال یہ ہے کہ ہماری فوج کے افراد کا شخصی مفاد قومی مفادات سے متصادم ہے باشعور شہریوں کو چاہیئے کہ وہ فوج سے متعلق کیوں نہ ہوں اس خطرناک منظر کا نوٹس لینا چاہیئے۔ مجھے ایک فوجی جوان کے الفاظ ابھی تک یاد ہیں کہ جناب ہم جانتے ہیں کہ قوم مارشل لاء نہیں چاہتی لیکن چونکہ ہم اپنی قلیل تنخواہ سے گذر اوقات نہیں کر سکتے اور مارشل لاء الاؤنس ہمارے تیس سو روپے میں قابل ذکر اضافہ کرتا ہے اس لئے ہمیں افسوس ہے کہ ہم یہ چاہنے پر مجبور ہیں کہ مارشل لاء جاری رہے۔

۱۲۔ گذشتہ دو سال میں ایک سو سے زائد میجروں اور بریگیڈیئروں کو سول سروس خاص طور پر پولیس میں ضم کیا گیا ہے۔ یہ تلوار بھی دو دھاری ہے۔ اس سے سول سروس اور فوج کے مابین خلیج بڑھ رہی ہے ایک ڈی ایس پی نے مجھے بتایا کہ یہ حضرات ہم پر تھوپے نہ گئے ہوتے تو اب تک میں ایس پی بن چکا ہوتا اور دوسری طرف اس سے فوج کے کمیشن یافتہ افسروں اور فوجی جوانوں کے مابین خلیج بڑھ رہی ہے۔ میں فوجی کیمپوں میں ایک سال سے

زیادہ عرصہ رہا ہوں اور جانتا ہوں کہ فوجی جرانوں، این سی او اور جے سی او نے بھی اسے محسوس کیا ہے وہ محسوس کرتے ہیں کہ چند پسندیدہ افراد فوج کے نام پر عیش کر رہے ہیں اور انھوں نے "مخلوق" کی اصطلاحوں میں باتیں کرنا شروع کر دی ہیں نہ صرف یہ بلکہ اس صورتحال کی وجہ سے پر عیش نوکریوں کے پیچھے بھاگنے کا عمل شروع ہو چکا ہے۔ کیا میں امید رکھوں کہ یہ عدالت جو خود افسروں پر مشتمل ہے اس خطرے سے آگاہ ہو گی۔

بعض سینئر ہمارے نوجوان فوجی افسروں کو بدعنوان بنا رہے ہیں۔ یہ طریقہ اقتدار کو برقرار رکھنے کیلئے شروع کیا گیا ہے۔ لیکن یہ عمل انتہائی خطرناک ہے میں اور تمام دیگر محبان وطن اور ترقی پسندوں نے ہمیشہ اس ناجائز عمل کی مخالفت کی ہے۔

۱۳۔ بعض لوگ پوری فوج پر جاہ پسند ہونے کا الزام لگاتے ہیں۔ مثلاً ایس ایم ظفر نے اپنی کتاب "ڈکٹیٹر کون" میں لکھا ہے کہ میں نے اپنی کتاب "بحرانوں کے ذریعے" میں یہ تجزیہ کر کے یہ نتیجہ نکالا تھا کہ "ایوب خاں سیاستدانوں کو اقتدار حوالے کرنے سے اس لئے ہچکچا رہے تھے کہ انھیں فوج کے ردعمل کے بارے میں اعتماد نہیں تھا۔"

فضل مقیم خاں نے اپنی کتاب "پاکستان میں قیادت کا بحران" میں لکھا ہے کہ یحییٰ خاں کے بعض قریبی ساتھیوں نے کھلے لفظوں میں کہا کہ فوج سے ۱۹۵۸ء میں غداری کی گئی کیونکہ حکومت فوج کی مدد سے اور فوج کے نام پر حاصل کی گئی تھی لیکن کچھ عرصہ بعد فوج کو الگ کر دیا گیا اور دوسرے اقتدار پر قابض ہو گئے۔

جناب صدر! ان حضرات کو ملزم نہیں ٹھہرایا گیا نہ صرف اس لئے کہ یہ حکمران دھڑے سے قریب تھے بلکہ اس لئے بھی کہ انھوں نے حقیقی ذمہ دار افراد کی نشاندہی کرنے کی بجائے پوری فوج کو معتوب کیا تھا۔ سرکاری سینئر محسوس کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص پوری فوج کو معتوب کرتا ہے تو اس طرح وہ ان کی خدمت کرتا ہے اور ان کو یہ موقع دیتا ہے کہ فوج سے کہہ سکیں "سارے ملزمو! متحد ہو جاؤ!" لیکن میں ایک ترقی پسند ہونے کی حیثیت سے صرف ان لوگوں کو ملزم ٹھہراتا ہوں جو جرائم کرتے ہیں میں پوری فوج پر الزام نہیں دھرتا

میں صرف ان کی مذمت کرتا ہوں جو ملک کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ میرے عوام پر، طلبا مزدوروں، کسانوں اور صحافیوں پر تشدد کرتے ہیں یا ان پر گولیاں چلاتے ہیں اور اس طرح پوری فوج کو بدنام کرتے ہیں اس لئے، یہ حکومت میری مخالف ہے۔

۱۴۔ یہ ہمارے جوانوں کو اپنے بزرگوں بھائیوں اور بیٹوں پر گولیاں چلانے کیلئے استعمال کرتی ہے اور فوجی افسروں کو غیر فوجی مقاصد کیلئے استعمال کرتی ہے تاکہ وہ سرحدوں پر جوش و خروش سے لڑنا بھول جائیں ایک جوان یا افسر جسے اپنے عوام کیخلاف اور اس طرح اپنے ضمیر کیخلاف استعمال کیا جائے ایک کرائے کے فوجی سے زیادہ بہتر نہیں رہتا جیساکہ میں پہلے ذکر کر چکا ہوں ایف ائی یو آتنی سفاک ہو جائے گی جتنی ساواک تھی اگر صورت حال کچھ عرصہ یونہی رہی۔ ساواک نے بھی پہلے ترقی پسندوں پر اپنے دانت تیز کئے اور بعد میں اس نے کسی کو نہیں بخشا اس لئے ملک اور فوج دونوں کے مفاد میں یہی ہے کہ حکومت فوج کو پاکستان کے عوام کیخلاف استعمال کرنا چھوڑ دے چونکہ میں اس کا مطالبہ کرتا رہا ہوں اس لئے حکومت میرے خلاف تلی ہوئی ہے اس حکومت نے اپنے مذموم مقاصد کے لئے ہمارے فوجیوں کو یہ تاثر دیا ہے کہ انھیں ۱۹۷۱ء میں اپنے بھائیوں کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ ہندستانی فوج کے ہاتھوں شکست ہوئی تھی۔ اگر کسی سپاہی کو بار بار یہ جتلایا جائے کہ اسے فلاں فلاں ملک سے شکست ہوئی تو اس کا حوصلہ پست ہو جاتا ہے جس کے نتیجے کے طور پر وہ اپنی زمین پر چڑھ دوڑنے کا اہل تو رہتا ہے لیکن وہ کسی سوچی سمجھی جارحیت کا مقابلہ کرنے کا اہل نہیں رہتا۔ دیگر مقاصد کے لئے اور جناب بھٹو کو مطعون کرنے کیلئے، بعض سینئروں نے مثلاً یحییٰ خاں نے اردو ڈائجسٹ کو انٹرویو دیتے ہوئے غلط اندازوں کا اعتراف کیا اور یہ بھی تسلیم کیا کہ ہم نے ۱۹۶۵ء کا کھیل شروع کیا تھا اور بھاری نقصانات اٹھائے۔

۱۵۔ نظر بندی کے دوران میں نے کرنل سالک کی لکھی ہوئی ایک کتاب پڑھی جس سے مجھے معلوم ہوا کہ ہندوستانی فوج کے افسروں کے کندھوں پر کپڑے کے بنے ہوئے نشانات

ہوتے ہیں میں نے ایک افسر سے پوچھا کہ ہندستان ہم سے دس گنا بڑا ملک ہے اور اس کے وسائل ہم سے کہیں زیادہ ہیں۔ اگر وہ اپنے افسروں کو کپڑے کے بنے ہوئے نشانات پہننے پر مجبور کر سکتا ہے تو ہم جو ایک چھوٹا ملک ہے اور ہمارے وسائل بھی بہت محدود ہیں تو ہمارے افسر کیوں کپڑے کے بنے ہوئے نشانات استعمال نہیں کرتے۔ افسروں نے جواب دیا کہ کپڑے کے بنے ہوئے نشانات سے بھی افسروں کو پہچانا جا سکتا ہے لیکن ان سے لشکارا نہیں آتا! حضرات۔ کرائے کی فوج کو تو لشکارے کی فکر ہو سکتی ہے لیکن ہماری فوج کو زیب نہیں دیتا۔ ہماری فوج کو تو جذبہ حب الوطنی سے مزین ہونا چاہیئے۔

۱۶۔ بظاہر یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ ۱۹۶۵ء کی جنگ ایک مہم پسندی یا غلط اندازوں پر مبنی تھی لیکن میں آپ کو حقیقی وجہ بتاتا ہوں اس وقت کی حکومت کو امریکہ نے ہندستان پر حملہ کرنے کیلئے کہا تھا تاکہ ہندستان جو امریکہ سے روز بروز دور ہوتا جا رہا تھا مجبور ہو کر اس کے چنگل میں آ پھنسے، اب جناب بھٹو کی پھانسی پر شیخ عبداللہ کے ریمارکس سنئے خدا نے ہمیں بچا لیا اگر ہم پاکستان میں ہوتے ہم مارشل لا کی تابعداری نہ کر پاتے اور ہمیں بھی پھانسی کا سامنا کرنا پڑتا، علاوہ ازیں ہندستانی کشمیر میں پانچ یا چھ بار انتخابات ہو چکے ہیں اور ہمارے کشمیر میں عام طور پر ایک بریگیڈیئر یا امور کشمیر کی وزارت کا جائنٹ سیکرٹری حکومت کا سربراہ ہوتا ہے۔

۱۷۔ جب فیلڈ مارشل کی حکومت نے محسوس کیا کہ وہ ہمارے جنگی اندازوں اور مقاصد کے بارے میں اپنے ہی ذہین فوجی افسروں کا سامنا نہیں کر پائے گی تو اس نے ان کو انعام کے نام زمین دے کر خریدنے اور ان کا منہ بند کرنے کا سلسلہ شروع کیا اور اس طرح حقدار کسانوں اور فوج کے مابین خلیج حائل کر دی بعض افسروں کو اس سے فائدہ بھی ہوا لیکن میں آپ کو بتاتا ہوں کہ اس طریقے سے ہمارا قومی مفاد مجروح ہوا۔ میں اس لئے ان کے غیض و غضب کا نشانہ ہوں۔ مجھے ایک پارٹی رہنما ماندھل شریف کا معاملہ یاد ہے اس پر تین ماہ تک ایف آئی یو کے افسران نے اتنا تشدد کیا کہ وہ قریب المرگ ہو

گیا۔ آخرکار بعد از خرابی بسیار کسی "ایماندار" افسر کو یہ ماننا پڑا کہ وہ سب کچھ ہو سکتا ہے لیکن کسی غیر ملک کا ایجنٹ نہیں۔ لیکن پھر بھی اس کو دھمکی دی گئی کہ اگر اس نے کسانوں کی سیاست میں حصہ لیا تو اسے قتل کر دیا جائے گا۔ یہی حقیقی وجہ بھی تھی۔ بدقسمتی سے وہ سکھر بیراج کے علاقے سے تعلق رکھتا ہے، جہاں بعض فوجی افسر زمین کی ملکیت کے بارے میں کسانوں سے برسرِ پیکار ہیں اور ماندھل شر دوسری سمت یعنی کسانوں کی طرف ہے اور اسی لئے اذیت ناک تشدد کا نشانہ بھی ہے۔

۱۸۔ اگر بی بی سی کا وہ نشریہ جس میں اس نے برطانوی ڈیفنس جرنل کا حوالہ دیا ہے درست ہے تو ہماری چھ لاکھ عددی فوج پر ایک سو دس جرنل ہیں جبکہ ہندوستانی دس لاکھ فوج کے صرف ۴۰ جنرل ہیں۔

۱۹۔ مجھ پر دوران تفتیش یہ الزام عائد کیا گیا کہ میں نے سندھی رسالے "جاگرتا" میں انٹرویو کے دوران پاکستان کی مخالفت کی تھی میں نے کہا کہ یہ ناممکن ہے۔ تب مجھے بتایا گیا کہ میں نے فوج کی مخالفت کی تھی اور اس طرح پاکستان کی مخالفت کی تھی۔ میں نے انھیں بتایا کہ میں نے فوج کی مخالفت کبھی نہیں کی لیکن ہمیشہ فوج کی سیاست میں دخل اندازی کی مخالفت کی ہے اور کروں گا کیونکہ میں اسے اپنے ملک کیخلاف سازش تصور کرتا ہوں علاوہ ازیں جب بھی یہ سوال کھڑا ہوتا ہے کہ کوئی ملک کسی ایک ادارے (فوج یا کوئی دوسرا) کے مساوی ہے اور یہ ادارہ فلاں فلاں صاحب کے مساوی ہے اور اس طرح فلاں صاحب ملک کے مساوی ہیں تو میں اس مضحکہ خیز فارمولے کی نفی کرتا ہوں۔ فوج ملک کے بے شمار اداروں میں سے ایک ہے۔ اس طرح کمانڈر انچیف ملک کے برابر نہیں ہو سکتا۔ پاکستان کسی شخص یا ادارے سے زیادہ اہم ہے۔

۲۰۔ فوجی کیمپ میں میری نظر بندی کے دوران مجھے یہ معلوم ہوا کہ ہمارے فوجی جوانوں کو انتہائی قلیل تنخواہ ملتی ہے اور انھیں مینو کے مطابق کھانا نہیں ملتا، نہ انڈے ملتے ہیں نہ خشک فروٹ ملتا ہے اور تازہ فروٹ بھی انتہائی سڑا ہوا اور کبھی کبھار ملتا ہے۔ انھیں نہ تو ڈھائی

روپے یومیہ کا الاؤنس عام طور پر دیا جاتا ہے اور ہمیشہ بڑا کھانا جسے وہ بڑا کھانا کہتے ہیں سے الگ رکھا جاتا ہے جو کئی دن تک ان کے چھوٹے کھانے کو خراب کرتا ہے چونکہ انھیں اجتماع یا دیگر ایسے ذرائع مہیا نہیں ہیں جن کی مدد سے وہ حکومت تک اپنے مسائل اور شکایتیں پہنچا سکیں، اس لئے میں نے جوانوں سے وعدہ کیا تھا کہ جب مجھے فوجی عدالت میں پیش کیا جائے گا میں ان کے مسائل عدالت کے سامنے پیش کروں گا چاہے کچھ بھی نتیجہ ہو مجھے امید ہے کہ حکومت اس پر سنجیدگی سے غور کرے گی۔

۲۱۔ فوجی افسر چاہتے ہیں کہ یہ یقین کر لیا جائے کہ ہماری فوج کو کسی دوسری فوج سے شکست ہو سکتی ہے لیکن وہ آئنی بہادر ہے کہ اس کو اپنے ہم وطنوں کے ہاتھوں شکست نہیں ہو سکتی۔ وہ محسوس کرتے ہیں کہ اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو گیا کہ انھیں ۱۹۷۱ء میں ہندستانی فوج سے نہیں بلکہ بنگالی عوام سے شکست ہوئی تھی تب وہ پاکستان میں مارشل لاء کا نفاذ نہیں کر پائیں گے۔ اسی وجہ سے وہ بنگال میں رسدی نظام کی خامی کا ذکر کرتے ہیں اس حقیقت کو فراموش کر دیتے ہیں کہ امریکی فوج بھی اپنے ۱۸ لاکھ عددی فوج بہترین رسدی نظام اور جدید ترین ہتھیاروں کے باوجود ویت نامی عوام پر فتح نہیں پا سکی تھی۔ میں آپ کو اپنے بعض سینئر جنرلوں کی ذہنیت بتا رہا ہوں لیکن جہاں تک ہمارے فوجی جوانوں کا تعلق ہے میں اپنی نظربندی کے دوران ان کے ساتھ رہا ہوں اس لئے بخوبی جانتا ہوں کہ وہ کسی بھی جارحیت کا شاندار مقابلہ کرنے کیلئے تیار ہیں لیکن وہ اپنے ہی عوام پر حملہ جاری نہیں رکھ سکتے حتیٰ کہ قومی اتحاد کی سامراج نواز عوام دشمن تحریک کے دوران بھی جو صرف چند شہروں تک محدود تھی، تقریباً تین سو جوانوں نے گولی چلانے سے انکار کر دیا تھا اور اس طرح اپنی ملازمتوں سے ہاتھ دھو لئے پھر وہ اس وقت کیسے گولی چلا سکیں گے جب دیہاتوں کے عوام بھی باہر نکل آئیں گے جبکہ ہمارے جوانوں کی اکثریت بھی دور دراز کے دیہاتوں سے تعلق رکھتی ہے۔

ی۔ انٹیلی جنس ایجنسیوں کے افسران (ضروری نہیں کہ ذہین ہوں) نے مجھ پر الزام عائد کیا کہ میں نے بھٹو کے دور میں بھٹو اور دستور کی مخالفت کی تھی اور اب میرا نقطہ نظر

بالکل مختلف ہے۔ میں نہیں جانتا کہ یہ افسران اتنے بھی ذہین نہیں ہیں کہ نمایاں فرق سمجھ سکیں یا پھر حکومت ہی سمجھ نہیں پاتی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ میرے نقطۂ نظر کو حقیقتاً سمجھتی ہے اور اس لئے میری مخالف ہے۔ میں اتفاق کرتا ہوں کہ میں نے دستور پر تنقید کی تھی اور اب بھی اس پر ایک سو ایک اعتراض ہیں لیکن کسی غاصب کو اس بات کی اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ جو صرف اپنی نمائندگی کرتا ہے آئے اور دستور کو بالائے طاق رکھ دے جب اس حکومت کے نمائندے مجھ پر دستور کی تنقید کا الزام عائد کرتے ہیں اور دستور کی شق نمبر ۶ کی موجودگی میں سول حکومت کا تختہ الٹتے ہیں اور دستور کو معطل اور عملاً منسوخ کر دیتے ہیں یہ ایسا ہی ہے کہ بھینس گائے کو کالی دم ہونے کا طعنہ دے۔

مجھے اس سے بھی اتفاق ہے کہ میں نے جناب بھٹو کی تنقید کی تھی اور اب بھی کرتا اگر وہ وزیر اعظم ہوتے۔ لیکن اس حکومت نے ان کو محض اس لئے پھانسی دیدی کہ انھوں نے مثبت اقدامات کئے تھے۔ انھوں نے پانچ فی صد زمین کسانوں میں تقسیم کی تھی جب کہ میں نے ان پر بقیہ ۹۰ فی صد تقسیم نہ کرنے پر تنقید کی تھی۔ فوجی جنتا نے انھیں قومیانے پر پھانسی دی جبکہ میں نے غیر ملکی سرمایہ نہ قومیانے پر مخالفت کی تھی۔ یہ زمین اور آسمان کا فرق ہے، رات اور دن کا فرق ہے وہ اب عوام کیلئے شہید ہو چکے ہیں اب ان کے مشن کی تکمیل سائنٹفک سوشلزم سے کم نہیں ہوگی۔ میں نے کسی کو یہ کہتے سنا تھا کہ بھٹو صاحب نے نواب قصوری کو قتل نہیں کیا بلکہ خود کو ہلاک کیا اس نے محض ایک کا کام تمام کر کے ہم سے غداری کی ہم نے اس ملک کے سارے نوابوں سے نجات کیلئے منتخب کیا تھا۔

ہم پاکستان کے عوام نے برطانوی سامراج کیخلاف اس وجہ سے جدوجہد نہیں کی تھی کہ ہمیں انگریزی چہرے ناپسند تھے یا ہم کسی زبان سے نفرت کرتے تھے ہم نے اس لئے جدوجہد کی تھی کہ ہم ملک کا اقتدار اعلیٰ چاہتے تھے۔ اقتدار اعلیٰ کالے انگریزوں کے ہم پر تسلط کا نام نہیں ہے ہم عوام اپنی مرضی کے مطابق حکومت چاہتے تھے ہم نے کبھی عوام سے دور، عوام کو خریدنے والی حکومت نہیں چاہی ہم نے کبھی غاصبوں کے آنے کو پسند نہیں کیا اور اب غاصبوں

کے آنے کا دور جا چکا ہے بھٹو کی حکومت بھی جس کے پاس بہت سے اختیارات تھے ایک نیم سول حکومت تھی میرے پاس اس کے بہت سے شواہد ہیں کہ جب اس حکومت کو سینئر جنرلوں کے سامنے بے بس ہونا پڑا۔

i - وہ پاکستان کے صدر تھے اور مجھے رہا کرنے چاہتے تھے لیکن چونکہ سینئر جنرل اس میں حائل تھے اور وہ رہا نہ کر سکے۔

ii - وہ چاہتے تھے کہ حمود الرحمن کمیشن رپورٹ کو شائع کیا جائے لیکن انھیں ایسا نہیں کرنے دیا گیا۔ جیسا کہ انھوں نے کینیڈا میں اعلان کیا۔

iii - انہوں نے قومی اسمبلی میں اعلان کیا کہ وہ ریفرنڈم کرائیں گے خود ضیاء الحق نے انھیں ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی۔

iv - انہوں نے بحیثیت صدر پاکستان متعلقہ کمشنر اور آئی جی پنجاب کو حکم دیا کہ بہاولپور کے تاریخی عباسی محل کو اپنے قبضے میں لے کر قومی آثار قدیمہ کے حوالے کر دیں دونوں افسروں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ جب تک جی ایچ کیو سے اس بارے میں ہدایت نہ مل جائے وہ ایسا نہ کر سکیں گے کیونکہ یہ محل ایک جنرل کے رشتہ داروں کے پاس ہے۔

v وہ شیخ ایاز کو سندھ کا وائس چانسلر بنانا چاہتے تھے لیکن انھیں ایسا کرنے میں چھ ماہ کا عرصہ لگا کیونکہ حقیقی حکمران گروہ سے اجازت لینا ضروری تھا۔

اس کے علاوہ مجھے پیر پگارا کی وہ آف دی ریکارڈ پریس کانفرنس بھی یاد ہے جس میں انہوں نے بتایا کہ دائیں بازو کے تمام رہنما بشمول اصغر خاں سے مفتی محمود تک اور جماعت اسلامی سے میاں طفیل تک اور وہ خود بھی جی ایچ کیو کے ایجنٹ ہیں" انہوں نے دو ٹوک الفاظ میں یہ بھی واضح کیا کہ "جی ایچ کیو سیاست میں کسی ایسی شخصیت کو اجازت نہیں دیگا جو اس سے اتفاق نہ کرتی ہو اور اس کی زبان نہ بولتی ہو"۔ میرے ساتھ مسئلہ یہ ہے کہ میں سینئر افسروں کی زبان نہیں بولتا اس لئے تشدد اور مقدمات کا شکار ہوں!

ل - میں نے ہمیشہ مشہدی اسکوائر کی معاشیات کی مخالفت کی ہے جو ہمارے

بدقسمت ملک پر سینیٹروں نے تھوپ رکھی ہے۔ مثال کے طور پر ایوب خان پر بجا طور پر یہ الزام تھا کہ اس نے ہم جیسے چھوٹے سے ملک میں ۷ ارب کی کرنسی پھیلا دی ہے، یحییٰ خان نے اپنے دوسالہ دور میں اس کو ۱۲ ارارب تک پہنچا دیا۔ ذوالفقار علی بھٹو پر تنقید کی گئی کہ انھوں نے ۱۶ ارب کے نوٹ جاری کئے۔ لیکن موجودہ حکومت نے اپنے تین سالہ دور میں ۱۴ ارارب کی نئی کرنسی جاری کی۔ اب زیر گردش نوٹوں کی تعداد ۳۰ ارارب روپے تک پہنچ گئی۔ اسی کو میں مشہدی اسکوائر معاشیات کہتا ہوں جو منہدم ہونے والی ہے اس قسم کی معیشت ہمیشہ متعین تنخواہ والوں کا استحصال کرتی اور ان لوگوں کو فائدہ پہنچاتی ہے جس کے لئے یہ حکومت قائم ہے۔ چونکہ میں پاکستان کے غریب عوام کے ساتھ ہوں اور حکومت دوسری طرف ہے اسی لئے یہ مجھے الزام دھرتی ہے۔

م۔ سینیٹر جنرل مذموم پروپیگنڈے کے ذریعے میری کردار کشی کرنا چاہتے ہیں۔ انھوں نے بنگال میں فوجی اقدام کی مخالفت میں میرے بیان کو آل انڈیا ریڈیو پر میری تقریروں میں بدل دیا اور یہ ظاہر کیا جیسے ان کے پاس میری تقریروں کے ریکارڈ ہیں اور انھوں نے سرحد پار کرنے کی جھوٹی کہانیاں گھڑیں۔ لیکن اب سترہ ماہ کی نظر بندی کے دوران کسی نے مجھ سے ہندستان کے بارے میں کیوں سوال نہیں کرتے تو انھوں نے جواب دیا کہ وہ جانتے ہیں کہ میں کبھی ہندستان یا کسی اور ملک نہیں گیا اسی لئے نہ تو وہ سوال کریں گے اور نہ ہی اس الزام کے تحت میرا چالان کریں گے۔

مجھے یقین ہے کہ اس کی دو دیگر وجوہات بھی ہیں ایک یہ کہ تفتیش کے دوران ہندستان میں جنتا پارٹی کی حکومت تھی جو امریکہ نواز ہونے کے ناطے ان کی بھائی بند تھی۔ اس لئے وہ اس کیخلاف کچھ نہیں کہنا چاہتے تھے۔ دوسری اہم وجہ یہ تھی کہ افغانستان میں زمین کسانوں میں تقسیم کردی گئی۔ سود ختم کردیا گیا اور وہاں سامراج دشمن حکومت قائم ہوگئی اس طرح صورتحال غیر اسلامی ہوگئی۔ مزید براں افغان فوج نے تین دن میں اقتدار شہری حکومت کے سپرد کرکے "بری" مثال قائم کی جس نے ہمارے جنرلوں کو دہلا دیا اور جسے یہ کبھی معاف نہیں کرسکیں گے۔

اسی لئے ہندوستان پر تنی ہوئی بندوقوں کا رخ افغانستان کی طرف موڑ دیا گیا ہے۔ اسی لئے ہندوستان کے بارے میں مجھ سے کوئی سوال نہیں کیا گیا جیسا کہ ۱۹۶۹ ء میں مجھ پر الزام تھا کہ میں ہندوستان جانے کا ارادہ رکھتا ہوں جو ۱۹۷۱ء کے پروپیگنڈے کی تیاری تھی اسی طرح اب نہ صرف مجھ پر بلکہ دیگر ترقی پسندوں پر یہ الزام عائد کیا جائے گا کہ ان کے افغانستان کے ساتھ رابطے ہیں اور پہلے افغانستان جانے کا ارادہ رکھتے ہیں اور پھر افغانستان چلے جانے کا الزام لگے گا۔

ن ۔ مجھے یہ بتایا گیا کہ میرے ساتھ سخت سلوک کیا جائے گا کیونکہ حکومت نے افغان انقلاب سے سبق سیکھا ہے اور مجھے سخت تشدد اور کڑی سزاؤں کی مثال بنا کر پاکستان کے ترقی پسندوں کی حوصلہ شکنی کی جائے گی تاکہ وہ فوج سے کسی مثبت تبدیلی کی توقع نہ رکھیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ حکومت انقلابیوں کو خوفزدہ کرتے اور حکمران طبقوں کو خوش کرنے کیلئے قربانی کا ایک بکرا چاہتی ہے۔ اگر وہ مجھے گرفتار نہ کر پاتی تو ان تاریک اذیت گاہوں میں دیگر انقلابی ہوتے۔

س ۔ ہمارے فوجی جوانوں کو قرآن پر یہ قسم کھانا ہوتی ہے کہ وہ سینئروں کا حکم بجا لائیں گے یہ بات دلچسپ ہے کہ انہیں یہ قسم نہیں کھانی پڑتی کہ وہ ملک کیلئے جانیں قربان کرینگے لیکن مجھے اعتماد ہے کہ ہمارے جوان اتنے سادہ لوح نہیں جتنا سمجھے جاتے ہیں اور وہ سینئروں کے عزائم کو جان سکیں گے۔

ف ۔ پاکستان عوام کی رضا کی وجہ سے موجود ہے نہ کہ سینئر جرنلوں کی بدخواہی کی وجہ سے اور یہ اس وقت تک قائم رہے گا جب تک عوام چاہیں گے ہمارے خطے کی موجودہ سیاسی صورتحال کا تقاضہ ہے کہ موجودہ سرحدوں کو نہ چھیڑا جائے ۔ اگر کوئی نا سمجھ ایسا سوچتا ہے اور پاکستان کے بہادر عوام کو داؤ پر لگانا چاہتا ہے تو وہ جلد ہی اپنے انجام کو پہنچے گا۔ ہمارے اسی نقطۂ نظر کی وجہ سے حکومت ہماری اتنی زیادہ مخالف ہے ۔ ایسے بے شمار ملک ہیں جہاں کئی زبانیں بول جاتی ہیں ۔ ہندوستان میں اٹھارہ، سوئیٹرزلینڈ میں چار، سوویت یونین میں بیس سے زیادہ لیکن ان ملکوں کو نقصان نہیں اٹھانا پڑا۔ لیکن ہمارے حکمران نہ

تو دنیا سے کوئی سبق سیکھنا چاہتے ہیں اور نہ بنگال کے اپنے تجربے سے۔

ع۔ یہ جنرل ضیاء الحق کا ہی کمال ہے کہ اس نے اپنے عمل اور زبان کی خلیج کو کبھی چھپانے کی کوشش نہیں کی۔ جناب بھٹو نے پہلے ہی ہمیں بتا دیا تھا کہ کوپ سے ذرا پہلے جنرل کا دستور اور دستوری حکومت کے ساتھ وفاداری کا بیان خود اسی کا تیار کردہ تھا۔ جنرل نے خود سیاست میں اپنی دخل اندازی کو بے نقاب بھی کیا جب اس نے بتایا کہ مارشل لاء کے نفاذ سے قبل اس نے ریفرنڈم کیخلاف رائے دی تھی ان حقائق کی روشنی میں اس امر کی نشاندہی کوئی مشکل نہیں رہتی کہ نام نہاد قومی اتحاد کی سازش کے پس پردہ جنرلوں کا خفیہ ہاتھ تھا۔ دائیں بازو کی تمام جنگلی بلیوں کو بغیر کسی داخلی اتحاد اور مثبت پروگرام کے ایک ساتھ ہانکنا انہی خفیہ ہاتھوں کا کمال تھا جو ان کو غلاموں کی طرح استعمال کر رہے تھے۔ یہ اب پوری طرح واضح ہو چکا ہے لیکن پھر بھی حکومت ہمارے درپے ہے کیونکہ ہم ۱۹۷۵ء سے ہی قوم کو بھٹو حکومت کیخلاف سامراج نوازوں اور دائیں بازو کے گٹھ جوڑ سے خبردار کرتے آئے ہیں اور ہم نے پی این اے کو اس کے بنتے ہی بے نقاب کیا تھا۔ ہماری پارٹی نے اپنی قرارداد میں دائیں بازو سے خطرے کی خبرداری کی تھی اس قرار داد کا عنوان تھا "چہرے کی تبدیلی مسائل کا حل نہیں ہے" ہماری پارٹی کے سیکرٹری امام علی نازش نے ایک بیان جاری کیا جس میں پی این اے کو جی ایچ کیو کے بعض حصوں اور سامراجیوں کا محاذ کے طور پر بے نقاب کیا گیا تھا۔ کامریڈ نازش نے جناب بھٹو کو ایک کھلا خط ارسال کیا تھا جس میں ان سے مزدوروں، کسانوں اور دیگر جمہوری قوتوں کے ساتھ متحد ہونے پر زور دیا گیا تھا تاکہ ان سیٹھوں سے پیدا ہونے والے خطرے کا مقابلہ کیا جا سکے جو خود کو سیاست میں دخل اندازی سے روک نہیں سکے تھے۔ ہماری پارٹی اور دیگر جمہوریت پسندوں نے ڈاکٹر اعزاز نظیر اور افراسیاب خٹک کی سربراہی میں اور نیشنل پروگریسو پارٹی نے بھی پوری شدت سے پی این اے کی مخالفت کی تھی۔ کئی طلباء، مزدور، کسان اور خواتین تنظیموں نے بھی پی این اے کی مخالفت کی جس کی وجہ سے پی این اے کی غنڈہ گردی اور انتشار پسندی طاقتوں کے زیر اثر شہری علاقوں تک محدود رہی۔

ہم نے پی این اے مخالف لائن اپنے سیاسی تجزیوں کی بنیاد پر اختیار کی اور پی این اے کے پیچھے بعض سینئر جنرلوں کا خفیہ ہاتھ دریافت کیا۔ یہ صرف مارکسی سائنسی تجزیے کا ہی رہین منت تھا۔ لیکن یہ حضرات جو ذہن کا استعمال کرنے کے عادی نہیں ہیں یہ خیال کرتے ہیں کہ ہمارے جی ایچ کیو میں رابطے ہیں جو ہمیں اطلاعات بہم پہنچاتے ہیں اسی وجہ سے وہ ہم پر اتنے غضبناک ہیں اور بدلہ لینے کے لئے تلے بیٹھے ہیں۔

ع۔ پاکستان قومی اتحاد جس کی اس حکومت نے انتہائی سرپرستی کی ہے نے ہمارے ملک کو ایک خصوصی حوالے سے بھی نقصان پہنچایا جس پر ابھی بحث نہیں کی گئی۔ پی این اے کی تحریک مخصوص شہروں تک محدود تھی جب کہ بھٹو کی حمایت دیہاتوں میں موجود تھی اس طرح شہر اور دیہات میں سیاسی تناؤ پیدا کیا گیا، سرمایہ داری نظام میں دیہاتی علاقے ہمیشہ شہری علاقوں کی کالونی ہوتے ہیں شہر دیہات سے انتہائی ارزاں قیمتوں پر خام مال حاصل کرتے ہیں اور انتہائی منافعوں پر بیچتے ہیں اس طرح سرمایہ داری نظام میں شہروں اور دیہات میں رشتوں کی بنیاد دیہات کے استحصال پر ہوتی ہے۔ مزید برآں شہروں کو زندگی کی کئی سہولتوں مثلاً سڑکیں بجلی، پانی، سیوریج، گیس، تعلیم، صحت، ٹیلیفون اور ٹرانسپورٹ وغیرہ حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے دنیا بھر میں دیہی علاقوں کو مخصوص رعایتیں مثلاً کوٹا سسٹم وغیرہ دی جاتی ہیں یا تو تضادات کو شدید ہونے سے روکنے کے لئے یا غیر مساوی صورت حال کو کم کرنے کے لئے ایسا کیا جاتا ہے پی این اے کو اپنے کوپ کی تیاری کے لئے استعمال کیا اور ان میں سے بہت سوں کو وزیر بنا کر اس کی قیمت ادا کی، یہ عناصر جانتے ہیں کہ یہ کبھی بھی عوام کے ذریعے منتخب نہیں ہو سکیں گے بھٹو کو پھانسی دینے کے بعد ان کو نکال باہر کیا گیا۔

ص۔ ہمارے ملک کے بعض سینئر جنرل ہمیشہ حکومت کرنے کیلئے بے تاب رہتے ہیں لیکن تنقید برداشت کرنے کیلئے تیار نہیں ہوتے۔ پنجابی کی ایک کہاوت ہے جو شادی کرے گا وہ جہیز میں بہنوں کی گالیاں بھی پائے گا پس اگر کوئی شخص سیاست میں آتا ہے تو اس اپنے علاوہ دیگر لوگوں کے نقطہ نظر بھی سننا پڑتے ہیں۔ کھیل میں کوئی "سید" نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ خود کو بری کا تہیں کر

سکتے وہ ایسی تمام حکومتوں کو احمق گردانتے ہیں جو لوگوں کو احتجاج کی اجازت دیتی ہیں لیکن دوسرے اتنے ذہین ہیں کہ وہ شکاگو کے یوم مئی کے شہید اسپنسر زکے اس نعرے کو یاد رکھتے ہیں جو اس نے تختہ دار پر چڑھتے ہوئے لگایا تھا! حاکمو! لوگوں کو زبان سے بولنے دو ورنہ وہ ہتھیاروں کی زبان استعمال کریں گے۔"

ضیا حکومت کا متعصب رویہ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ڈپٹی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے مجھے تعلیم کا سلسلہ جاری رکھنے کی اجازت نہیں دی بزرگو اسلامی جمہوریہ پاکستان میں میرا تعلیم بند کر دیا گیا ہے اور دوسری طرف دنیا کے سوشلسٹ ممالک میں صدر خانہ فرزانگی ہے۔ صدر فیڈل کاسترو کے ۱۹۷۸ میں ہوانا طلبہ و نوجوان عالمی فیسٹیول کے افتتاحی خطاب سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں انھوں نے اپنے حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا تھا "دنیا بھر کے طالب علموں اور نوجوانوں! میں آپ کو صرف طالب علم نہیں کہہ سکتا کہ آج بھی دنیا میں ایسے بے شمار نوجوان ہیں جو طالب علم نہیں ہیں۔"

جناب صدر! میں اب مختصر طور پر مجھ پر لگائی گئی فرد جرم پر بحث کروں گا اس میں لکھا ہے کہ میرے پاس ایسا لٹریچر تھا جس سے طبقاتی منافرت پیدا ہوتی ہے، جناب! جب سے سماج طبقوں میں بٹا ہے، جب سے استحصالی اور استحصال کنندہ پیدا ہوئے ہیں یہ ایک دوسرے کے خلاف کسی نہ کسی صورت حال میں مصروف جنگ ہیں اس لئے مصنفین دانشوروں اور رہنماؤں کو کسی نہ کسی کا جانبدار ہونا پڑتا ہے۔ مجھے کچلے ہوئے لوگوں کی طرفداری کا ملزم ٹھہرایا گیا ہے۔ اگر یہ واقعی جرم ہے تو اس دور حکومت میں مجھے یقین ہے کہ قرآن کو بھی مجرم کے کٹہرے میں لایا جائے گا کیونکہ اس میں کئی موقعوں پر کہا گیا ہے کہ جب بھی پیغمبر بھیجے گئے حکمرانوں کی طرف سے ہمیشہ ان کی مخالفت کی گئی، مثال کے طور پر اسی طرح جب بھی میں نے رسول بھیجے ان شہروں کے بڑوں نے کہا ہم نے اپنے اجداد کو جس طریقے پر چلتے دیکھا ہم تو اسی پر چلیں گے،" یا جب میں نے پیغمبر بھیجے یہ حاکم گروہ ہی تھے جنہوں نے ان کی مخالفت کی۔" (سورہ صبا کی ۳۴ ویں آیت)

ہمارے ملک میں جو مزدوروں اور کسانوں کا استحصال کرتے ہیں وہی طبقاتی نفرت پھیلانے کے ذمہ دار ہیں وہ نہیں جو استحصال کی مخالفت کرتے ہیں اور ایک منصفانہ مساوی معاشی نظام کی جدوجہد کرتے ہیں۔ حکومت منافرت کی ذمہ دار ہے کیونکہ اس نے استحصال کے شکار عوام پر سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے ایما پر گولیاں چلائی ہیں۔ میں انھیں حرامی کہتا ہوں جنہوں نے لاڑکانہ، پٹ فیڈر، ملتان، چارسدہ اور نوابشاہ کے کسانوں اور مزدوروں پر تشدد کیا اور قتل عام کیا۔

نوابشاہ میں اگر ایک زمیندار قاسم عمر زمین پر جھنگل ولد عنگ کے فرضی نام سے غصب کر لیتا ہے (یہ تلخ حقیقت ہے طنز نہیں) اور جب کسان اس کی مخالفت کرتے ہیں تو انھیں میجر اور ایس پی تشدد کا نشانہ بناتے ہیں تو میں کسانوں کی طرفداری کیوں نہ کروں۔ اگر ایک سرمایہ دار چوہدری ظہور الٰہی کے دوست ہونے کی حیثیت سے مزدوروں کو بحال کرنے کی بجائے ان پر تشدد کا انتظام کرتا ہے اور بدعنوان افسر اس کا ساتھ دیتے ہیں تو میں کیسے خاموش رہ سکتا ہوں۔ میرا یہ فریضہ ہے کہ ان کی مخالفت کروں اگر چوہدری صاحب ٹنڈو ڈیگو کی بحال کردہ زمین پر غاصبانہ قبضہ غلط اندراج، فرضی ناموں اور متعلقہ افسروں کو رشوت دینے کے ذریعے کر لیتے ہیں تو میں ظاہر ہے کسانوں کی حمایت کروں گا اگر یہ طبقاتی منافرت پھیلانا ہے اور اس طرح جرم ہے تو کان کھول کر سن لیجئے کہ میں نے یہ جرم ہمیشہ کیا ہے اور ہمیشہ کروں گا جب تک میں زندہ ہوں کرتا رہوں گا اور آپ کو یہ یقین رکھنا چاہیئے کہ جب میں مر جاؤں گا تو جرم کرنے والوں کی تعداد دس گنا بڑھ جائے گی۔ وجہ صاف طور پر واضح ہے ہم لوگوں کو لوٹنا نہیں چاہیئے بلکہ ایسے لوگوں کا خاتمہ کرنا چاہیئے ہیں جو عوام کا استحصال کرتے ہیں۔

جناب صدر! یہ بھی الزام لگایا گیا ہے کہ میرے قبضے سے لٹریچر برآمد ہوا ہے جس کے بارے میں خیال کیا گیا ہے کہ اس سے مختلف صوبوں کے درمیان مخاصمت پیدا ہوگی۔ کیسا احمقانہ اور تضادات سے پُر الزام ہے ایک طرف حکومت الزام لگاتی

ہے کہ میرے پاس کمیونسٹ پارٹی آف پاکستان کا جاری کردہ لٹریچر تھا جو "دنیا بھر کے مزدور و ایک ہو جاؤ" کے نعرے پر مبنی ہے اور دوسری طرف یہ صوبوں کے مابین منافرت پھیلانے کا الزام بھی لگاتی ہے۔ یا تو حکام اتنے سادہ لوح ہیں کہ یہ بھی نہیں جانتے کہ جو شخص عوام کی یکجہتی اور اقتدار اعلیٰ پر ایمان رکھتا ہو کبھی بھی صوبوں اور اس طرح عوام کے مابین مخاصمت پیدا کرنے پر یقین نہیں رکھے گا، یا پھر حکومت یہ سمجھتی ہے اور جان بوجھ کر پاکستان کے عوام سے ٹھوس حقائق چھپانا چاہتی ہے... ایسا مضبوط ابھار موجود ہے جیسا ایران میں ہوا جو آمریت کی تمام گندگیوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے جائے گا ایک لمحاتی خاموشی ہو سکتی ہے لیکن وہ شخص انتہائی بے وقوف ہے جو یہ خیال کرتا ہے کہ اس نے عوام کو فتح کر لیا ہے۔

میں چیلنج کرتا ہوں کہ کوئی بھی شخص میرا یا میری پارٹی کا ایک جملہ بھی بتا دے جس میں بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر صوبائی منافرت کی تبلیغ کی گئی ہو، ہم محنت کش عوام سے جانبداری کیلئے وقف ہیں جو ملک کے چاروں صوبوں میں پھیلے ہوئے ہیں اور در حقیقت دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ حکمران طبقے ہم پر درہ دانیال کے پہاڑی علاقوں سے لے کر ہندستان کے ساحلوں تک ہر جگہ ظلم کرتے ہیں۔ اور ہم ایمان رکھتے ہیں کہ ملک کے عوام اپنے غصب شدہ حقوق اپنے اتحاد اور مشترکہ عمل کے ذریعے ضرور حاصل کر لیں گے۔

مجھ پر یہ الزام ہے کہ میرے پاس سے ایسے لٹریچر بھی برآمد ہوئے جن کے بارے میں خیال ہے کہ ان سے مسلح افواج کے خلاف توہین آمیزی اور نفرت پیدا ہوتی ہے اور بے اطمینانی پیدا ہو سکتی ہے لیکن یہ محض الزام تراشی اور جھوٹ کا پلندہ ہے میں ایک جنرل کی مخالفت تو کر سکتا ہوں جو سیاست میں اپنی قیمتی ناک گھسیڑتا ہے اور وہ کام نہیں کرتا جس کے لیے ہم اس کو تنخواہ دیتے ہیں۔ لیکن میں مسلح افواج کی عمومی طور پر کیسے مخالفت کر سکتا ہوں میں جانتا ہوں کہ ہماری فوج کے افراد کی اکثریت کسانوں سے تعلق رکھتی ہے۔ ایک کسان کارکن ہونے کی حیثیت سے میں اپنے بھائیوں

اور بنٹوں سے کیسے نفرت کر سکتا ہوں میں جانتا ہوں کہ تین سو فوجی جوانوں نے پاکستانی عوام پر گولی چلانے سے انکار کر دیا تھا اور انھیں اس کی قیمت بھی ادا کرنی پڑی میں جانتا ہوں اور تحسین پیش کرتا ہوں جنرل صاحبزادہ یعقوب، ایڈمرل احسن اور ائرکموڈور (غالباً) مسعود کو جنھوں نے ہمارے ملک کو توڑنے کے عمل میں فریق بننے سے انکار کر دیا میں جانتا ہوں کہ بہادر افراد ملک کیلئے اپنی جانیں قربان کرنے کیلئے ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔ میں نے کرنل صادق ملک صدر دیہی ترقی فاؤنڈیشن کی تعریف کی تھی جنہوں نے جاپان سے واپسی پر ایک پریس کانفرنس میں کہا تھا کہ جاپان اس لئے اتنا ترقی یافتہ ہے کہ اس نے غیر حاضر زمینداری کو ختم کر دیا ہے اور زمین کی حد ملکیت کو چار ایکڑ تک محدود کر دیا ہے (پاکستان ٹائمز ۱۳ جون ۱۹۷۹ء)۔

اگرچہ یہ ریمارکس ایف اے او کی منظم کردہ زرعی اصلاح و دیہی ترقی کانفرنس کی سفارشات سے مطابقت رکھتے ہیں لیکن واضح طور پر موجودہ حکمراں ٹولے کی اپنائی ہوئی پالیسیوں سے متضاد ہیں مجھے امید کرنے دیجئے کہ ان الفاظ سے ان کے مستقبل کو نقصان نہیں پہنچے گا اگر حکومت زمینیں کسانوں کو تقسیم کر دے تو ہر کسان یہ سمجھے گا کہ اگر ملک کو نقصان پہنچا تو اس کی زمینیں بھی چھن جائیں گی بھٹو نے محض پانچ فی صد زمینیں تقسیم کیں اور وہ پہلے سے کہیں زیادہ مضبوط ہیں اگر انہوں نے تمام زمینیں تقسیم کی ہوتیں تو جنرل ضیاء الحق کو کو ہ کرنے کی قطعی جرأت نہ ہوتی۔ جہاں کہیں حکومتوں نے زمین کسانوں کو دی ہیں وہ ملک دفعتاً انتہائی مضبوط ہوگیا ہے۔ میں سوویت یونین کا پہلے ہی ذکر کر چکا ہوں اس لئے مزید نہیں کہوں گا اور چونکہ افغان حکومت نے کسانوں میں زمینیں تقسیم کر دی ہیں تو سٹرفیلڈ جیسے جرم خاں امریکی سامراج کی چھتری کے باوجود اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ جنرل گریسی کا اردلی اور برطانوی فوج کا وفادار خادم جس نے ذوالفقار علی بھٹو کی دستوری حکومت کا تختہ الٹا اور جو واضح طور پر اعلان کرتا ہے کہ اقتدار ہمیشہ کمانڈر انچیف کے پاس رہے گا چاہے کوئی پسند کرے یا نہیں جو بذات خود اس بات کا اعلان ہے کہ

وہ اور اس کے جانشین ہمیشہ غاصب ہوں گے، مجھ پر فوج کی توہین کا الزام عائد کرتا ہے اسے کہتے ہیں الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ ہماری فوج دیگر تمام فوجوں کی طرح ایک ادارے کی حیثیت سے آسمان سے نہیں اتری ہے۔ میں جانتا ہوں کہ جہاں ریاست ہوتی ہے وہاں فوج بھی ہوتی ہے۔ افراد کی حیثیت سے ہمارے سپاہی اچھے یا خراب ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ بھی اسی سماج سے تعلق رکھتے ہیں میں نے جس کی مخالفت کی ہے وہ سیاست میں بعض سینیئروں کا کردار ہے میں محسوس کرتا ہوں کہ ایسا کردار ادا کر کے یہ سینیئر حضرات فوج، ملک اور جوانوں کو بھی بدنام کر رہے ہیں۔ یہ ہمارے جیالوں اور ملک دونوں کی بدقسمتی ہے کہ چند سال پہلے کسی فوجی کو گلی میں دیکھ کر "ڈھول سپاہی" کہنے والے پاکستانی عوام یہ محسوس کر کے افسوس کرتے ہیں کہ پاکستان کی مقدس سرزمین کی حفاظت کا عہد کرنے والے جوانوں کو سامراج اور حکمران طبقوں کے مفاد کیلئے استعمال کیا جا رہا ہے۔

یہ عمل اب بند کیا جانا چاہیئے صرف اسی طریقے سے جوانوں کا احترام اور وقار بحال کیا جا سکتا ہے۔ مارشل لاء ریگولیشن ۱۰۸ جو ہر مرض کی دوا کے لئے استعمال کیا جاتا ہے کے تحت مجھ پر الزام عائد کیا گیا ہے کہ میرے پاس نظریہ پاکستان کے مخالف مواد برآمد ہوا ہے۔

نظریہ پاکستان کا یہ مجہول نعرہ بعض خاص خاص وجوہات کی بنیاد پر گھڑا گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں ان وجوہات پر بحث کروں میں یہ واضح کر دوں کہ چونکہ یہ نعرہ یحییٰ خان کے دور میں منظر عام پر آیا اس طرح قائداعظم اور لیاقت علی بھی اس سے ناواقف تھے اقتدار کو برقرار رکھنے کیلئے غاصب ہمیشہ مبہم نعرے گھڑتے ہیں اور اس لئے بھی تاکہ وہ ملک اور قوم کے نام پر محدود اقلیت کی خدمت کر سکیں۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ جب ایک حکمران گروہ خاص طور پر ایک جنرل جب ملک کا دفاع کرنے کا اہل نہیں رہتا تو وہ مجہول نعرے گھڑتے ہیں تاکہ اپنے مذموم عزائم اور شکست کی پردہ پوشی کر سکیں پاکستان کو دو ٹکڑے کرنے پر مضبوطی سے عمل پیرا یحییٰ حکومت نے چلانا شروع کر دیا کہ اسے نظریاتی سرحدوں کے بارے میں بڑی تشویش ہے تاکہ اس ساری نعرے بازی میں لوگ یہ بھول جائیں کہ

اس غریب ملک کی جغرافیائی سرحدیں بھی ہیں جن کی حفاظت کی جانی چاہیئے۔ یحییٰ لوٹے نے اس نعرے کو گھڑا اور ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اب یہ حکومت بھی اس نعرے پر زور دے رہی ہے اس لئے مجھے اس حکومت کے ہماری جغرافیائی سرحدوں کے بارے میں ارادوں پر تشویش ہو رہی ہے۔

یہ حکومت اسلام کے بارے میں بہت باتیں کرتی ہے لیکن اس حقیقت سے ناواقف ہے کہ قرآن پاک میں لفظ "قوم" تین سو تین بار آیا ہے لیکن ایک بار بھی اس انداز میں استعمال نہیں ہوا جس انداز میں یہ حکومت کرتی ہے۔ کبھی یہ لفظ لوگوں کے گروہ کے لئے استعمال ہوا ہے، لیکن قوم لوگوں کا ایک ایسا گروہ ہے جو ایک جغرافیائی علاقے میں رہتے ہیں۔ کبھی ایک زبان بولنے والوں کو بھائی یا قوم کہا گیا ہے یا پیغمبروں کی قوم کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جیساکہ "میں نے ہر قوم کی زبان ہی میں پیغمبر بھیجے تاکہ وہ انھیں صاف طور پر سمجھا سکیں" (ابراہیم ۴ آیت) تمھاری قوم تمھیں جھٹلانا چاہتی ہے، سچ تو یہ ہے ان کو بتاؤ کہ تم جھوٹے نہیں ہو" (انعام ۶۶ ویں آیت) "اگر تم دشمن قوم کے مسلمان کو قتل کرتے ہو تو کفارے کے طور پر ایک مسلمان غلام کو آزاد کرو، (نساء ۹۲ ویں آیت) "اور اس کی قوم نے اس سے جھگڑنا شروع کر دیا" "اے میری قوم میں تمہاری گمراہی پر شرمندہ ہوں (انعام ۸۰ ویں آیت)" کیا تم نہیں جانتے کہ میں نے ابراہیم کی قوم کو تباہ کر دیا"۔ ..."موسیٰ کی قوم کے کچھ لوگ ایمان لے آئے" (اعتراف ۱۴۸ ویں آیت) ... "وہ جو اس کی قوم کے گمراہ سربراہ تھے کہنے لگے تم ہمارے جیسے ہی تو ہو" (ہود ۲۷ ویں آیت) ..."اس نے کہا اے میری قوم میں راستی پر ہوں اور خدا کا بھیجا ہوا ہوں، تم اندھے ہو" (ہود ۲۸ ویں آیت) ..."اور فرشتہ نوح کے پاس آیا (اور کہا) تمہاری قوم میں سے کوئی اور مسلمان نہیں ہوگا" (ہود ۳۶ ویں آیت) "اس کی قوم کے بڑوں نے کہا کہ تم جھوٹے اور احمق ہو" (اعراف ۶۶ ویں آیت) ..."اور جب اس نے اپنی قوم کو بتایا کہ تم ایسی بدکاری کرتے ہو جو کوئی نہیں کرتا" (اعراف ۸۰ ویں آیت) ... اس کی قوم کے کئی بڑوں نے کہا کہ ہم قسم کھاتے ہیں تمہیں اور تمہارے پیروکاروں کو ختم کر دیں گے یا پھر ہمارے مذہب

ین واپس آجاؤ" (اعراف ۸۴ ویں آیت) ... "اے میری قوم! تمہیں میری مخالفت کے صلے میں بربادی کا سامنا ہوگا جیساکہ نوح کی قوم کو، ہود کی قوم کو، صالح کی قوم اور لوط کی قوم کو ہوا" (ہود ۸۹ ویں آیت)... "پیغمبر نے فریاد کی اے میرے خدا میری قوم اس قرآن کو رد کرتی ہے" (فرقان ۳۰ ویں آیت)... اور بے شمار مثالیں بھی درج کی جاسکتی ہیں جہاں تک ایک مذہب کے ماننے والوں کا تعلق ہے ان کو "امت" کہا گیا ہے نہ کہ قوم جیساکہ یہ احمق چلاتے ہیں۔ بعض اوقات حکومت غیر ملکی نظریوں کیخلاف بکواس شروع کرتی ہے اور اس حقیقت کو بھول جاتی ہے کہ اسلام بھی مقامی مذہب نہیں ہے کسی بھی جگہ حاصل ہونیوالا انسانی علم پوری انسانیت کی میراث ہے۔

قائداعظم نے یہ بات واضح کردی تھی کہ پاکستان "ملائیت" کی ریاست نہیں ہوگی انہوں نے ہندستانی مسلمانوں سے اپیل کی تھی کہ وہ ہندستان ہی میں رہیں اور اس ملک کے وفادار شہری رہیں مجھے افسوس ہے کہ میں متعلقہ کتابوں کا حوالہ نہیں دے سکوں گا کیونکہ مجھے کتابوں اور رسائل کے حصول کی اجازت نہیں دی گئی علاوہ ازیں دستور ساز اسمبلی میں تقریر کے دوران قائداعظم نے کہا "تم آزاد ہو، تم کو اپنے مندروں، گرجاؤں مسجدوں یا دیگر معبدوں میں جانے کی آزادی ہے۔ کچھ عرصہ بعد ہندو ہندو نہیں رہے گا مسلم مسلم نہیں رہے گا مذہبی معنوں میں نہیں بلکہ سیاسی معنوں میں۔ ہم سب پاکستانی ہیں اور اس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ پاکستان پاکستانی جغرافیہ کے مساوی ہے جہاں تک عقیدے کا تعلق ہے یہ حکومت کا دھندہ نہیں ہے کہ کوئی شخص اہلحدیث بنتا ہے یا ہندو، عیسائی، سنی شیعہ وغیرہ رہتا ہے قائداعظم نے یہ بھی کہا کہ پاکستان میں اسلامی سوشلزم ہوگا جس سے حکومت دور بھاگتی ہے۔"

لیکن بہر حال ہماری معیشت یا نظام کیا ہو اس کا فیصلہ پاکستان کی عوام کرے گی کوئی . . . . نہیں کرے گا۔

تاریک اذیت گاہوں میں مجھ پر نام نہاد خصوصی ماہرین نے جو خود کو وسیع علم کا حامل گردانتے تھے، سوشلزم پر معتوب کیا۔ ایک صاحب کراچی کے اذیت گاہ میں آیا۔ جہاں مجھ

پر تشدد ہو رہا تھا۔ وہ آیا اور اس نے مجھے اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔ تبلیغ کے لئے کیا مناسب وقت اور مقام کا انتخاب کیا گیا ہے۔ اس نے کہا "تم سوشلزم کے لئے کام کیوں کرتے ہو، جب کہ اسلام ہر شخص پر یہ فریضہ عائد کرتا ہے کہ وہ اپنی دولت کا چالیس فی صد تقسیم کر دے" میں نے اسے بتایا کہ "چالیس فی صد نہیں بلکہ چالیسواں حصہ جو ۲½ فی صد ہوتا ہے۔" اس کا اصرار تھا کہ زکواۃ ۴۰ فی صد ہے اور کہا اگر ایسا ہی ہے تب بھی ساری جائیداد چالیس سال میں ختم ہو جائے گی وہ بے چارہ یہ بھی نہیں جانتا کہ سالانہ کٹوتی سے کوئی فرق نہیں پڑے گا کہ حکومت کی بچت اسکیمیں بھی ۱۰ فی صد سے زائد سود دیتی ہیں۔"

حکومت کو اتنا ایماندار تو ہونا ہی چاہیئے کہ لوگوں کو صاف صاف بتا سکے کہ یہ چونکہ اجارہ دار سرمایہ، بڑی جاگیرداری، سامراجی آقاؤں اور بعض سینٹروں کے مفاد میں اقتدار برقرار رکھنا چاہتی ہے اس لئے وہ میرے جیسے افراد کو برداشت نہیں کرے گی جو سوشلزم، عوام اور قومیتوں کے حقوق کے لئے جدوجہد کرتے ہیں۔ آخر کیوں مبہم الزامات اور فرسودہ مقدمے قائم کرتی ہے یہ مقدمہ نیم خفیہ ہے کیونکہ فرد جرم خفیہ ہے۔ اس معزز عدالت کو بیرکوں میں لگایا گیا ہے جبکہ عام صورت میں اسے ڈسٹرکٹ کونسل ہال میں ہونا چاہیئے تھا۔ آرمی ایکٹ کے تحت دیگر الزامات کو بھی اس لئے ملتوی رکھا گیا ہے کہ جب مزید کچھ سیاسی کارکن گرفتار ہو جائیں تو ان کے نام بھی میرے نام کے ساتھ شامل کئے جائیں اور کڑی سزائیں سنا دی جائیں۔

حکومت نے ان دستاویزات کو خاص طور پر "چار نکاتی پروگرام" کو اس خاص طریقے اور انداز سے حتیٰ کہ لاہور ہائی کورٹ میں پیش کیا اور ایسا تاثر دیا جیسے انھوں نے میرے تھیلے سے ہائیڈروجن برآمد کر لیا ہو۔ میں نے فوج میں کوئی سیل قائم نہیں کیا جیسا کہ مجھ پر الزام ہے لیکن اب میں زور دے کر کہتا ہوں کہ اگر فوج کو سیاست میں مسلسل استعمال کیا جاتا رہا تو فطری طور پر آج نہیں تو کل یہاں سے بھی ایسے افراد ابھریں گے جو چند جاگیرداروں، سرمایہ داروں، کچھ سینٹروں اور ان کے سامراجی آقاؤں کے لئے استعمال ہونے سے انکار کر دیں

گے تب یہ حکومت مجھے اوران افراد پر نظریہ پاکستان کے سایہ تلے پھانسی دینے کی کوشش کریگی۔

حضرات! ملک، عوام، جغرافیہ، تاریخ اور بعض دیگر عناصر کا مجموعہ ہے جب کہ ہر پارٹی کی اپنی آئیڈیالوجی ہوتی ہے۔ اس ٹولے کی آئیڈیالوجی کوڑے، ہاتھ کاٹنا، پھانسی تشدد، اجارہ دار سرمایہ داروں کی غیر قومیانے کے ذریعے خدمت اور جاگیرداری کی رعائتیں دے کر اور کسانوں کو قتل کر کے خدمت اور سامراجیوں کی معاہدوں اور افغانستان میں مداخلت کرکے خدمت کرنا ہے مگر نظریہ یعنی میرا نظریہ پاکستان سائنسی سوشلزم ہے بنیادی زرعی اصلاحات ہیں۔ بنیادی صنعتوں اور سامراجی سرمائے کو قومیانا ہے، امریکہ سے ۵۹ء کا دوطرفہ معاہدہ توڑنا ہے اور چھوٹی قومیتوں کے حقوق ہیں۔

جناب کمیونسٹ پارٹی آف پاکستان عالمی مزدور تحریک کا ایک دستہ ہے ہماری پالیسیاں عالمی تحریک کی پالیسیوں جن کا اظہار ۸۱ پارٹیوں کے پروگراموں سے ہوتا ہے سے جڑی ہوئی ہیں۔ یہ ہماری سوچی سمجھی رائے ہے کہ دنیا بھر کے تمام ملکوں کو عمومی طور پر اور ہمارے خطے کے ملکوں کو خصوصی طور پر خوش ہمسائیگی کے تعلقات استوار کرنے چاہئیں تاکہ ایشیائی ملکوں کا اتحاد اس قابل ہوسکے کہ عالمی سامراج کے شکنجوں کو توڑ سکے اس پالیسی کو حال میں ایشیائی سیکورٹی کا نظام کہا جاتا ہے۔ یہ پالیسی جس پر ہم خلوص دل سے عمل پیرا ہیں ریاستوں کو توڑنے حتیٰ کہ ریاستوں کی جغرافیائی سرحدوں کی تبدیلی کی بھی مخالفت کرتی ہے کیونکہ اس سے ہمارے خطے کی سامراج دشمن ریاستوں کا اتحاد کمزور پڑتا ہے۔ ہماری پارٹی پاکستان کے اقتدار اعلیٰ اور یکجہتی کی بھرپور مداخلت کرتی ہے کسی مضحکہ خیز امر کے خوف سے نہیں بلکہ اپنے نظریہ کی وجہ سے اس کا ثبوت ہماری پارٹی کے بیانات اور ہمارے سیکرٹری جنرل کامریڈ امام علی نازش کے بیانات سے بھی مل جاتا ہے۔

اس کا ذکر دلچسپی کا باعث ہوگا کہ حکومت نے ہمارے چار نکاتی پروگرام سے استفادہ کیا ہے اور مشاورتی کونسلوں کا خیال اسی سے اخذ کیا گیا ہے اگرچہ اس کو اخذ کرنے میں اتنا مسخ کیا گیا ہے کہ اس سے مجھے ایک گھوڑے کا سودا یاد آگیا جو بہت سستا بک رہا تھا

فرض کر لیجئے پانچ روپے میں اس کی چاروں ٹانگیں، آنکھیں، کان وغیرہ بہت ٹھیک حالت میں تھے لیکن صرف جان نہیں تھی اسی طرح چار نکات کا خیال تو بہت عمدہ ہے لیکن کسانوں، مزدوروں، خواتین، طلباء، صحافیوں، وکلاء، چیمبر آف کامرس اینڈ انڈسٹری اور تمام جماعت کی حقیقی نمائندگی اور اختیارات کی تفویض کئے بغیر، یہ مردہ گھوڑے کی طرح ہے تاہم بجائے شکریہ ادا کرنے کے حکومت ہمیں مجرم ٹھہراتی ہے۔

پارٹی کے چار نکاتی پروگرام کے بارے میں کچھ الفاظ نامناسب نہ ہوں گے جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ میری پارٹی نے دیگر جمہوریت پسندوں اور ترقی پسندوں نے پی این اے اور اس کے لائے ہوئے کوپ کی مخالفت کی تھی۔ ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کے واقعات کے بعد ہم نے تجزیہ کیا کہ حکمران طبقے اتنے الگ تھلگ ہو چکے ہیں کہ اب وہ نمائندہ حکومت کے قیام کے لئے عام انتخابات بھی نہیں کرا سکتے۔ اس لئے ہمارے ملک میں پہلے نمائندہ حکومت ہونی چاہیئے جو ایک قانونی حکومت کے قیام کے لئے عام انتخابات کرائے۔ جمہوری عمل کو الٹنا پولیس ریاستوں میں ناگزیر ہو جاتا ہے جہاں عوام کو سیاسی جماعتوں میں منظم ہونے نہیں دیا جاتا جس کی ایک مثال ایران ہے جہاں شاہ کو بھگا کر حکومت پہلے قائم ہوئی اور انتخابات کا جمہوری عمل بعد میں اپنایا گیا۔

گذشتہ دو سال کے واقعات نے ہماری فکر کی صداقت ثابت کر دی ہے حال ہی میں حکومت نے مستقبل کی جمہوری لہر کو روکنے کے لئے عدالتوں سے مزید اختیارات چھین لئے ہیں لیکن عوام کی بے چینی پہلے ہی عوامی تحریک میں تبدیل ہونا شروع ہو گئی ہے۔ تمام جمہوری، محب وطن محنت کش عوام اپنے مطالبات کے حصول کی جدوجہد میں سرگرم ہو رہے ہیں اور ان کی صفوں میں اتحاد بڑھ رہا ہے۔ عدالت کو نوشتہ دیوار پڑھ لینا چاہیئے۔

کتنی معصومیت ہے اس گواہی میں کہ پولیس خفیہ ڈیوٹی پر تھی۔ اس نے اچانک کسی مخبر سے اطلاع پائی۔ اس لئے وہ آئے مجھے للکارا اور انہیں بعد میں پتہ چلا کہ میں کون ہوں! شاندار! کیا معصومانہ کہانی ہے! کیا اس سے کسی کو تکلیف ہوتی ہے کہ وہ سچ بولے اور بتائے کہ ہفتوں میرا

تعاقب کیا گیا۔ کرسی کی موجودگی اور فوجی گاڑیاں یہ سب کیا تھا یا انہوں نے عادتاً کہانی گھڑلی ہے۔

اب کچھ مخبر نامے کے بارے میں، جو میں پہلے ہی بتا چکا ہوں موقع پر تیار نہیں کیا گیا تھا جیسا کہ پولیس کے گواہ نے کہا یہ کہیں اور تیار ہوا اور بڑے غور وفکر کے بعد تیار ہوا۔ میرے پاس سرخ پرچم دسمبر ۸۰ء کی سندھی اور اردو کی دو کاپیاں تھیں۔ میرے پاس "ہلچل" کی ایک کاپی تھی جو میں بھی ہزاروں دیگر افراد کی طرح جب بھی، جہاں سے مل جائے پڑھتا ہوں۔ جہاں بھی سنسرشپ اور گھٹن ہو ایسے اخبارات شائع ہوتے ہیں اور لوگ خبروں اور تبصروں کے لئے انہیں بڑے ذوق وشوق سے پڑھتے ہیں۔

میرے پاس اکتوبر اور نومبر ۷۸ء کے دو نیو ٹائمز بھی تھے اور ایک کتاب "جدلیاتی مادیت کیا ہے" بھی تھی۔ یہ سب بازار میں دستیاب ہیں۔ لیکن حکام نے ان میں خود سے تین پمفلٹوں کا اضافہ کر دیا جو جارحانہ پروگرام "پھٹکول جو حقدار کون" اور ضمیمہ سرخ پرچم تھے "پھٹکول جو حقدار کون" ۱۹۷۷ء میں، چار نکاتی پروگرام یکم مئی ۱۹۷۸ء کو اور ضمیمہ سرخ پرچم اکتوبر ۱۹۷۸ء میں شائع ہوئے تھے اس لئے انہیں اتنے ماہ بعد اٹھائے پھرنے کا کوئی جواز نہ تھا یہ الزام لگانا زیادہ مناسب ہوتا کہ یہ پمفلٹ کمیونسٹ پارٹی آف پاکستان نے شائع کئے ہیں اور مجھ میں یقین کی اتنی جرأت ہے کہ میں خود کمیونسٹ مانتا ہوں اس لئے مجھے ان کا ذمہ دار ٹھہرایا جا سکتا تھا۔

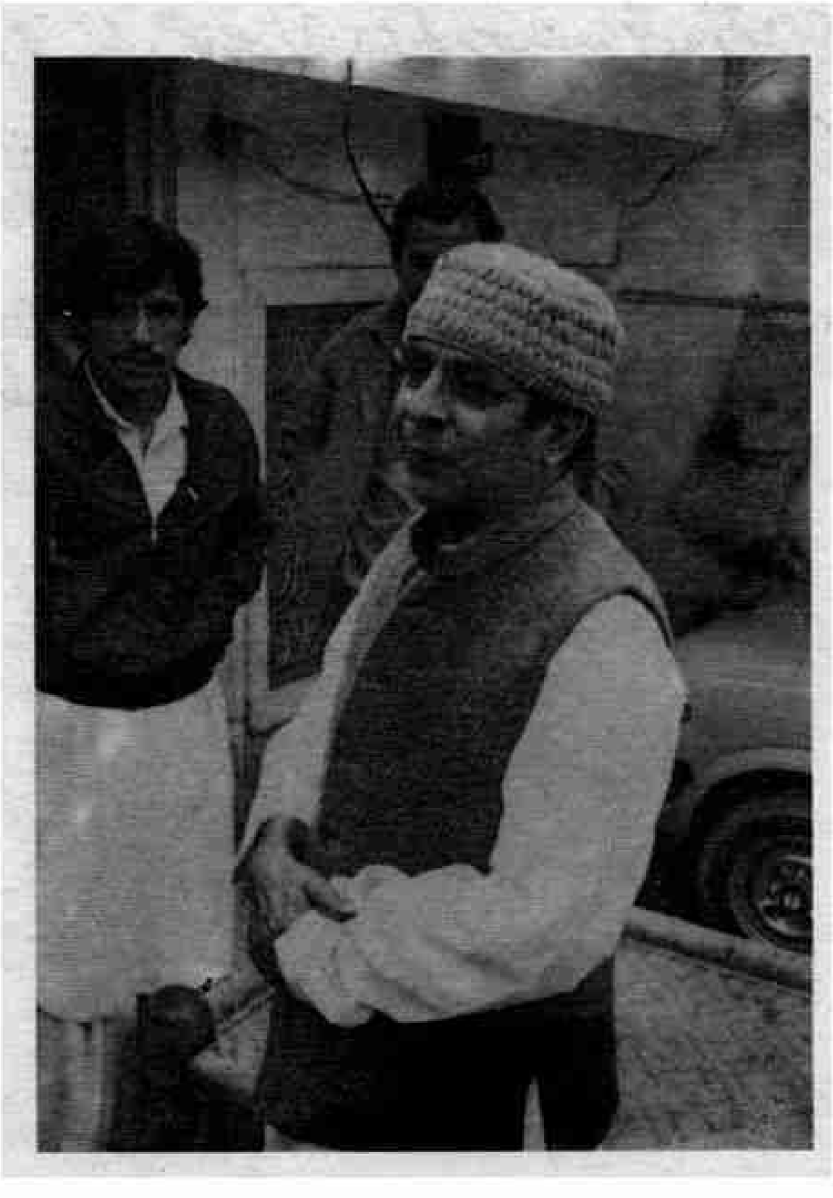
میرے پاس "عوامی جمہوریت" نامی ہفت روزہ کا بھی ایک شمارہ تھا، یہ خوب ہے کہ ڈیکلریشن سے شائع ہونے والا اخبار جب میرے ہاتھ میں آتا ہے تو وہ بھی قابل اعتراض بن جاتا ہے۔

تاہم ان اخبارات، کتب، رسائل اور پمفلٹوں میں سے کوئی بھی خلاف قانون قرار نہیں دیا گیا ہے اس لئے ان کو پاس رکھنا حتیٰ کہ اگر وہ تین پمفلٹ بھی میرے پاس ہوتے کوئی جرم نہیں ہے حضرات بدقسمتی سے ہمارے ملک میں دو طرح کے لغات کا رواج ہو گیا ہے مثال کے طور پر میں ایک اذیت گاہ میں اس لئے معتوب رہا کہ میں نے ۱۹۷۰ء میں سندھ یونیورسٹی میں ایک تقریر کے دوران مطالبہ کیا تھا کہ فوج کو تمام صوبوں سے بھرتی کیا جائے۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ شرپسندی ہے اور تب بھی جب مجھ سے صحافیوں کی تحریک کے بارے میں پوچھا گیا کیمپ وہی تھا جہاں صحافیوں پر تشدد،

کیا گیا تھا) تو میں نے کہا کہ اگر حکومت اتنی عقلمند ہے کہ ان کے مطالبات تسلیم کرلے۔ تو یہ سب گڑبڑ اور کوڑے لگانے سے پہلے کر لیا جاتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔ مجھے بتایا گیا کہ میرا یہ تبصرہ بھی شرپسندی کے ذیل میں آتا ہے غالباً اسی وجہ سے لوگ شرپسندی کا مطلب عقلمندی سے لینے لگے ہیں

اسی لئے میں امید کرتا ہوں کہ میرے بیان کو حکومت کی نئی مذموم لغت کی روشنی میں نہیں پڑھا جائے گا بلکہ اسے سیاسی طور پر سمجھا جائے گا۔ آخر میں مجھے یہ کہنا ہے کہ ہمارے ملک کی اعلیٰ عدالتیں بھی تاریخ کے برعکس فیصلے کرتی رہی ہیں کچھ برسوں کے بعد انھیں یہ موقعہ مل جاتا ہے کہ اسمٰ جیلانی کیس ڈوسا کیس، یا مولوی تمیز الدین کیس وغیرہ یاد ہیں لیکن اس عدالت کو اس کا موقع پھر کبھی نہیں ملے گا کہ اپنے فیصلوں کو تاریخ سے ہم آہنگ کر سکے۔

اس لئے، جناب صدر اور اراکین عدالت! یہ آپ کا پہلا اور آخری موقعہ ہے جو تاریخ میں یاد رکھا جائے گا۔ (یہ بیان عدالت میں جون ۱۹۸۰ء کے پہلے ہفتہ میں دیا گیا۔



پروفیسر جمال نقوی

نام جمال نقوی

ولد نہال الدین

جائے پیدائش ، الہ آباد

تعلیم ؛ ابتدائی تعلیم الہ آباد سے حاصل کی میٹرک ۱۹۴۶ء اور انٹر ۱۹۴۹ء میں الہ آباد سے کیا۔ اسی سال پاکستان آئے اسلامیہ کالج کراچی سے بی اے آنرز کی ڈگری حاصل کی

مختصر حالاتِ زندگی اور سیاسی پس منظر

۱۹۴۹ء سے ڈی ایس ایف میں کام کیا۔ ۵۳-۱۹۵۲ء میں کالج کے نمائندہ مقرر ہوئے۔ آئی سی جی کے نمائندے ہوئے ۵۳-۱۹۵۲ء کی جدوجہد میں شریک ہوئے ۵۴-۱۹۵۳ء میں یونین کے وائس پریذیڈنٹ مقرر ہوئے۔ پریذیڈنٹ پرنسپل خود ہوتے تھے۔ ۶ جون ۱۹۵۴ء میں کمیونسٹ پارٹی پر پابندی کے باعث نظر بند ہوئے جون ۱۹۵۵ء میں رہا ہوئے۔ ۲ جولائی ۱۹۵۵ء سے جامعہ ملیہ سٹی کالج حیدرآباد میں استاد مقرر ہوئے ۶۱-۱۹۶۰ء میں طلبہ تحریک کے دوران ورثہ اور انقلاب کے نام سے کتابچہ لکھا پھر اردو کالج کراچی میں مقرر ہو گئے۔

۱۹۷۲ء میں نیشنل عوامی پارٹی میں شامل ہوئے اور مرکزی کمیٹی کے ممبر رہے۔ بزنجو حکومت کے خاتمے پہ ۱۹۷۳ء میں گرفتار ہوئے۔ پھر ۳۰ جولائی ۱۹۸۰ء میں نذیر عباسی کے ساتھ دوبارہ گرفتار ہوئے۔ ملٹری کورٹ میں کیس چلا۔ ۱ ستمبر ۱۹۸۲ء فالج کا حملہ ہوا جس کی بنا پر کیس مکمل نہ ہو سکا۔ ۱۹۸۶ء مارچ میں ضمانت ہوئی۔ قید سے پہلے بھی مختلف مضامین لکھتے رہے۔ قید کے دوران بھی بہت کچھ لکھا۔ جس میں ایک تفصیلی سیاسی مضمون پاکستان پس منظر اور مستقبل بھی شامل ہے۔ جو ملک کے اندر اور باہر کی سیاست کے بارے میں ہے ایک اور کتابچہ پاکستان جدید نوآبادیاتی ریاست لکھا آپ کا مقدمہ اب تک سیشن کورٹ میں چل رہا ہے۔

پروفیسر جمال الدین نقوی کا عدالت میں پیش کردہ مجوزہ بیان اشاریہ

جمال الدین نقوی عمر پچاس سال کو ملٹری انٹیلی جنس نے ۳۰ جولائی ۸۰ء کو نذیر عباسی کے ہمراہ گرفتار کیا تھا۔ گرفتاری کے فوراً بعد انہیں ایک ماہ تک ایک خفیہ سیل میں رکھا گیا جہاں ملٹری انٹیلی جنس ان سے پوچھ گچھ کرتی رہی۔

نذیر عباسی ۸ اگست ۸۰ء کو دوران تفتیش ملٹری انٹیلی جنس کے تشدد کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔

بعد ازاں پروفیسر جمال نقوی لانڈھی جیل لائے گئے۔ جہاں انہیں آٹھ ماہ تک قید تنہائی کے اذیت ناک ذہنی کرب میں مبتلا رکھا گیا۔ آخر کار ایک سال سے زیادہ عرصے کی طویل اور پراسرار خاموشی کے بعد پروفیسر جمال نقوی پر خصوصی فوجی عدالت نمبر ۵ میں مقدمے کا آغاز ہوا۔ اس مقدمے میں جام ساقی، امر لال، سہیل سانگی کمال وارثی، شبیر شر اور بدر ابڑو کو بھی شامل کر لیا گیا۔

ستمبر ۸۲ء میں پروفیسر جمال نقوی پر فالج کا شدید حملہ ہوا جس میں دماغ کے بری طرح متاثر ہو جانے کے پیش نظر انہیں ہسپتال منتقل کر دیا گیا۔ لہذا عدالت نے ۲۰ نومبر ۸۲ء کو ایک حکمنامے کے ذریعے انہیں عبوری طور پر مقدمے سے خارج کر دیا۔

اس مقدمے کے حوالے سے پروفیسر جمال نقوی نے ۲۰ جولائی ۸۲ء کو جو عدالتی بیان قلمبند کروایا تھا۔ اس کا مکمل متن ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔

پروفیسر جمال نقوی

"صدر اور ممبران خصوصی فوجی عدالت"

میں اپنے لئے مخصوص آئیڈیلز اور نظریات رکھتا ہوں۔ میرا تعلق تعلیمی شعبے سے ہے اور میں نے برسوں نوجوان طالب علموں کو انگریزی ادب کی تعلیم دی ہے۔ میں بریخت کے اس خیال سے بھرپور اتفاق کرتا ہوں۔

"دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے صرف یہی کافی نہیں ہے کہ ہم نیک رہے ہیں۔ بلکہ ہمیں یقین ہونا چاہیئے کہ ہم ایک بہتر اور زیادہ خوبصورت دنیا دے کر جا رہے ہیں"

عوام کی سیاست :۔ مجھے عوام کی سیاست میں حصّہ لینے کے جرم میں اس مقدمے کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ اور آپ اس مقدمے کی حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں۔ میرے خلاف چارج شیٹ میں لگائے گئے تمام الزامات جھوٹے ثابت ہو چکے ہیں۔ اور کچھ بھی ثابت نہیں کیا جا سکا۔ یہاں تک کہ تمام شہادتیں مجھے بری الذمہ قرار دے رہی ہیں۔

استغاثہ کے نزدیک میرا جرم صرف یہ ہے کہ میں ان لوگوں کے ساتھ بیٹھا ہوا پایا گیا ہوں۔ جن کے معصوم دل ملک کے کروڑوں مظلوم لوگوں کی محبت سے بھرے ہوئے ہیں۔ آپ اسے سیاست کہہ سکتے ہیں۔ لیکن کیا یہ سیاست نہیں ہے کہ لوگوں کو ان کے نظریات کی بنیاد پر گرفتار کر لیا جائے۔ اس عدالت میں یہ مقدمہ سیاسی

مقدمے کے ذیل میں پیش کیا گیا ہے اور یقیناً آپ کے حاکم اس مقدمے کا فیصلہ بھی سیاسی ضابطوں کے دائرے میں رہ کر سنائیں گے۔ آپ جانتے ہیں کہ اس مقدمے اور اِس عدالت کی نام نہاد قانونی حیثیت کا پول اس وقت بھی کھل گیا تھا جب ہماری اس مشترکہ درخواست کو مسترد کر دیا گیا تھا جس میں ہم نے نذیر عباسی شہید کے قاتلوں کے خلاف مقدمہ چلانے، اس عدالت کو کھلی عدالت قرار دینے اور اس مقدمے کی پنسل سے لکھی ہوئی کارروائی کے ضائع کر دیئے جانے کے خطرے کی روک تھام کے لئے تمام شہادتوں کی تصدیق شدہ نقول کی فراہمی کا مطالبہ کیا تھا۔ ہماری درخواست کی نامنظوری سے یہ بات صاف طور پر سامنے آجاتی ہے کہ آپ کے افسرانِ بالا اپنی سیاست کو ننگا ہوتے نہیں دیکھ سکتے۔

ہم اور آپ تاریخ کے اس فیصلے سے آگاہ ہیں۔ کہ وہ تمام لوگ جو ناانصافی اور تشدد کی سیاست کا ساتھ دیتے ہیں۔ وہ ظالموں اور جابروں کی صف میں شامل ہیں اور ہم بغیر کسی جرم کے ظلم کا شکار ہیں۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ میں اپنے ملک کے مظلوم اور ستم رسیدہ عوام کی سیاست کو کس طرح دیکھتا ہوں۔

1 عوام دشمن طبقات کی حکومت

جنرل ضیاء الحق نے خود اپنے ہی ملک کو اندھی طاقت کے بل بوتے پر فتح کر رکھا ہے۔ موجودہ حکومت کوئی ایسا اخلاقی جواز نہیں رکھتی کہ جس کی وجہ سے وہ عوام سے رضاکارانہ فرماں برداری کی توقع رکھ سکے۔ البتہ عوام کا اس اندھی طاقت کیخلاف اٹھ کھڑا ہونا ایک فطری بات ہے۔ موجودہ مارشل لاء کا بنیادی مقصد ملک میں سامراجی تسلط کو قائم کرنا اور عوام دشمن طبقات کے مورچوں کو مضبوط کرنا ہے۔

دراصل اب پاکستان کے مٹھی بھر جاگیرداروں اور گماشتہ سرمایہ داروں کے لئے ملک پر اپنا تسلط قائم رکھنا اس وقت تک ممکن نہیں رہا جب تک کہ اُن کی

پشت پر امریکی سامراج اور کثیر القومی کمپنیوں کا مضبوط ہاتھ نہ ہو۔ ایسی صورتحال میں حکمران طبقات کا عوام سے خوف زدہ ہو جانا ایک قدرتی بات ہے۔

سماجی تبدیلی ناگزیر ہے

پاکستان سماجی تبدیلی کے دہانے پر کھڑا ہے۔ ملک ابتدا ہی سے جن حکمران طبقات کے تسلط میں رہا ہے۔ ان کی غلط کاریاں اب خود انہیں تاریخ کی ردی کی ٹوکری میں ڈال دینے کو تیار ہیں۔ عوام کے خون میں لتھڑے ہوئے ان کے دانت اور پنجے انکی فریب کاریوں کا پردہ چاک کئے دیتے ہیں۔ محنت کشوں، جمہوریت پسندوں اور محب وطن عوام کے ہاتھوں شکست ان کا مقدر بن چکی ہے۔

کمیونسٹوں اور محب وطن لوگوں کے خلاف قائم کیا جانے والا یہ مقدمہ ایک آخری حربہ ہے۔ جس میں تشدد کے ہتھیار کے ذریعے موجودہ زوال پذیر حکومت ۱۹۵۴ء کے ان کمیونسٹ دشمن واقعات کی یاد تازہ کرنا چاہتی ہے۔ جو پاکستان کو پہلی مرتبہ امریکی سامراج کی غلامی میں دیئے جانے کے بعد رونما ہوئے تھے۔ لیکن اب حالات ۱۹۵۴ء سے بہت مختلف ہیں۔

سامراجی معاہدے

امریکہ پچاسویں دہائی کے آغاز سے دُنیا بھر میں سامراجی عزائم کی تکمیل کے لئے بین الاقوامی مسلح پولیس کا کردار اپنا چکا ہے۔ امریکہ پوری دنیا کو فوجی معاہدوں میں جکڑ کر نہ صرف قومی آزادی کی تحریکوں کو کچل دینا چاہتا ہے بلکہ وہ ان حربوں سے سوشلسٹ دنیا اور سوشلسٹ خیالات کے بڑھتے ہوئے دھارے کو بھی روکنے کی ناکام جستجو میں لگا ہوا ہے۔

پاکستان کے حکمران طبقات نے ۱۹۵۴ء میں امریکی فوجی معاہدوں میں شامل ہو کر ملک کی سیاسی آزادی کا قلع قمع کر دیا اور پاکستان کو جدید نوآبادیاتی ریاست میں بدل کر استحصال کا شکار بنا دیا۔ جاگیرداری اور ماقبل جاگیرداری کی باقیات

پر کھڑے ہوئے ڈھانچے کو مصنوعی طریقوں سے قائم رکھنے کے لئے ملکی معیشت مکمل طور پر سامراجی چنگل میں دے دی گئی جس کے نتیجے میں اقتصادی ترقی کی تمام راہیں مسدود ہو کر رہ گئیں۔ جمہوری آزادیوں پر قدغن لگا دی گئی۔ ملک کی تمام قوموں کو اُن کے قومی حقوق سے محروم کر دیا گیا۔ تمام سماجی اداروں کی جائز حیثیت ختم کر کے انہیں سامراجی ایجنٹوں کے حوالے کر دیا گیا۔ پڑوسی ممالک سے تعلقات میں الجھاؤ پیدا کر دیئے گئے۔ ملک میں عام انتخابات کی کبھی نوبت نہیں آسکی۔ اس کے برعکس متواتر سامراج نواز فوجی جنرل مسند اقتدار پر قابض ہوتے رہے۔

روزنامہ ڈان نے پاکستان کے ایک سابق گورنر جنرل کی موت پر کچھ اس طرح کے ماتمی کلمات لکھے:- نیم پاگل گورنر جنرل۔ جس نے ۱۹۵۴ء کی دستور ساز اسمبلی توڑنے کا اعلان اس طرح کیا کہ اس کے دائیں اور بائیں دونوں جانب فوجی جنرل ایستادہ تھے۔ الغرض ملک کا اقتدار اعلیٰ عوام کے ہاتھوں سے نکل کر سامراجی آقاؤں کے ہاتھ میں پہنچ گیا۔

سوشلزم ایک فیصلہ کن قوت

۱۹۸۲ء کے فوراً بعد عالمی طور پر طاقت کا توازن سوشلسٹ دنیا کے حق میں جھک چکا ہے اور سوشلزم دُنیا میں ایک فیصلہ کن قوت کے طور پر ابھر چکا ہے۔ دنیا بھر میں عالمی امن تخفیف اسلحہ اور ایٹمی ہتھیاروں کے عدم پھیلاؤ کی تحریکیں تیزی سے آگے بڑھ رہی ہیں۔ یورپ میں باہمی کشیدگی کے خاتمے کا عمل ایک اٹل حقیقت کا روپ دھار چکا ہے۔ امریکی سامراج ویت نام میں عبرتناک شکست سے دوچار ہو چکا ہے۔ اور اب ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ میں بھی صورت حال واضح سامراج مخالف رُخ اختیار کر چکی ہے۔ تحریک آزادی فلسطین ثابت قدمی سے آگے بڑھ رہی ہے۔ افریقہ میں بیداری کی لہر اٹھ چکی ہے۔ اوپیک

ممالک تیل کا ہتھیار موثر طور پر عالمی سامراج کے خلاف استعمال کر رہے ہیں بلکہ بیشتر نو آزاد ممالک میں قومی جمہوریتیں سوشلسٹ پذیری کا راستہ اختیار کر چکی ہیں۔ مصر کے سادات کے قتل کے ساتھ ہی کیمپ ڈیوڈ سمجھوتے کا شیرازہ بکھر چکا ہے۔ انڈیا میں اندرا کانگریس جنتا پارٹی کو شکست دے چکی ہے۔ ایران میں شہنشاہیت کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ اور جمہوری انقلاب کامیاب ہو چکا ہے۔ افغانستان میں عوامی جمہوریت کا سورج طلوع ہو چکا ہے۔ چینی تنگ نظری اور عالمی سامراج کا اندرونِ خانہ گٹھ جوڑ بے نقاب ہو چکا ہے۔ اور ماؤ ازم زیادہ تر ملکوں میں ایک قوت بننے کی خواہش سمیت دم توڑ چکا ہے۔ روسی صدر لیونڈ برژنیف نے جنوبی ایشیا اور بحر ہند کے مسائل کے پر امن حل کے لئے علاقائی ممالک اور متعلقہ عالمی طاقتوں کی جس مشترکہ کانفرنس کے انعقاد پر زور دیا تھا۔ آج ایسی مشترکہ کانفرنس کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی ہے۔

سامراج کی شکستیں

امریکی سامراج دنیا میں شکستوں سے دوچار ہو رہا ہے۔ جس کا اظہار اس کی اندھا دھند بدلتی ہوئی پالیسیوں اور بڑھتے ہوئے امریکی ایٹمی اسلحے کے انبار سے ہوتا ہے۔ یقیناً امریکی جنگی حکمت عملی اور ایٹمی اسلحہ دنیا کے لئے خطرناک تباہی کا پیش خیمہ بنے ہوتے ہیں۔ لیکن امریکی جنگی حکمت عملی اور امریکی ایٹمی اسلحہ خود عالمی سامراج کی فطری کمزوری اور ان شدید تضادات کا پتہ دیتے ہیں۔ جن میں سامراج گرفتار رہے۔ امریکی سامراج ڈیگو گارشیا کے فوجی اڈوں کے ذریعے ایٹمی اسلحے کے پھیلاؤ کو وسیع تر کر رہا ہے جب کہ مزید ایسے اڈوں کی تلاش اس کا مطمع نظر بن چکا ہے۔ امریکی اواکس جاسوس طیارے اسرائیل اور سعودی عرب پہنچائے جا چکے ہیں اور ممکن ہے پاکستان میں بھی یہ جاسوس طیارے فوجی خدمات انجام دے رہے ہوں۔ حال ہی میں امریکہ نے چین کے ساتھ بھی فوجی اشتراک کا آغاز کر دیا ہے۔ سریع الحرکت فوج

کی تشکیل بھی جنوب مغربی ایشیا میں امریکی سامراج کی جنگی حکمت عملی کا ایک حصہ ہے۔

امریکی سامراج باہمی کشیدگی کے خاتمے کی طرف لے جانے والے سالٹ معاہدے اور اس نوع کی ہر ایسی حکمت عملی سے جان چھڑانا چاہتا ہے۔ جو دنیا کو زندگی کے لئے محفوظ تر مقام بنانے کا امکان رکھتی ہو۔ لیونڈ برزنیف نے اسی حوالے سے کہا ہے "اگر افغانستان کا مسئلہ نہ ہوتا تو سامراج اپنی کمیونسٹ دشمن کارروائیوں کے لئے کوئی اور افغانستان ایجاد کر لیتا"۔

ریگن انتظامیہ اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود صرف چار ممالک کو اس نئے فوجی اتحاد میں شامل کر سکی ہے جو جنگی حکمت عملی میں ہم آہنگی کے نام سے قائم کیا گیا ہے۔ اور یہ ممالک ترکی، اسرائیل، سعودی عرب اور پاکستان ہیں۔

ضیاء ٹولے کا حکومت پر غاصبانہ قبضے کے بنیادی مقاصد یہ ہیں کہ پاکستانی عوام کی واشگاف خواہش کے برعکس ملک کی غیر وابستہ حیثیت ختم کر دی جائے۔ ملک کو سامراجی جنگی حکمت عملی سے جوڑ کر مغربی ایشیا کے مشرقی کنارے تک تیل کی پائپ لائنوں میں سامراجی مفادات کی چوکیداری کے فرائض سنبھال لئے جائیں۔ پاکستان کو ایک ایسی ریاست میں بدل دیا گیا ہے جس سے علاقے میں امن کیمپ کے بڑھتے ہوئے اثرات کو نہ صرف روکنے کا کام لیا جائے بلکہ سامراجیوں اور چینیوں کے لئے پاکستان کو ایک ایسا فوجی اڈہ بنا دیا جائے۔ جہاں سے قومی جمہوریہ افغانستان کے خلاف مداخلت کی جنگ لڑی جا رہی ہے۔ اور اس علاقے کی عوام دشمن قوتوں کے گٹھ جوڑ کا اڈہ بنا دیا جائے۔ شاہراہ قراقرم ۱۹۸۰ء سے چینی اسلحے کی مسلسل ترسیل کے باعث شہری آمد و رفت کے لئے بند پڑی ہے۔

پاکستان کو سامراج کا اسلحہ خانہ بنانے کے لئے عوام کی آواز کو ختم کرنا لازمی تھا لہٰذا اس فوجی ٹولہ کو سامراج اور عوام دشمن طبقات کے مفادات میں جلاد کا کردار دیا گیا۔

پاکستان میں فوجی ٹولہ اس وقت برسراقتدار لایا گیا جب علاقے میں سامراجی مفادات شدید چوکیداری کے متقاضی تھے اور خود پاکستان میں مرحوم وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کے دوبارہ عام انتخابات کے اعلان سے پیدا ہونے والے داخلی خلفشار کے سامراج مخالف رُخ کو روکنے کی ضرورت تھی۔ لہٰذا فوجی ٹولے نے اقتدار پر قبضہ جماتے ہی عبوری آئین اور فوجی حکمناموں کے ذریعے ۱۹۷۳ء کے متفقہ آئین کی دھجیاں بکھیر دیں۔ ملک کو سنسرشپ کے ذریعے سیاہ ترین دور میں دھکیل دیا گیا۔ اور اس ساری صورتحال کو سامراجی سرمایہ کاری اور نجی سرمایہ کاری کے فروغ کے لئے استعمال کیا گیا۔ جبکہ بیشتر قومیائی گئی صنعتوں کو دوبارہ نجی ملکیت میں دے دیا گیا۔

مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ سابق شاہ اور ساواک کے خاتمے کے ساتھ ہی ایران جس فوجی ریاست کے کردار سے دستبردار ہوا تھا۔ اب اسی کردار کی ادائیگی کے لئے پاکستان کو متبادل قومی ریاست میں بدل دیا گیا ہے۔

میں محب وطن ہوں

موجودہ حکومت پاکستان کو سامراجی آلہ کار بنا کر پڑوسی ممالک اور سوشلسٹ ممالک کے خلاف معاندانہ سرگرمیوں کے لئے استعمال کرنا چاہتی ہے۔ لیکن اسے ان تمام وطن پرستوں کی شدید مزاحمت کا سامنا ہے جو ملک کی علاقائی سالمیت کے تحفظ کی خاطر ہر طرح کی قربانی دینے کے لئے تیار ہیں۔ اور مجھے فخر ہے کہ میرا نام بھی ان وطن پرستوں میں شامل ہے۔

میں جمہوریت پسند ہوں

ضیائی حکومت ان تمام جمہوریت پسندوں کی شدید مخالفت سے دوچار ہے۔ جو عوام کے اس اقتدار اعلیٰ کی سالمیت کے لئے لڑ

رہے ہیں۔ جیسے موجودہ حکومت نے سامراج کے ہاتھوں بیچ دیا ہے۔ جو سماج کو عوام دشمن طبقات سے پاک کرنا چاہتے ہیں۔ اور عوام کی اکثریت کا جمہوری اقتدار قائم کرنا چاہتے ہیں۔ مجھے فخر ہے کہ میرا نام جمہوریت پسندوں میں شامل ہے۔۔

میں سوشلسٹ ہوں

فوجی حکومت کمیونسٹوں اور محنت کش عوام کے ان نمائندوں کی شدید مزاحمت سے دوچار ہے۔ جو اپنے اس آدرش پر گہرا یقین رکھتے ہیں کہ مزدور، کسان اور دیگر محنت کش طبقات ہی ملک کی تمام دولت کے خالق اور وارث ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ مزدور کسان اور محنت کش عوام ہی ملک کو اپنی مرضی اور اپنے نظریے کے مطابق ڈھالنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔
مجھے فخر ہے کہ میرا شمار محنت کش عوام کے نظریے کی فتح کے لئے جدوجہد کرنے والے کارکنوں میں کیا گیا ہے۔

III کمیونسٹوں کا شاندار ماضی

یہ محض اتفاق نہیں ہے کہ پاکستان کی عام حکومت اپنے مخالفین پر کمیونسٹ ہونے یا کمیونسٹوں سے راہ و رسم رکھنے کا الزام لگاتی رہی ہے۔ کمیونسٹوں سے تعلق پر جان لیوا خوف ہی دراصل حکمرانوں کیجانب سے کمیونسٹوں کیلئے زبردست خراج تحسین ہے۔ ضیاء حکومت کمیونسٹوں کے شدید خطرے کی مسلسل چیخ و پکار کے ذریعے سامراج کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوششوں میں سابقہ تمام حکومتوں سے آگے نکل گئی ہے۔

کسان طبقہ

کمیونسٹ، محنت کش طبقات کا سب سے زیادہ باشعور با اصول اور بے لوث حصہ ثابت ہوئے ہیں۔ اور ہمیشہ اپنے عوام کی لڑائیوں میں اُن کے ساتھ رہے ہیں۔

سابق مشرقی پاکستان کی ۱۹۴۹ء کسان بغاوت تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گی یہ کسان بغاوت "بھاگا کسان تحریک" کے نام سے مشہور ہوئی جسکی رہنما لیلا مترا تھیں۔ جنہیں نورالامین حکومت نے بعدازاں تشدد کے ذریعے معذور کر دیا تھا۔ اسی طرح سندھ میں اٹھنے والی کسان تحریکیں بھی لوگوں کے ذہنوں میں زندہ ہیں۔ جن میں بٹائی کی تحریک، زرعی اصلاحات کی تحریک اور الاٹی بار کی تحریک نمایاں تحریکیں ہیں۔ جن کی رہنمائی کامریڈ حیدر بخش جتوئی، سوبھو گیان چندانی، قاضی فیض احمد اور مولوی نذر جتوئی جیسے بے لوث رہنما کر رہے تھے۔ اسی طرح صوبہ سرحد میں چارسدہ اور دیگر علاقوں کی کسان تحریکیں ہوں یا بلوچستان کے کسانوں کی شیشک کے خاتمے کی تحریک ہو یا پنجاب کے کسانوں کی بے شمار لڑائیاں ہوں یا حالیہ پٹ فیڈر کسان تحریک ہو۔ ان تمام تحریکوں میں کمیونسٹ اور دوسرے طبقاتی شعور رکھنے والے کارکنوں نے ہراول دستے کا کردار ادا کیا ہے۔

محنت کش طبقات

کمیونسٹ ملک بھر میں محنت کش طبقات کی لڑائیوں میں فطری طور پر شریک رہے ہیں۔ آج پاکستان میں ٹریڈ یونین تحریک کمیونسٹوں کی بے بہا محنت اور قربانیوں کی بدولت ہی مضبوط بنیادوں پر استوار نظر آتی ہے۔ محنت کش طبقے کی بہادرانہ جدوجہد کے واقعات میں مسلسل کئی دنوں تک بیان کر سکتا ہوں لیکن یہاں صرف اتنا کہہ دینا ہی کافی ہوگا کہ پاکستان کی تمام جیلیں ٹریڈ یونین کارکنوں سے بھی اتنا ہی واقف ہیں جتنا کہ وہ اس دھرتی کے ان لاکھوں سپوتوں سے واقف ہیں۔ جنہیں ایک بہتر اور منصفانہ زندگی کی جدوجہد ہر سال پس زنداں لے آتی ہے یہ محنت کش طبقہ ہی ہے جس نے مرزا ابراہیم، ڈاکٹر اعزاز نذیر، منہاج برنا

مولابخش جاوید ٹسکو راور ایسے ہی اَن گنت بے لوث اور دیانت دار رہنما پیدا کئے ہیں۔ جنکی مثال کسی دوسرے سماجی طبقے میں تلاش نہیں کی جاسکتی۔

کیمونسٹ ہر اس سماج میں ہوں گے جہاں محرومیاں جدوجہد کی متقاضی ہونگی۔ جسطرح زمین پودے کو جنم دیتی ہے ایسے ہی سماجی ناانصافی کیمونسٹ پیدا کرتی ہے کسی بھی سماج میں چاہیے طالب علموں کی تحریک ہو یا خواتین کی تحریک ہو ادیبوں کی تحریک ہو غرض یہ کہ کوئی بھی تحریک کیمونسٹوں کے بغیر تصور تک نہیں کی جاسکتی۔

یہ محض میری اختراع نہیں ہے بلکہ ایک ایسی حقیقت ہے جسکی تصدیق کوئی بھی کرسکتا ہے۔ یہاں تک کہ میرے اس دعویٰ کی تصدیق موجودہ حکومت اور تمام سابقہ حکومتوں کے طرزِ عمل میں صاف طور پر دیکھی جاسکتی ہے۔

عوامی حقوق کے نمائندے

کیمونسٹوں نے تمام سامراج مخالف لڑائیوں میں بنیادی طور پر سرگرم کردار ادا کیا ہے۔ اور وہ عالمی امن کے قیام کی جدوجہد میں بھی غیر متزلزل مجاہد ثابت ہوئے ہیں۔ ان کے لئے بنیادی انسانی حقوق، قوموں کے حقوق اور شہری آزادیوں کے حصول کی جدوجہد کچلی ہوئی انسانیت کی جانب سے عائد شدہ ایک سماجی فریضہ ہے۔

کامریڈ حسن ناصر (جنہیں ۱۹۶۰ء میں شہید کردیا گیا) جب ۱۹۵۱ء میں جیل سے رہا ہوئے تو انہوں نے سب سے پہلے شہری آزادیوں کی انجمن کے ذریعے جیلوں میں قیدیوں کی حالت زار بہتر بنانے کی جدوجہد کا آغاز کیا تھا۔ کیمونسٹ اپنے آدرش کے سامنے کسی قربانی کو بڑی قربانی نہیں سمجھتے اور حسن ناصر نے اسی وجہ سے ایوب حکومت کیخلاف لڑتے ہوئے جان کا نذرانہ پیش کیا تھا۔ میرے دوست اور نوجوان کیمونسٹ طالب علم رہنما نذیر عباسی بھی میرے ساتھ گرفتار ہوئے تھے جنہیں حکمرانوں نے بزدلانہ تشدد کے ذریعے شہید کردیا ہے یہ دونوں عظیم انسان زندگی سے عشق کرتے تھے۔ اور اسی لئے انہوں نے اپنی زندگی کو امر

بنالیا۔۔۔۔ انہیں جوانی سے پیار تھا اس لئے انہوں نے عوام کے ذہنوں میں ہمیشہ جوان رہنے کی راہ انتخاب کی۔ اب انکی زندگی اور جوانی وقت کی لہروں میں درخشاں ہے۔ جہاں نہ اب وہ بوڑھے ہوں گے اور نہ فنیار کا ہاتھ انہیں چھو سکے۔ وہ اب سورج کی طرح چمکتے ہیں جس کے وجود سے زندگی کی کونپلیں پھوٹتی ہیں

رہنمایانہ کردار

کمیونسٹوں نے پاکستان میں رونما ہونے والی ہر مثبت تبدیلی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ۱۹۵۴ء میں اردو کے ساتھ ساتھ بنگالی زبان کو حکومتی سطح پر تسلیم کرانے کے لئے قائم کئے جانے والے "جگتو محاذ" کے قیام اور فعالیت میں کمیونسٹوں نے بھرپور کردار ادا کیا تھا۔ یہی محاذ بعدازاں دوسری تمام قوموں کی زبانوں کے غصب شدہ حقوق کی بازیابی کے لئے نقش اول ثابت ہوا۔ ایسے لوگوں کے لئے صرف دُعا ہی کی جاسکتی ہے۔ جو اب بھی ایک قوم ایک زبان کے نعرے سے چپکے ہوئے ہیں۔ کمیونسٹ اصولی طور پہ پاکستانی معاشرے کو کثیر القومی معاشرہ سمجھتے ہیں اسی لئے انہوں نے ۱۹۵۵ء میں ون یونٹ کے نام پر قومی حقوق غصب کئے جانے کی شدید مزاحمت کی اور آج تک قومی اور دوسرے تمام جمہوری حقوق کی بحالی کی جدوجہد اور حمایت کر رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے ون یونٹ مسلط کرنے والے آج تک قبروں میں بے چین ہوں گے اور اُن کے موجودہ جانشین اپنے ہونٹ چبا رہے ہیں۔

کمیونسٹوں نے ۱۹۶۵ء میں ہندوستان کیخلاف لڑی جانے والی جنگ کی شدید مخالفت کی اور اس بات پر زور دیتے رہے کہ پڑوسی ممالک سے پرامن مذاکرات کے ذریعے مشترکہ مسائل حل کئے جائیں۔ انہوں نے سیاسی طریقے سے انجام پانے والے "اعلان نامہ تاشقند" کی حمایت کی اور بعدازاں تاریخ نے شملہ سمجھوتے اور ایسے دیگر واقعات کے ذریعے ثابت کردیا کہ کمیونسٹوں کا یہ ردعمل ایک درست سوچ کا نتیجہ تھا۔ ایسے لوگ کافی تعداد میں ہوں گے۔

جو اپنے اُن دنوں کو بھلا نے کے شدید خواہش مند ہونگے جن دنوں وہ بھارت کو کچل دو' کے نعرے لگاتے تھے۔ اور معاہدہ تاشقند کی مخالفت کرتے تھے۔

کیمونسٹوں نے ۶۶ - ۶۸ء میں ایوب حکومت کیخلاف عوامی جدوجہد کو ہم آہنگ کرنے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔

جب ۱۹۷۱ء میں یحییٰ حکومت نے بنگال میں فوجی کارروائی کا آغاز کیا تو کیمونسٹوں نے سب سے پہلے اس کی مخالفت کی اور زور دیا کہ سیاسی مسئلے کو سیاسی طریقے سے حل کیا جائے۔ انہوں نے فوجی حکومت کیخلاف بنگلہ دیش کے جمہوری انقلاب کی جدوجہد کی بھرپور حمایت کی۔ اب بھی جو لوگ الشمس اور البدر کی بدروحیں دوبارہ زندہ دیکھنے کے وہم میں مبتلا ہیں انہیں بنگلہ دیش کے عوام کی فتح کا منظر ذہن میں تازہ رکھنا چاہیئے۔ کیمونسٹ شملہ معاہدے کے مطابق ہندوستان سے خوشگوار تعلقات کے حامی ہیں اور وہ بھٹو حکومت کے ایسے ہر مثبت اقدام کی حمایت کرتے رہے ہیں۔

کیمونسٹوں نے ۱۹۷۷ء میں پی این اے کے قیام کی کھلے لفظوں میں مذمت کی اور اسے ایک رجعت پسند تحریک قرار دیتے ہوئے خبردار کیا تھا کہ پی این اے کا مقصد جنرل ضیاء کے غاصبانہ قبضے کی راہ ہموار کرنا ہے۔ اب یہ ایک کھلا راز ہے کہ پی این اے کی نام نہاد تحریک کے پیچھے امریکی ڈالر اور سردار داؤد کے آدمی تھے۔

بھٹو کی میراث

بھٹو مرحوم نے پاکستان کو جس غیر جانبدار اور آزاد خارجہ پالیسی کی راہ دکھائی تھی کیمونسٹ اس راہ کے پر جوش محافظ ہیں۔ بھٹو مرحوم نے پاکستان کے مفادات کو علاقائی حقیقتوں کی روشنی میں رکھ کر دیکھا۔ یہی وجہ تھی کہ وزیر اعظم بھٹو نے

عوامی خواہشات کے احترام میں یوم مئی کو تسلیم کیا۔ روٹی کپڑا اور مکان کے حق کو تسلیم کیا۔ اس کے علاوہ بھٹو حکومت نے ایسے اقدامات کا آغاز کیا جس کے ذریعے محنت کشوں کو روزگار کی ضمانت اور کسانوں کو زرعی سہولتوں کی فراہمی میں مدد مل سکتی تھی۔ اسی دور حکومت میں دیہی اور شہری غریب آبادی کے رہائشی مسائل کے علاوہ دیہی اور شہری علاقوں کے مختلف حصوں میں ترقی کی غیر ہموار سطح کو ختم کرنے کی کوششوں کا آغاز کیا گیا۔ یہ بھٹو حکومت ہی تھی جس نے عورتوں کی بہبود اور تعلیم کو ریاستی ذمہ داری قرار دینے کی بات کی۔ اس کے علاوہ اس حکومت نے صنعتوں کو قومیانے کے عمل کے ذریعے ملکی معیشت میں ریاستی بالادستی کے لئے اقدامات کئے۔ جبکہ مختلف علاقوں میں قومی سوالات کو وسیع تر باہمی ہم آہنگی کے اصولوں کے مطابق حل کرنے کے عزم کا اظہار کیا گیا۔ کمیونسٹوں نے امریکی سامراج کو ہر محاذ پر للکار کر ثابت کر دیا ہے کہ وہ اس قابل ہیں کہ انہیں بھٹو کی عظیم وراثت کو باقی رکھنے کا اہل سمجھا جائے۔ کمیونسٹوں نے افغانستان میں امریکی کھیل میں حصہ دار بننے سے انکار کر دیا ہے اور ملکی سالمیت اور وقار کے تحفظ کی خاطر پڑوسی ممالک سے پر خلوص تعلقات کی راہ اختیار کی ہے مارشل لاء اور اس کے حواریوں کی شدید مخالفت کی ہے۔ عملی طور پر یہ نعرہ بلند کیا ہے کہ "طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں"۔ اور اسی کی بدولت انہوں نے محنت کش طبقات پیشہ ورانہ تنظیموں اور محب وطن سیاسی کارکنوں کے اتحاد کے ذریعے ملکی سالمیت کے دفاع کی ذمہ داری نبھا رکھی ہے۔

قومیتوں کا سوال

پاکستان میں قومیتوں کے سوال کی موجودگی ان تمام تصورات کو باطل قرار دے چکی ہے جو غیر لچک دار تاریخی میلانات کی غلط تفہیم پر قائم کئے گئے ہیں۔ لہٰذا ایسے تصورات کے مطابق حکمت عملی وضع کرنے والے اپنی فضول کوششوں میں شرمندگی

کے علاوہ کچھ حاصل نہیں کر سکتے۔ تمام مسلم لیگی حکومتیں حقائق سے مسلسل چشم پوشی کرتے ہوئے پاکستان کو ایک قوم پر مشتمل ریاست قرار دیتی رہی ہیں۔ لیکن حقیقتیں خواہشوں سے زیادہ طاقتور ہوتی ہیں۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ ۱۹۵۴ء میں سابقہ مشرقی پاکستان کے عام رائے دہندگان نے پاکستان کے حکمران طبقات پر واضح کر دیا تھا کہ زبانوں کے حقوق "ایک قوم ایک زبان" کے بے ہودہ نعرے سے کہیں زیادہ طاقتور ہوتے ہیں۔ آخر کار ۱۹۷۲ء میں حکمران طبقات کو صوبائی سطح پر ہر صوبے میں اردو کے ساتھ صوبائی زبان کے حق کو سرکاری سطح پر تسلیم کرنا پڑا۔ (جبکہ پاکستان میں صوبے عام طور پر قوموں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ صوبہ سندھ میں سندھی زبان اپنا یہ حق حاصل کر چکی ہے اور یقیناً باقی زبانیں بھی اپنا اپنا قومی تشخص حاصل کر لیں گی۔

مختلف قوموں کی حکمران اشرافیہ کے درمیان حصولِ اقتدار کی کشمکش پاکستان میں کسی بھی آئین کی تیاری میں سب سے بڑی رکاوٹ بن چکی ہے۔ پاکستان کے ابتدائی برسوں میں ہی لیاقت علی خان پنجاب اور مشرقی بنگال کی حکمران اشرافیہ کے مابین حصولِ اقتدار کے تنازعے میں مصالحت کرانے میں ناکام ہو گئے تھے لہٰذا انہوں نے آئین کی تیاری کے کام کو پس پشت ڈال کر ۱۹۴۹ء کی قراردادِ مقاصد میں پناہ ڈھونڈ لی۔

جسٹس منیر نے ۱۹۵۳ء کے قادیانی دشمن فسادات کی سرکاری تحقیقاتی رپورٹ قادیانی دشمن فسادات کو پنجاب اور مشرقی بنگال کی حکمران اشرافیہ کے مابین حصولِ اقتدار کا جھگڑا قرار دیا تھا۔ جسٹس منیر نے دوسرے لفظوں میں قادیانی مخالف تحریک کو ایک ایسا بچہ قرار دیا جسے احرار نے جنم دے کر دولتانہ کو گود دے دیا جس نے اس کے چہرے کے خونی نقش دیکھتے ہوئے اسے حضرت موسیٰؑ

کی طرح دریائے سندھ کے راستے ناظم الدین کے پاس کراچی روانہ کر دیا جب ۱۹۵۴ء میں مشرقی بنگال میں کسان جگتو محاذ کی کامیابی نے ہوا کا رُخ بدل دیا، تو پنجاب اور مشرقی بنگال کے حکمران اشرافیہ کے درمیان حصولِ اقتدار کا تنازعہ مساوی لوٹ کھسوٹ کے اصول پر طے پا گیا۔ جس کے نتیجے میں مغربی پاکستان کو ون یونٹ قرار دے دیا گیا۔ لیکن حکمران طبقات کی توقعات کے برعکس ون یونٹ سے مسائل سلجھنے کی بجائے اور الجھتے چلے گئے۔ مشرقی بنگال کی قومی اُمنگوں کے کچلے جانے کے سبب ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان پاکستان سے علیحدگی پر مجبور ہو گیا۔ اور یوں پاکستان کی نام نہاد ایک قوم کا ۵۶ فیصد حصّہ ایک الگ قوم اور قومی تشخص کے ساتھ وجود پذیر ہو گیا۔ ۱۹۷۰ء میں جب یحییٰ خان عوامی دباؤ کے ہاتھوں ون یونٹ توڑنے پر مجبور ہو چکا تھا۔ اس وقت بھی حکمران طبقات "ایک قوم" کے خیالی ھیولے کو قائم رکھنے کی فکر میں لگے ہوئے تھے۔

پاکستان میں یکے بعد دیگرے آئین بننے اور ٹوٹنے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ ہر آئین میں ملک کی کثیر القومی خصوصیات کو تسلیم کرنے سے انکار کیا جاتا رہا ہے۔ ملک کے حکمران طبقات اس حقیقت سے مسلسل انکاری ہیں کہ ملکی یک جہتی قوموں کے حقوق تسلیم کر لینے سے خطرے میں نہیں پڑ سکتی البتہ قومی حقوق سے مسلسل روگردانی ملکی بقاء کے لئے مسلسل خطرہ ضرور بنی ہوئی ہے۔

ہندوستان سے تعلقات

کمیونسٹوں اور ترقی پسندوں نے ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کی مخالفت اس بنا پر کی تھی کہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ جنگ دونوں ملکوں کے مفادات کیخلاف ہے انہوں نے معاہدہ تاشقند کا خیر مقدم کیا اور زور دیتے رہے کہ اسی معاہدے کے

دائرہ کار میں رہ کر دونوں ممالک باہمی دوستی کے فروغ کے لئے مشترکہ مساعی کریں ۔ سوویت یونین نے دونوں حریف ممالک میں کسی ذاتی لالچ کے بغیر جس طریقے سے مصالحت کرائی تھی۔ اس سے بین الاقوامی حکمت عملی میں ایک نئے اور روشن باب کا اضافہ ہوا تھا۔ جبکہ پاکستان کے رجعت پسند حلقوں نے کمیونسٹوں اور ترقی پسندوں کو پاکستان دشمن اور غیر ملکی ایجنٹ قرار دے کر ایسی تمام کوششوں کی مخالفت کی تھی۔ لیکن جب پاکستان نے ۷۱ ۔ ۱۹۷۰ء میں رونما ہونے والے واقعات کے نتیجے میں شملہ سمجھوتے پر دستخط کئے تو اس وقت تاریخ نے معاہدہ تاشقند کی سچائی کو ثابت کر دیا ۔

پاکستان کے حکمران طبقات نے صرف پانچ سال بعد ہی اپنے فائدے کی خاطر ملک کے حصے بخرے کر دیئے جس کے نتیجے میں تاریخ نے انہیں ہندوستان کے ساتھ اچھے ہمسائیگی کے تعلقات استوار کرنے کا سبق دیا۔ لیکن حکمران طبقات نے تاریخ کا یہ سبق کس حد تک یاد رکھا ہے ۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ضیاء حکومت ایک بار پھر امریکی اسلحے کی پشت پناہی کے سہارے علاقے میں کشیدگی کو ہوا دے رہی ہے ۔

افغانستان سے تعلقات

پاکستان اور افغانستان کے درمیان کبھی گہرے مراسم نہیں رہے ہیں لیکن پھر بھی اتنا ضرور ہے کہ کسی بھی افغان حکومت نے پاکستان کو مشکل وقت میں دیکھ کر ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش نہیں کی ہے۔ پاکستان کی ہندوستان کے ساتھ دو معرکہ آرائیاں ہمارے سامنے ہیں ۔ اس کے علاوہ پاکستان ۱۹۷۱ء میں مشرقی بنگال کی خانہ جنگی سے بھی دوچار ہو چکا ہے ۔ لیکن ان تمام معاملات میں افغانستان نے کبھی مداخلت نہیں کی ہے ۔ کیونکہ ہر افغان حکومت کے امریکہ کی نسبت سوویت یونین سے روایتی گہرے دوستانہ تعلقات رہے ہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ ۱۹۷۳ء

میں سوویت یونین نے ہی افغان فوج کو پاکستان کے شمال مغربی علاقے میں داخل ہونے سے روک رکھا تھا۔ افغانستان کی داؤد حکومت نے پاکستان کے ساتھ پختون مسئلے کو مستقل تنازعہ بنائے رکھا جب کہ اسی دور حکومت میں پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی آف افغانستان اور کمیونسٹ پارٹی آف پاکستان نے ایک مشترکہ اعلان نامے کے ذریعے دونوں ممالک کی حکومتوں پر زور دیا تھا کہ وہ اپنے تعلقات اچھی ہمسائیگی، ملکی سالمیت کا احترام اور ایک دوسرے کے داخلی معاملات میں عدم مداخلت کے اصولوں پر استوار کریں۔

اپریل ۷۸ء میں انقلاب ثور کے بعد ترہ کی حکومت نے اپنی پوری توجہ داخلی استحکام اور سماجی اصلاحات کے کاموں پر مرکوز کر رکھی تھی۔ لیکن بعد ازاں امین حکومت نے برسر اقتدار آتے ہی انقلاب کے معاملات کو تباہ کرنے کے لئے تنگ نظر قوم پرستی کے زیر اثر "عظیم افغانستان" کے خواب دیکھنا شروع کر دیئے۔ امین حکومت کے اس خواب نے جارحیت کے شعلے بھڑکا کر انقلاب ثور کے ثمرات کو تباہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ کارمل حکومت وہ پہلی افغان حکومت ہے جس نے واضح اور مثبت موقف اختیار کرتے ہوئے اعلان کیا ہے کہ ہم کسی بھی پڑوسی ملک کی علاقائی سالمیت کیخلاف نہیں ہیں۔ کارمل حکومت واضح طور پر کہہ چکی ہے کہ پاکستان کی پختون اور بلوچ قوموں کو اپنے داخلی مسائل اپنے ملک کے بسنے ہوئے عوام اور محنت کش طبقات کی مشترکہ جدوجہد سے جوڑ کر حل کرنے چاہئیں۔ موجودہ مارشل لاء حکومت نے اس عدم مداخلت پر مبنی موقف کی بھرپور تائید و خیر مقدم کرنے کی بجائے افغانستان کیخلاف بڑھا ہوا مخاصمانہ رویہ اختیار کر رکھا ہے۔

ضیاء حکومت کا مخاصمانہ رویہ اس بات کا مظہر ہے کہ موجودہ حکومت ملک کی علاقائی سالمیت کے تحفظ کی بجائے سامراج کے دفاع کو اولیت دے رہی ہے لیکن کب تک۔ پاکستان کے ان گنت کمیونسٹوں وطن پرستوں اور ترقی پسندوں نے جو پالیسیاں پیش کیں اور جن پر انہیں تشدد اور بہیمیت کا سامنا کرنا پڑا حکمران

طبقوں کو تاریخ کے دباؤ سے مجبور ہو کر ان ہی پالیسیوں کو بعد میں اپنانا پڑا۔ حکمران طبقات بے بس ہو چکے ہیں تاریخ کا سفر جاری ہے۔

امریکی سامراج کے دشمن

کمیونسٹوں کا امریکی سامراج مخالف کردار ایک کھلی حقیقت ہے اسی لئے کمیونسٹ اور ان کے ساتھی اس مقدمہ میں ملوث ہیں جو اس فوجی عدالت کے سامنے پیش ہے۔ یہ عدالت جو عدالت کم اور فوجی زیادہ ہے لیکن سامراج جیسے ریت کے پاؤں رکھنے والا قرار دیا ہے اب گردِ راہ بنتا جا رہا ہے۔ عالمی سامراج کا احمق سرغنہ صدر ریگن تاریخ کے پہیے کو الٹا چلانے میں ناکام ہو چکا ہے۔ اور اب اس اصول پر عمل پیرا ہے کہ امریکہ پاکستان سے محدود تعلقات کا خواہاں ہے۔

ہزیمت خوردہ امریکی سامراج پاکستان کو اس علاقے میں ابھرتے ہوئے نئے تاریخی تقاضوں کے خلاف مخصوص کردار ادا کرنے پر اکسائے ہوئے ہے۔ اس کا ناگزیر نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ اس صورتِ حال نے حکمران طبقات کی بے بسی میں مزید اضافہ کر کے انہیں مکمل طور پر سامراج کا محتاج بنا دیا ہے۔ جبکہ ملکی معیشت تباہی کے کنارے پہنچ چکی ہے۔ ملک کو سامراجی چنگل سے آزاد کرائے بغیر سیاسی و معاشی زبوں حالی کا خاتمہ ناممکن ہو کر رہ گیا ہے۔ تاریخ سامراجی تسلط کے خلاف جد و جہد کو آخری راستہ قرار دے چکی ہے۔ آج عوام کا شعور اس دور سے بہت آگے نکل گیا ہے، جب ۱۹۵۴ء میں ملک کو سامراج کے خونی پنجوں میں دیدیا گیا تھا۔

حکومت کے ۱۹۷۸ء کے فیصلے کے مطابق لالوکھیت کے ایک گرلز ہائی اسکول کو دوبارہ نجی ملکیت میں دے دیا گیا تھا۔ لیکن طالبات اساتذہ اور مقامی آبادی کی شدید مزاحمت کی وجہ سے آج تک اس سرکاری فیصلے پر عمل درآمد نہیں کرایا جا سکا۔

اس صورتِ حال سے اس حقیقت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ موجودہ حکومت عام انتخابات کے انعقاد سے صرف اس لئے خوفزدہ ہے کہ سامراج نواز پالیسیاں

رد کر دی جائیں گی۔ ضیاء ٹولہ محسوس کر چکا ہے کہ عوام میں سامراجی خطرے کے پیشِ نظر ایک ایسا اتحاد پیدا ہو چکا ہے۔ جس کی مثال پاکستان کی سالمیت میں اس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آئی۔ ۱۹۷۸ء میں سامراجی معاہدوں کے نتیجے میں سب سے پہلے آل پاکستان اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن (APSO) پر حملہ کیا گیا تھا سامراجی خطرے کے پیشِ نظر ملک کی چاروں صوبائی طلبہ تنظیموں کے انضمام سے نتیجے میں ملکی سطح پر ایک منظم اور فعال تنظیم (ڈی ایس ایف) کا قیام عمل میں آ چکا ہے۔ یقیناً سامراج ایک بار پھر خطرے سے دوچار ہے۔ اس بات کی ٹھوس علامات موجود ہیں کہ عوام کا بڑھتا ہوا سامراج دشمن رویہ کسی بھی موقع پر خود رَو احتجاجی مظاہروں کی شکل اختیار کر سکتا ہے اور اسکا ایک یقینی اشاریہ اسلام آباد میں امریکی سفارت خانے پشاور میں امریکی انفارمیشن سینٹر، لاہور، حیدرآباد، کوئٹہ اور کراچی میں امریکی قونصل خانوں پر مظاہرے تھے۔ سامراج مخالف انقلابی ابھار کا اندازہ صرف اس واقعے سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اسلام آباد میں ۲۷ دسمبر ۱۹۸۱ء کو جن افغان بھگوڑوں نے افغان انقلاب کے خلاف جلوس نکالا تھا وہ امریکی سفارت خانے کے سامنے مظاہرہ کرتے رہے۔

III پسماندہ معاشرہ اور ترقی یافتہ ریاست

بنگلہ دیش کی آزادی کے نتیجے میں جب پاکستان میں سامراجی گرفت کسی حد تک کمزور ہوئی تو بھٹو حکومت بڑی جاگیرداری اور بائیس خاندانوں پر مشتمل بڑی سرمایہ داری پر کسی قدر ضرب لگانے کے قابل ہو سکی۔ اسی وجہ سے بھٹو دورِ حکومت میں پاکستان سامراجی حکمت عملی کا آلۂ کار بننے کی بجائے ایک غیر جانبدار اور آزاد خارجہ پالیسی کی راہ پر گامزن ہو سکا۔ اور ان اقدامات کی بدولت ملک کسی بھی ناروا صورتِ حال سے دوچار ہونے سے بچا رہا۔ امریکی سامراج کی وزیر اعظم بھٹو سے ناراضگی کی بڑی وجہ بھی حکومت کی آزاد اور غیر جانبدار

خارجہ پالیسی پر عمل پیرائی تھی۔ ۱۹۷۱ء کی عبرتناک شکست سے سنبھلنے کے بعد پاکستان کے سامراجی اور اس کے کاسہ لیس ایک بار پھر امریکی مفادات کی نگہبانی کے فرائض ادا کرنے میں مصروف ہیں۔

بھٹو دورِ حکومت میں جنرل ضیاءالحق کی بحیثیت چیف آف آرمی اسٹاف تقرری بذاتِ خود سامراج کی فتح کا پیش خیمہ تھی۔ جنرل ضیاءالحق کا ماضی اردن کے فلسطینیوں کے خون سے رنگا ہوا ہے۔ اور ایسی ہی وفاداریوں کے عوض سامراج نے اسے پاکستان پر مسلط کر رکھا ہے۔ جنرل ضیاء کو اقتدار میں لانے کے لئے پی این اے کی نام نہاد تحریک کے ذریعے ملک میں تشدد کی فضا پیدا کی گئی۔ جس کے نتیجے میں فوجی شب خون کے ذریعے موجودہ فوجی جنتا اقتدار پر قابض ہو گئی۔ جنرل ضیاء نے اقتدار پر قبضہ جمانے کے فوراً بعد ملک کی ناوابستہ حکمت عملی کے کمزور عمل کو سامراجی اشارے پر مغرب کی سمت موڑ دیا۔ اور وزیراعظم بھٹو کو پھانسی کے ذریعے قتل کر دیا۔ اور آج پاکستان سامراجی جنگی حکمت عملی کے مبلینہ اتحاد میں مکمل طور پر شامل ہو چکا ہے۔ سامراج اپنی فطری کمزوری سے پوری طرح آگاہ ہے۔ لہٰذا وہ ہمیشہ اپنے دلالوں کے ذریعے دشمنوں پر حملہ آور ہوتا ہے جیسا کہ اکثر سننے میں آتا ہے۔ امریکہ افغانستان میں روسیوں کے خلاف اس وقت تک جنگ لڑے گا جب تک کہ پاکستان کا ایک بھی سپاہی موجود رہے۔

سامراج علاقائی ممالک کو ابتدا ہی میں افغان انقلاب کے خلاف استعمال کرنے کی کوشش کر چکا ہے۔ ہندوستان کے ذریعے علاقائی ممالک کو افغان انقلاب کے خلاف استعمال کرنے کی اور روسی امداد کی فراہمی رد کرنے کی سازشیں ناکام ہو گئیں تو سامراج نے اسلامی کانفرنس منعقدہ لاہور کو بھی ایسی ہی سازشوں کے لئے استعمال کیا۔ جبکہ طیف کانفرنس (مکہ) کے ذریعے پاکستان کے مثبت رویے کو ختم کرا دیا گیا۔ جو افغانستان کی جانب سے مذاکرات کی دعوت پر

پیدا ہو رہا تھا۔ ضیاء حکومت امریکی اشاروں پہ احمقوں کی طرح ناچ رہی ہے۔ موجودہ حکومت سوویت یونین کی جانب سے تھرمل بجلی گھر کی صورت میں پیش کردہ اہم اور بنیادی اقتصادی امداد مسترد کر چکی ہے۔ جبکہ یہی حکومت پاکستان کو امریکی سامراج کے چوکیداری میں بدل کر ملکی سالمیت تک داؤ پر لگا چکی ہے۔

"پاکستان میں اگر کوئی سیاسی جماعت روس سے بہتر تعلقات کے قیام کی حمایت کرتی ہے تو اس سلسلے میں آپ کا رویہ کیا ہوگا"

ایشیا ویک میگزین۔ کے ایڈیٹر کے مندرجہ بالا سوال کا جواب دیتے ہوئے جنرل ضیاء نے کہا "ہم ان کا گلا کاٹ دیں گے"

روزنامہ نوائے وقت ۱۲/۴/۸۶

میرے نزدیک یہ انتہائی گھٹیا ردعمل ہے کوئی بھی محب وطن پاکستانی مخصوص علاقائی سیاسی حقیقتوں کی موجودگی میں ایسا غیر ذمہ دارانہ موقف اختیار نہیں کر سکتا۔

معاشی میدان

ضیاء حکومت معاشی میدان میں تمام اقتصادی ناہمواریوں کے خاتمے کا دعویٰ کر چکی ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی غریبوں کی فلاح و بہبود کے لئے لمبے چوڑے اعلان بھی کئے جا چکے ہیں۔ لیکن اقتصادی ناہمواریوں کا خاتمہ دُور دُور تک نہیں نظر آتا۔ البتہ ۷ سو بڑی صنعتوں کو نجی تحویل میں لوٹا کر کروڑوں روپے کے سرمائے سے ہاتھ اٹھا لیا گیا ہے۔ جس کے نتیجے میں معیشت کے اونچے میناروں اور زمین پر دستیاب وسائل کے درمیان پیدا ہونے والی خلیج دن بدن بڑھ رہی ہے۔ بھٹو حکومت کے ساڑھے پانچ سالہ دور میں چھ بلین روپے کے نئے کاغذی نوٹوں کے اجرا سے جو افراطِ زر پیدا ہو گیا تھا اسے ضیاء حکومت نے اسی مدت میں ساڑھے بائیس بلین روپے کے مزید کاغذی نوٹ چھاپ کر آسمان پر پہنچا دیا ہے۔ لہٰذا اشیاء کی

قیمتوں کے پر پھیلتے چلے جا رہے ہیں۔

جون ۱۹۷۸ء میں وزارت برائے قدرتی وسائل سے ڈاکٹر صادق کو صرف اس لئے ہٹا دیا گیا تھا کہ انہوں نے ڈھوڈک آئل فیلڈ کو بدستور قومی تحویل میں رکھنے پر اصرار کیا تھا لہٰذا انکی معطلی کے بعد ڈھوڈک آئل فیلڈ عابدی۔ عرب گروپ کے حوالے کر دی گئی۔ ضیاء حکومت کی اس ناپاک سودے بازی میں شمولیت کا راز جلد یا بدیر افشا ہو کر رہے گا۔ اب بدین آئل فیلڈ کے سلسلے میں بھی ایسی ہی مشکوک سرگرمیاں دیکھنے میں آ رہی ہیں۔ موجودہ حکومت سے بعید نہیں ہے کہ وہ پاکستان اسٹیل ملز تک بین الاقوامی سودخوروں کے حوالے کر دے۔ کیونکہ قرضوں کے حصول کی خاطر ضیاء حکومت ایم آئی ایف کی تمام شرائط قبول کر کے پاکستان کی سالمیت کو داؤ پر لگا چکی ہے۔

اسلامی اقتصادی کمیٹی

موجودہ حکومت خود اپنی قائم کردہ اسلامی اقتصادی اصلاحات کمیٹی۔ کی ان تمام سفارشات کو مسترد کر چکی ہے جن میں ایسے اصول وضع کئے گئے ہیں جن کے ذریعے سماجی ناانصافی اور معاشی ناہمواری کے خاتمے میں مدد مل سکتی تھی۔ اگرچہ حکومت نے خیالات و نظریات پر اپنی اجارہ داری کو انتہائی حد تک مسلّط کر رکھا ہے۔ لیکن پھر بھی ایسی سفارشات کا سامنے آنا بہت کچھ بتاتا ہے۔ موجودہ حکومت نے ملکی معیشت کی نہ صرف اہم ترین صنعتوں کو نجی ملکیت میں دے دیا ہے بلکہ نجی سامراجی سرمائے کے کھل کھیلنے کے لئے تمام راہیں کھول دی گئی ہیں۔ اور جاگیرداروں پر عائد کئے جانے والے مجوزہ ٹیکس کے نفاذ کو ٹال دیا گیا ہے۔

حالیہ اسلامی رپورٹ کے مطابق بنکوں میں شرکت منافع اسکیم نے امیری اور غریبی کی سنگین صورت حال کو خطرناک حد تک بے نقاب کر دیا ہے۔ لیکن حکومت نے اس اسکیم کو نافذ کر دیا ہے۔

ڈاکٹر خالد سعید نے اپنی کتاب پالیٹکس ان پاکستان کے صفحہ نمبر ۱۸۱ میں

تحریر کرتے ہیں " اگر پاکستان کے مختلف قوانین کو ان کے اصولوں کی روشنی میں دیکھا جائے اور ان کا آپس میں موازنہ کیا جائے تو معاملہ کچھ یوں نظر آتا ہے ۔ مثلاً زکواۃ کے قوانین حدود قوانین جن کے تحت کسی صنعت کار کو اس کی صنعت قومیائے جانے کی صورت میں زر تلافی ادا کرنے کی ضمانت دی گئی ہے ۔ یا اگر چوری سے متعلق تعزیری قوانین کو پرکھا جائے تو ان کے بنیادی اصولوں سے یہ نتیجہ آسانی سے نکالا جا سکتا ہے کہ ان تمام قوانین کے پس پردہ بنیادی مقصد اسلام کے نام پر رجعت پسند خیالات کو فروغ دینا اور اس کے ساتھ موجودہ حکومت کی رجعت پسند پالیسیوں کی پردہ پوشی کرنا ہے ۔"

ملک میں بے روزگاروں کی تعداد دن بدن اضافہ ہو رہا ہے ۔ عوام روزگار، رہائش، محنت، تعلیم اور بڑھاپے میں سماجی تحفظ جیسے بنیادی حقوق سے محروم ہیں ۔ سچ تو یہ ہے کہ پاکستان میں کبھی بھی انسانی حقوق بحال نہیں کئے گئے اور نہ موجودہ حکومت کوئی ایسا ارادہ رکھتی ہے ۔ اختلاف رائے رکھنے والوں کو کچل دینے کا جذبہ ایک ایسے ضمیر کا آئینہ دار ہے جو کبھی اپنے سامنے اور خدا کے سامنے سرخرو نہیں ہو سکتا ۔

ظالمانہ نظامِ عدل

ضیاء حکومت دعویٰ کرتی ہے کہ اس نے انصاف کو سستا موثر اور آسان بنایا ہے

یقیناً سزایابیوں کو انصاف جیسے خوبصورت نام میں بدل دیا گیا ہے اور اس میں شک نہیں ہے کہ فوجی عدالتیں سزائیں سنانے میں بہت تیزی سے کام لیتی ہیں ۔ سزایابیوں کا یہ سلسلہ سستا بھی بنا دیا گیا ہے ۔ کیونکہ فوجی عدالتوں میں وکیلوں کی موجودگی غیر ضروری قرار دے دی گئی ہے ۔ انصاف کو موثر بنانے کے سلسلے میں تقریباً ایک سال سے ضیاء کابینہ ایک پیش بین حکمت عملی اختیار کر چکی ہے جس کے مطابق رہا کئے جانے والے افراد کو دوبارہ گرفتار کر لیا جاتا ہے یا پھر ان کی رہائی سے قبل ہی ان پر دوسرے مقدمات چلا کر ان کی رہائی کا امکان

ختم کر دیا جاتا ہے۔ اور اس کے علاوہ ہزاروں افراد کو محض شبے کے نتیجے میں گرفتار کر کے مسئلے کو مکمل طور پر حل کر دیا جاتا ہے۔ ہمارے ملک کو اُس آزاد دنیا کا ایک حصّہ تصوّر کیا جاتا ہے جہاں شخصی آزادی کا تقدس بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ لیکن یہی شخصی آزادی یہاں ہر روز ریاست کے نام نہاد حق کے پردے میں کچل دی جاتی ہے۔ یہ شخصی حقوق جنہیں جسٹس کیانی نے فطری اور ناقابل شکست قرار دیا تھا آج غیر فطری طور پر چھین لئے گئے ہیں۔ ہم سوشلسٹ سماج کی طرف ایک انچ بھی نہیں بڑھ پائے بلکہ پاکستان امریکہ کی ایک جدید نوآبادی بن کر رہ گیا ہے اور اس کے نتیجے میں برطانوی سامراج کی ورثے میں چھوڑی ہوئی پولیس ریاست اب فوجی ریاست میں بدل چکی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب ایک عام آدمی کا معیار زندگی جام ہو کر رہ جائے تو یہ جمود پورے سماج کی ترقی پر اثر انداز ہو کر اسے بھی روک دیتا ہے۔ لیکن اس پوری صورتحال میں ریاست یکطرفہ طور پر ترقی کرتی رہتی ہے۔

پولیس کی انتظامیہ میں تبدیلی

انتظامیہ نے فرد کے تمام شخصی حقوق چھین رکھے ہیں۔ استغاثہ قانونی اختیارات میں اس حد تک خود کفیل ہو چکا ہے کہ اب وہ قانون کے فوری اطلاق کے مختصر ترین راستے تلاش کرنے لگا ہے۔ میرے گھر والوں کو میری گرفتاری کے سات ماہ بعد میری گرفتاری کا علم ہو سکا۔ جنرل ضیاء نے حال ہی میں ایسے کیسٹس کو بھی قانونی شہادت کا درجہ دے دیا ہے جو عام طور پر تشدّد کے ذریعے ریکارڈ کئے جاتے ہیں۔ خوف زدہ خصوصی عدالتیں انتہائی سزا کی نسبت کم سزا سنانے کی صورت میں جواب دہی کے مرحلے سے گزرتی ہوں گی۔ استغاثہ نے اپنے بڑھتے ہوئے اختیار کی بدولت جرائم کی تفتیش کے سلسلے میں ماہرین کو ہٹا کر ان کی جگہ سنگدل اور سست افسر شاہی کو بٹھا دیا ہے جو تشدّد کے ذریعے اپنے مقصد کو حاصل کرنے

کے سوا کچھ نہیں چاہتے اور جنہیں سچ یا جھوٹ سے کوئی غرض نہیں ہے۔

خصوصاً ہمارے ملک کی پولیس کبھی بھی قانون پسند شہریوں کی مددگار یا دوست ثابت نہیں ہوئی ہے۔ اس کے برعکس پولیس کی خود مختار طاقت ہمیشہ عوام کو دہشت زدہ کرنے کے لئے استعمال کی گئی ہے۔ اور یہ ہمیشہ عوام کی سخت دشمن ثابت ہوئی ہے ہمارے ہاں پولیس منتخب ارکان بلدیہ اور یونین کونسلوں کے زیر نگرانی کام نہیں کرتی حالانکہ اسے ہمیشہ منتخب مقامی اداروں کو جواب دہ ہونا چاہیئے اور یہی اس کے نام سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔

پولیس POLIC شہر میں امن و امان بحال رکھنے والا مقامی ادارہ ہے۔

پولیس کا عملہ جس جگہ خدمات انجام دیتا ہے اسے اُسی آبادی سے بھرتی کیا جانا چاہیئے۔ برطانوی دور کے برعکس پولیس اب صوبائی حکومتوں کے مکمل اختیار میں نہیں رہی ہے۔ بلکہ مرکزی حکومت بھی اسے استعمال کرتی ہے۔ اسی لئے پولیس کا مخصوص مقامی کردار ختم ہو چکا ہے۔

عدلیہ کی علیحدگی

تاریخ کے تمام بڑے قانون دان چاہے وہ حمورابی ہوں یا حضرت موسیٰ، حضرت محمدؐ ہوں یا سولون، جسٹینین ہوں یا مانٹیگو، نپولین ہوں یا آسٹن سب اس بات پر زور دیتے رہے ہیں کہ عدلیہ کو انتظامیہ سے آزاد رکھنا چاہیئے۔ ہر چند کہ حکومت عدلیہ کی بحالی پر برابر زور دے رہی ہے لیکن اس بحالی کے پس پردہ بنیادی مقصد عدلیہ کی آزادی کو ختم کرنا ہے۔

پاکستان میں حکومت کی جانب سے عدلیہ کا پہلی بار غیر آئینی استعمال ایک مستند قانونی استحقاق حاصل کرنے کے لئے کیا گیا جس کے بعد عدلیہ کے حقوق سختی سے کچل کر اس کی آزادی اور اختیار ختم کر دیئے گئے۔ جس کی وجہ سے پاکستان میں آج بھی مارشل لاء قانون سے بالاتر ہونے کے دعویٰ کے ساتھ موجود ہے۔

مجھے سولہ ماہ تک کسی الزام کے بغیر حراست میں رکھا گیا اور آج مجھے اس

غیر قانونی عدالت میں جن الزامات کے تحت پیش کیا گیا ہے۔ ان کے دفاعی کاغذات کی تیاری کے لئے صرف ایک ہفتے کی مہلت دی گئی تھی۔ یقیناً جنرل ضیاء کے نزدیک یہ کوئی بڑی کارکردگی نہیں ہوگی کیونکہ انصاف اور اس کے طریقۂ کار کے متعلق جنرل موصوف روزنامہ پاکستان ٹائمز مورخہ ۲۸ مارچ ۸۰ء میں یہ الفاظ کہہ چکے ہیں۔

"مزید چند ایک پھانسیاں ملک میں امن و امان کی صورت حال بہتر بنانے میں مددگار ثابت ہوں گی"۔

پاکستان میں قانون کی یہ حالت ہے کہ خفیہ فوجی پولیس (آئی ایس آئی) صرف ہوم سیکرٹری سندھ سے حکم نامہ لے کر کسی بھی مدعا علیہ کو ان تمام مراعات سے محروم کرسکتی ہے جو اُسے کسی خصوصی فوجی عدالت سے ملی ہوں جبکہ دوسری طرف سپریم کورٹ آف پاکستان کا عدالتی دائرہ کار اس حد تک گھٹایا جاچکا ہے کہ اسے خصوصی فوجی عدالت کے کسی فیصلے کے خلاف سماعت کا حق بھی حاصل نہیں ہے

ہمیں ملٹری انٹیلی جنس نے گرفتار کیا اور طویل عرصے تک زیر تفتیش رکھنے کے بعد تحقیقاتی پولیس کے حوالے کیا۔ میرے اس بیان کی تصدیق پولیس افسر صفدر حسین بھٹی کے اس بیان سے کیا جاسکتا ہے جو اس نے اس عدالت کے روبرو مورخہ ۱۳ جون ۸۱ء کو دیا تھا۔ صفدر حسین بھٹی کا تعلق پولیس کے تحقیقاتی سیل نمبر ۱ سے ہے۔

ملٹری انٹیلی جنس کی تفتیش کے اختتام پر جبکہ پولیس نے ابھی اپنی تحقیقات کا آغاز بھی نہیں کیا تھا۔ حکومت کی ایماء پر ہماری گرفتاری کی خبریں دو اور تین ستمبر کو نہ صرف سرکاری اخبارات نے شہ سرخیوں کے ساتھ شائع کیں بلکہ ریڈیو اور ٹی وی نے بھی انہیں غیر معمولی طور پر نشر کیا۔

خبروں میں ہمیں پاکستان اور نظریہ پاکستان کے خلاف غیر ملکی اشارے پر تخریبی سرگرمیوں کا مرتکب قرار دیا گیا۔ حالانکہ انتظامیہ نے ہمارے خلاف دائر کردہ مقدمے میں کسی بیرونی ہاتھ کا ذکر تک نہیں کیا۔ حتیٰ کہ میری تحویل سے یا

کسی دوسرے مدعا علیہ کی تحویل سے قابلِ اعتراض مواد کا ایک پرزہ تک برآمد نہیں کیا جا سکتا۔

ہماری گرفتاری سے متعلق مختلف بیانات پر مشتمل تین ابتدائی پولیس رپورٹیں تیار کی گئی تھیں لیکن اُن تین فرضی رپورٹوں میں سے ایک بھی اس عدالت کے سامنے پیش نہیں کی گئی۔ ہماری گرفتاری کے بارے میں جن فرضی داستانوں کو اُچھالا گیا تھا اُن کی اصلیت کی پردہ پوشی کے لئے اخبارات پر عائد شدہ سنسرشپ کا سہارا لیا گیا۔

میں اُن چند صحافیوں کو خراجِ تحسین پیش کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں جنہوں نے اس مقدمے سے متعلق کسی حد تک کم خبریں شائع کرنے کی جراُت کا مظاہرہ کیا۔ مجھے یقین ہے کہ وقت ایک دن اس مجہول ڈرامے کے حقیقی بدمعاشوں کو چادر اور چاردیواری کے اُس مورچے سے باہر کھینچ لائے گا جسے مارشل لاء کی چھتری سے تیار کیا گیا ہے۔ اور یقیناً وُہ دن اِن کے محاسبے کا دن ہوگا۔

ضیاء حکومت اسلامی نظام کے دعوٰوں کے باوجود یونیسکو کے انسانی حقوق سے متعلق اس اعلان نامے کو عملی طور پر نافذ کرنے سے معذور رہی ہے جس میں اسلام کے مطابق غیر قانونی اور ظالم حکومت کی اطاعت سے انکار کے حق کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اور جس میں ہر قسم کے تشدد کی سخت ممانعت کی گئی ہے۔

سابق چیف جسٹس ایس اے رحمان نے اسلام کے نام پر قوانین جیسے سنگسار کرنا یا قطع ید زندگی کے تقاضوں کے خلاف قرار دیتے ہوئے اپنے تبصرے میں کہا تھا۔

"اگر آپ اسلامی جمہوریہ کے شوق میں موجودہ قوانین کو چھٹی صدی کے قوانین میں بدل کر تسکین حاصل کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو جان لینا چاہیئے کہ آپ زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ جائیں گے اور اب زندہ رہنا ایک بین الاقوامی کوشش ہے۔"
جسٹس حمید اللہ بیگ نے کہا تھا۔ خصوصاً تعزیری قوانین کو عالمی قوانین سے

مشروط ہونا چاہیئے۔

سلطان فیروز بن تغلق ۱۳۲۵ - ۵۱ نے عدلیہ کو انتظامیہ سے نہ صرف آزاد رکھا بلکہ اس نے اس سلسلے میں دباؤ اور تشدد کو غیر انسانی طریقہ قرار دیکر اکھاڑ پھینکا۔

سینٹ آگیٹین کہتا ہے۔

"انصاف کو علیحدہ کر دو تو بادشاہتیں محض بڑے پیمانہ کی ڈاکہ زنی ہیں"۔

سرمائے کا تحفظ مارشل لاٗ کا مقصد

جنرل ضیاء مارشل لاٗ کی قصیدہ خوانی سے کبھی نہیں تھک سکتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ مارشل لاٗ طاقت اور اندھی قوت کی حکمرانی کا نام ہے اور اس کی طاقت کا سرچشمہ اس کے ہتھیار ہیں۔ مارشل لاٗ کے ہتھیار لوگوں کو محکوم بنا سکتے ہیں لیکن عوام کے دلوں پر حکومت روحانی ہتھیاروں کی مدد سے کی جا سکتی ہے۔ فوجی جنرل روحانی بالیدگی سے اتنے ہی عاری ہیں جتنا کہ صوفیا عسکری چالوں سے بے خبر ہوتے ہیں۔

جنرل ضیاء اپنے اقتدار کو طول دینے کی خاطر نت نئے عذر تراشنے میں مصروف ہیں۔ ایک ایسے شخص کے لئے جو مذہب کے پردے میں رہ کر لوگوں کو دھوکہ دینا چاہتا ہے یہ بات زیادہ دیانتدارانہ ہوگی کہ وہ اس وقت تک سامراجی آقاؤں اور حکمران طبقات کی وفاداری کا کھلا اعلان کرتا رہے۔ جب تک کہ عوام اسے خود راستے سے نہ ہٹا دیں۔

جنرل ضیاء نے کراچی میں تاجروں کو یقین دہانی کراتے ہوئے کہا تھا "جب تک آپ کا سرمایہ خطرہ میں ہے تب تک ملک میں مارشل لاٗ برقرار رکھا جائے گا۔"

محکمہ دفاع مراعات یافتہ شعبہ نہیں ہے

میں اس وقت فوجی حکومت کے داغدار ماضی کی تفصیلات میں جا کر زخموں کو

مزید ہر اکر نا نہیں چاہتا لیکن اس امر کی نشان دہی ضروری سمجھتا ہوں کہ محکمہ دفاع
کسی بھی معاشرے میں دوسرے تمام محکموں کی طرح سماجی خدمات انجام دینے والا
ایک ادارہ ہے جسکی اہمیت حکومت کے کسی بھی دوسرے شعبے کے مقابلے میں نہ تو
کم ہوسکتی ہے اور نہ زیادہ ہوسکتی ہے محکمہ دفاع کسی قسم کی برتری کا حق نہیں رکھتا
کیونکہ سماج کی نگاہ میں ہر ادارہ اپنے مخصوص دائرہ کار کے اندر رہ کر ہی کوئی مقام
حاصل کرسکتا ہے۔

تاہم اگر پاکستان کے عوام اپنے ہی ملازمین کی سرپرستی میں رہنے پر مجبور رہیں
تو پھر یہ بار اس ذمہ داری کا بوجھ ملازمین کے ایک مخصوص گروہ کے کندھوں پر ہی
کیوں آپڑتا ہے۔ میرے خیال میں محکمہ تعلیم پولیس، نوکرشاہی، صحت، ٹیکس
ریلوے یا کوئی بھی دوسرا محکمہ یہی کام زیادہ بڑے تنازعہ کے بغیر سرانجام دے سکتا ہے
ممکن ہے محکمہ اوقاف یہی کام زیادہ خوش اسلوبی سے سرانجام دے سکتا ہو۔

اگر عوامی حاکمیت کی قائم مقامی کے انتخاب کا معیار مذہبی بنیادوں پر ممکن
ہے تو اس سلسلے میں مشائخ کا گروہ اس منصب پر انتہائی سود مند ثابت ہوسکتا ہے
اور اگر یہ معیار شجاعت و بہادری پر رکھا گیا ہے۔ تو ہو بہو پہلوان اور ان کے رفقاء پر
بھروسہ کیا جا سکتا ہے یقیناً وہ ریاست کے جہاز کو محفوظ پانیوں تک کھینچ لے جائیں گے۔
مختصراً یہ کہ اگر ملک کے عوام ایسے بچے ہیں جنکی دیکھ بھال کے لئے ناگزیر طور پر ملازمین
کے ایک گروہ کی ضرورت ہے۔ تو اس دیکھ بھال کے کام کے لئے بھی حکومت کے تمام
محکموں کے ملازمین کو باری باری موقع ملنا چاہیئے۔

سماجی سطح پر مذہبی اصلاحات

ضیاء حکومت ایسی لاتعداد سماجی اصلاحات کا دعویٰ کرتی ہے جن کے ذریعے
لوگوں کو محض ایمانداری کا سبق پڑھایا جاچکا ہے۔ جبکہ یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ
اصلاحات ہمیشہ مثبت اور قابل تصدیق نتائج پر مبنی ہوتی ہیں۔ عام لوگوں کی

دیانت داری کا معیار معاشرے میں راست بازی کی مجموعی صورتِ حال کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

میں چیلنج کرتا ہوں کہ حکومت اپنی نام نہاد سماجی اصلاحات کے موثر نتائج کا ثبوت اعداد و شمار کی صورت میں پیش کرے۔ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کا یہ بیان ریکارڈ پر موجود ہے کہ رشوت اپنی آخری حد تک پہنچ چکی ہے۔

حکومت نے انتخابات کے لئے ۱۷ نومبر ۱۹۷۷ء کی تاریخ کا تعین اس خیال کے پیشِ نظر کیا تھا کہ ماہِ رمضان میں انتخابی سرگرمیاں عوامی جوش و جذبے کے اعتبار سے مدھم ہوں گی۔ اور حکومت احترام رمضان کے نام پر اخلاقی دباؤ بھی بڑھانے کے قابل ہو سکے گی۔ لیکن جب عام انتخابات ملتوی کر دیئے گئے تو التواء سے متعلق کہیں کہیں سوالات بھی اٹھائے گئے۔ جب سے کئی ماہ رمضان گزر چکے ہیں۔ لیکن ہم ابھی تک کسی انتخابات سے بہت دور کھڑے ہیں۔

ماہِ رمضان اور تقویٰ

میں چونکہ ماہِ رمضان میں گرفتار کیا گیا تھا اس لئے مجھے اس ماہِ مبارک کے حوالے سے تفتیشی افسران کو تقویٰ اور اصلاحِ نفس کی آخری منزل پر دیکھنے کا موقع ملا۔ ایک دن خود کو آلات تشدّد کا نگران ظاہر کرنے والے ایک افسر نے مجھ سے انتہائی بدتمیزی سے کہا۔ "میں یہاں تمہاری موجودگی میں تمہاری بیوی کی آبروریزی کر سکتا ہوں"!

یقیناً وہ میری طرح گناہ گار نہیں تھا کیونکہ وہ روزے سے تھا۔ اور جب اس نے یہ دھمکی دی، وہ وقتِ عصر تھا۔ ایسا وقت جس کے بارے میں عام طور پر یقین ہے کہ روزہ اپنی روحانی تاثیر کی انتہا کو چھو چکا ہوتا ہے لہٰذا اس کی بات کا میں نے فوراً یقین کر لیا۔

خوفِ خدا

مجھے بارہا یہ یقین دہانی کرائی گئی کہ اگر میں نے حکومت سے تعاون نہ کیا تو خدا کا

خوف مجھے مار ڈالے گا۔ مجھے معلوم تھا کہ ان کے پاس تشدد کے آلات کی کمی نہیں ہے لیکن پھر بھی معاملہ دھمکیوں اور جگائے رکھنے سے زیادہ آگے نہیں بڑھا اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ میرے نوجوان دوست نذیر عباسی نے انہیں خوفِ خدا میں مبتلا کر کے تشدد کے مزید استعمال سے روک دیا تھا۔ لیکن نذیر عباسی نے اُنکے دلوں میں خوفِ خدا کسی طاقت کے سہارے پیدا نہیں کیا تھا بلکہ ان کے ہاتھوں میں دم توڑ کر انہیں خوفِ خدا میں مبتلا کر دیا تھا۔

موجودہ سماجی و اقتصادی ڈھانچے کو قائم رکھنے کی کوششیں

ضیاء حکومت موجودہ حالات کو جوں کا توں قائم رکھنے کی کوششوں میں اس مکڑی کے گھوڑے کی مثال بن کر رہ گئی ہے جو ایک مقام پر رُکا ہوا کوئی قدم آگے بڑھائے بغیر حرکت کرتا رہتا ہے۔

پاکستان کا قیام عمل میں آئے بتیس سال گزر چکے ہیں لیکن ملک کے حکمران طبقات آج بھی پاکستان کے وجود کو لاحق خطرات کی دُھائی دینے پر مجبور ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ آگے کی طرف دیکھنا نہیں چاہتے کیونکہ انہوں نے ملک کے مستقبل اور ترقی کے لئے کبھی کوئی کام ہی نہیں کیا ہے۔ ضیاء حکومت ملک میں سیاسی جماعتوں کے وجود کو مسلسل ہدف تنقید بنائے ہوئے ہے جبکہ دوسری طرف ملک کی سب سے بڑی اور طاقتور سیاسی جماعت پیپلز پارٹی کا وجود بھی اسے قبول نہیں۔ جسطرح عوامی لیگ کا وجود یحییٰ حکومت کو قبول نہیں تھا۔ سیاسی شعور کی کمی کے بارے میں متضاد دلائل کو بے شرمی سے دہرایا جاتا ہے تاکہ عوام کو اقتدار منتقل کرنے کے خلاف بہانہ مل سکے۔

ایک موقع پر جنرل ضیاء نے جمہوریت سے اپنی بیزاری کا اعتراف ان الفاظ میں کیا تھا "جب مسلمان ایک خدا ایک رسول ؐ اور ایک کتاب پر یقین رکھتے ہیں تو پھر انہیں یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ ایک ہی وقت میں دو سو حکمرانوں کی

حاکمیت پر یقین رکھیں آپ مسلمان ہیں لہٰذا آپ کا امیر بھی ایک ہی ہونا چاہیئے۔
(جنرل ضیاء میٹ دی پریس حکومت پاکستان صفحہ ۸۴)

جنرل ایوب نے بنیادی جمہوریت کے بارے میں جمہوریت کو دھوکہ دینے کی ناکام کوشش کی تھی جبکہ آج جنرل ضیاء اسلامی جمہوریت کے چکر میں جمہوریت کو دھوکہ دینے کی ناکام کوشش کر رہا ہے۔

عوام کا اعتماد ہی کسی حکومت کا سرمایۂ افتخار رہتا ہے جو اسے اختیار اور اقتدار تک لے جاتا ہے جبکہ موجودہ فوجی حکومت اپنی برہنہ کارکردگی کے باعث ایک اندھے شخص کے سامنے بھی بے نقاب ہو چکی ہے اور کوئی بھی شخص موجودہ حکومت کی کسی بات پر یقین کرنے کو تیار نہیں ہے۔

زکوٰۃ قوانین کے ذریعے سولہویں صدی کے انگلستان کے ان قوانین کی یاد تازہ کر دی گئی ہے۔ جو ملکہ الزبتھ کے عہد میں "غریبوں کے قوانین" کے نام سے نافذ کئے گئے تھے۔ زکوٰۃ قوانین اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ ملک میں غربت کو ختم کرنے کی بجائے وسیع پیمانے پر پھیلایا جا رہا ہے۔ ۱۹۷۹ء میں افراط زر کی شرح ۳۰٪ تھی۔ اور آج اس میں کئی گنا اضافہ ہو چکا ہے۔ جبکہ اس کے مقابلے میں ہندوستان میں افراط زر کی شرح صرف ۴٪ ہے تینتیس فیصد مزدور بے روزگار ہیں جبکہ چونتیس فیصد کسان بے زمین پڑے ہیں۔ پاکستان دنیا کے ۴۳ کم ترین آمدنی رکھنے والے ممالک کی فہرست میں چوبیسویں نمبر پر ہے۔ اور اس کے برعکس دنیا بھر میں صرف دس ممالک ایسے ہیں جن کی فی کس قومی آمدنی پاکستان کے مقابلے میں کم ہے۔ البتہ ہمارا ملک اس اعتبار سے زیادہ ہی خود کفیل ہے کہ ہر شخص کے لئے گولیوں کی وافر مقدار حکومت کے پاس موجود ہے۔ ملک میں بڑھتی ہوئی مہنگائی، وسیع بے روزگاری، کسانوں کی بے دخلیوں قوموں کے بنیادی حقوق کے کچلائے اور افغان انقلاب کے اثرات نے مجموعی طور پر عوام میں دھماکہ خیز بے چینی پیدا کر دی ہے۔

یقیناً موجودہ حکومت اس صورتِ حال کو اپنے لئے خطرناک محسوس کرتی ہے۔ اور اسی لئے اب تک بیس ہزار سے زیادہ سیاسی کارکن گرفتار کئے جا چکے ہیں حالانکہ عوامی بے چینی نے ابھی تک مجموعی طور پر مورچہ بندی اختیار نہیں کی ہے ہمیں امید ہے کہ جنرل ضیاء کے اقتصادی مشیر مسٹر ہیچر کی طرح کے رنگین نوازواقع ہوئے ہیں اور وہ جلد ہی عوامی بے چینی کو فیصلہ کن لڑائی پر مجبور کر دیں گے۔

۸۳-۱۹۸۲ء کا بجٹ ۸۲-۱۹۸۱ء کے بجٹ کے مقابلے میں تعلیم کے شعبے میں آٹھ فیصد کھیل اور ثقافت کے شعبے میں ۷۵ فیصد اور صحت کے شعبے میں ۴ فیصد کم کردیا گیا ہے۔ جبکہ فلاح و بہبود اور دیہی ترقی کے شعبے میں بھی خاصی کمی کر دی گئی ہے۔ مجموعی طور پر تعلیم، صحت فلاح و بہبود، دیہی ترقی اور ثقافت کے پانچوں شعبے کے لئے بجٹ کا کل ۲ فیصد حصہ رکھا گیا ہے جبکہ اسی بجٹ میں ٹیکسوں کی مد میں عوام سے مزید ۸۰۴ء۸ بلین روپیہ چھین لیا جائے گا۔ اور یہ اضافی رقم ۸۵ روپے فی کس کے اعتبار سے پڑے گی۔

فوج میں انگریزی زبان

ضیاء حکومت نے سرکاری طور پر اردو زبان کو انگریزی زبان کی جگہ رائج کرنے کا اعادہ کر رکھا ہے۔ یہ امر واقعی قابل ستائش ہے لیکن ہمیں اس مقدمے کے دوران ایک میجر نے اطلاع دی کہ مقدمے کی سماعت اردو یا سندھی زبان میں نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ فوج میں انگریزی زبان سرکاری طور پر استعمال کی جاتی ہے۔ جنرل ضیاء ۷۶ء سے فوج کا سربراہ ہے اور اب بھی ہر سال خود کو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے عہدے کے لئے مقرر کرتا رہتا ہے۔ اس پر غور کرنا چاہیئے کہ آخر جنرل ضیاء فوج میں اردو زبان کو مناسب کیوں نہیں سمجھتا جبکہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے وہ اردو زبان کو سماجی زندگی کے تمام شعبوں میں رائج کرنے کی خواہش کا مسلسل اظہار کرتا رہا ہے۔ دراصل جو بات قوم کے لئے بہتر ہے وہ لامحالہ فوج کے لئے پسند نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ قوم صرف اور صرف پاکستانی ہو سکتی ہے۔ جب کہ

پاکستانی فوج کو آزاد دُنیا کی وسیع دفاعی فوج کا حصہ بنا کر استعمال کیا جائے گا جبکہ آزاد دنیا کی وسیع دفاعی فوج کے حصہ کے طور پر اس کی باگ ڈور انگریزی دان امریکی جرنلوں کے ہاتھ میں ہے۔ چنانچہ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حکمران انگریزی زبان بولیں گے اور محکوم اپنی مقامی زبان کے استعمال کا حق رکھتے ہیں مزارع اور ہاری کی انکساری اور فرماں برداری ہر دلعزیز خصوصیات ہو سکتی ہیں لیکن کسی وڈیرے یا فوجی جرنل کی پارسائی در اصل اس کی خود پسندی سے ابھرتی ہے۔

کرائے کے قاتلوں کا کردار

ہمارے ملک کو برطانوی نوآبادی سے امریکہ کی جدید نوآبادی میں بدل دیا گیا ہے دوسرے لفظوں میں ہم نے کڑھائی سے آگ میں چھلانگ لگا دی ہے۔ اور اب پاکستان امریکی سامراج کی ایک ذیلی ریاست بن کر رہ گیا ہے پاکستانی فوج امریکی سامراج کا ذیلی ادارہ بن گئی ہے۔ ایوب نے امریکہ سے کہا تھا "ہم آپ کو افرادی قوت فراہم کریں گے آپ ہمیں جنگی ساز و سامان فراہم کریں گے"۔ (بحوالہ اسلامک ریویو جولائی اگست ۸۵ء صفحہ ۱۲)

جب ہماری حکومت کمپوچیا کے پول پاٹ کی حکومت سے لازوال محبت کا اظہار کرتی ہے تو ہمیں حیران نہیں ہونا چاہیئے۔ کمپوچیا کی یہ حکومت نہ صرف تیس لاکھ لوگوں کو تہہ تیغ کر چکی ہے بلکہ اس نے قومی لائبریری تک کو طویلے میں بدل ڈالا ہے۔ کمپوچیا کی حکومت سے پاکستانی حکمرانوں کی محبت ملک کے مستقبل کی راہوں کا خوب پتہ دیتی ہے۔ موجودہ حکومت کے دور میں عوام کے فلاح و بہبود کے کاموں کو مسلسل نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ عورتوں کو چادر اور چار دیواری کے نام پر دیوار کے پیچھے دھکیل دیا گیا ہے۔ فقط فوجی ساز و سامان کی خریداری پر بے انتہا دولت برباد کی جا رہی ہے۔

۱۹۷۰ء کے مقابلے میں فوجی اخراجات میں ساڑھے پانچ گنا اضافہ کیا جا چکا

ہے جبکہ ۱۹۷۰ئیں پاکستان آج کے مقابلے میں تقریباً دو گنا رقبہ رکھتا تھا۔

محکمہ پولیس کی جدید گاڑیاں اور قومی ٹرانسپورٹ کی تباہ حال بسیں ہر وقت سڑکوں پر دیکھی جا سکتی ہیں۔ زیر بحث ہال کی پبلک لائبریری اور کے۔ ایم۔ سی اسپورٹس کمپلیکس بچوں اور طالب علموں کے لئے بند کر دیئے گئے ہیں کیونکہ مارشل لا نے ان دونوں جگہوں پر قبضہ کر رکھا ہے۔

ہم اس حقیقت سے واقف ہیں کہ ہمارے معاشرے میں مارشل لا اور اس نوع کی دوسری بیماریاں کیوں جڑ پکڑ لیتی ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ ملک کے حکمران طبقات اپنے اندرونی بحرانوں کے سبب اس قدر کمزور ہو چکے ہیں کہ اب عوام کو کچلے بغیر اقتدار پر قابض رہنا ان کے لئے ناممکن ہو گیا ہے۔ اسی لئے ملک کو کبھی پولیس ریاست بنا دیا جاتا ہے اور کبھی فوجی ریاست میں بدل دیا جاتا ہے۔ جبکہ اس پورے عمل کو قائم رکھنے کے لئے جاگیردار گماشتہ سرمایہ دار اور نوکر شاہی سرمایہ دار سامراج پر تکیہ کئے جا رہے ہیں جس کی قیمت ملک کو امریکی سامراج کی جنگی حکمت عملی کا آلہ کار بنا کر ادا کی جاتی ہے۔

قومی اقتدارِ اعلیٰ

ملک پر مسلط عوام دشمن طبقات مٹھی بھر لوگ ہیں اور سامراجی شکنجے سے آزادی حاصل ہوتے ہی ٹوٹ کر بکھر جائیں گے لیکن سب سے اہم بات یہ ہے کہ سامراجی شکنجوں سے آزادی ہی قومی اقتدار اعلیٰ کو محفوظ کرنے کا ذریعہ ہے جسے جغرافیائی سیاسی صورت حال میں پاکستان کے قومی وجود کو برقرار رکھنے کی ضرورت سے ہم آہنگ کر کے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا ہم ہندوستان، افغانستان، روس اور ایران سے دوستانہ ہمسائیگی کے تعلقات کی حمایت کرتے ہیں۔ کیونکہ ہمیں یقین ہے کہ ایسی حکمت عملی پاکستان کے بہترین مفاد میں ہے۔ کمیونسٹ ہمیشہ محب وطن ہوتے ہیں کیونکہ وہ اپنے ملک کے ان محنت کش عوام کا حصہ ہوتے ہیں جو ملک کی تمام دولت اپنی محنت کے پسینے سے پیدا کرتے ہیں اور اس

قومی دولت کی حفاظت اپنے لہو سے کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے اس وقت دمشق جانے سے انکار کر دیا تھا جب حکومت ہمیں طیارے کے اغوا کنندگان کے مطالبے پر وہاں بھیجنا چاہتی تھی۔

IV آزاد قومی جمہوریت

ہماری جدوجہد کا مقصد ملک کو سامراجی تسلط سے آزاد کرانا ہے۔ ہم امریکہ اور چین کی ہر ایسی حکمت عملی کو مسترد کرتے ہیں جس کے ذریعے پاکستان کو فوجی اڈے کے طور پر پڑوسی ممالک کے خلاف جارحیت اور مداخلت کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ہماری جدوجہد کا مقصد ملک میں کسی خاص طبقے یا خاص نظریے کی حکومت کو قائم کرنا نہیں ہے۔ ہم اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ سامراج کے طفیلی طبقات کے خاتمے کے بعد بھی ہمارا سماج بدستور مختلف طبقات کثیر النظریات اور کثیر الاقوامی رجحانات کا ترجمان ہوگا۔ ہم ملک میں ترقی پسند نظریات کے ساتھ ساتھ مذہبی رجحانات کی موجودگی کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ ہم محب وطن تاجروں اور سرمایہ داروں کے طبقے کو بھی تسلیم کرتے ہیں جن کا ہنر اور سرمایہ ملک میں صنعتی ترقی کی رفتار میں ایک مثبت اور بار آور کردار ادا کر سکتا ہے۔

ہمارے ملک کی تقریباً ۷۶ ہز۷۶ آبادی اپنا چھوٹا موٹا کاروبار کرنیوالے لوگوں پر مشتمل ہے۔ صنعتی پھیلاؤ کے ساتھ ان میں سے بیشتر لوگ محنت کش عوام کی صفوں میں شامل ہو جائیں گے۔ اور یقیناً ان میں سے کچھ لوگ کاروباری لحاظ سے ترقی کی راہ پر چل نکلیں گے۔

سماج کے یہ تمام طبقات اور گروہ پاکستان کے جمہوریت پسند عوام کا نام ناقابلِ شکست حصہ ہیں اور ان کی متضاد سماجی مفادات کی حامل مشترکہ حکومت ہی قومی جمہوریت کہلائے گی۔ یہ اس حکومت کے مطابق جس میں محنت کش عوام ہی بالادست ہوں گے۔ محب وطن جمہوریت پسندوں اور محنت کشوں کا سامراج دشمن کردار ہی

عوامی کردار کہلائے گا۔ اور ہم اسی عوامی کردار کے حصول کی جدوجہد کو قومی جمہوریت کی جدوجہد کہتے ہیں۔

مکمل سیاسی آزادی

یقیناً عوامی حکمرانی کے بارے میں ابھی سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ مکمل سیاسی آزادی کا دور ہوتا ہے۔ ایسا دورِ حکومت جہاں لوگوں کو اپنے خیالات کے اظہار کی آزادی ہوتی ہے لوگوں کو اپنی تنظیمیں بنانے کا موقع فراہم ہوتا ہے تاکہ وہ اپنے سماجی شعور کے ارتقاء کے ذریعے سماجی معاملات کو خود اپنے طور پر طے کرنے کے قابل ہو سکیں۔

جاگیرداری کا خاتمہ

عوام کی حکمرانی جاگیرداری اور ماقبل جاگیردارانہ استحصال کی ہر شکل کو ختم کر دے گی۔ ہمارے ملک کی وسیع آبادی کسانوں پر مشتمل ہے۔ لہٰذا کسانوں کی نجات کے بغیر سماجی ترقی کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔ جاگیرداری کا خاتمہ نہ صرف زرعی پیداوار میں اضافے کے لئے بنیادی شرط ہے بلکہ ملکی منڈی کی وسعت مشینی زراعت کے فروغ صنعتی ضرورتوں کے لئے افرادی قوت کی فراہمی صنعتوں کے وسیع پھیلاؤ اور صنعت کی پیداواری قوت بڑھانے کے لئے بھی اتنا ہی ضروری ہے۔ زمیندار اپنی اضافی دولت غیر ملکی کاروں، غیر ملکی دوروں اور دیگر آرائشی اشیاء پر ضائع کرتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ غسلخانے کا سامان تک بیرونِ ملک سے منگواتا ہے لیکن اگر ایک کسان ذریعہ پیداوار کا مالک بنے گا تو اس کی مقامی ضروریات اور آسائش کی اشیاء ملک میں صنعتی ترقی کی نئی راہیں کھولیں گی۔

نجی اور قومی شعبہ جات

پاکستان ایک غریب ملک ہے لہٰذا یہ نجی اور قومی سرمائے کے مابین جنگ کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ صنعتی ترقی کو تیز تر کرنے کے لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ دونوں شعبوں کے دستیاب سرمائے کو ایک مرکزی منصوبہ بندی کے ساتھ بامعنی

استعمال میں لایا جائے۔ یقیناً فلاح وبہبود سے متعلق شعبے مثلاً صحت وغیرہ کو نجی سرمائے کے مفاد کے حوالے نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ قومی شعبے کے ماتحت کام کرنے والی بھاری اور بنیادی صنعتیں نجی شعبے کے سرمائے کے فروغ کے لئے بہت زیادہ کارآمد ثابت ہو سکتی ہیں۔ اور جب کہ ملک کو صنعتی میدان کے پھیلاؤ کے لئے سرمائے کی فوری اور شدید ضرورت ہے۔ اسی طرح چھوٹی اور گھریلو صنعتیں ریاستی سرپرستی کی فوری متقاضی ہیں۔

تجارتی حصّہ داری

ہم اس حقیقت سے پوری طرح باخبر ہیں کہ صنعتی ترقی کے لئے غیر ملکی امداد کی ضرورت پڑے گی لیکن ہم ٹینکوں اور جنگی جہازوں کی مدد کے طلب گار نہیں ہیں۔ ہمیں ملک کی معاشی آزادی اور خودمختاری کے فروغ کے لئے غیر ملکی امداد کی بات کرنا چاہیئے اور یہ غیر ملکی امداد اس طرح کی ہونی چاہیئے جس طرح کہ روس نے ہمیں اسٹیل مل کی شکل میں امداد بہم پہنچائی ہے۔ ہم اقتصادی لین دین میں سیاسی تحفظات اور غیر ملکی امداد کی خریداری کے خاتمے کی حمایت کرتے ہیں۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنی ضروریات کی اشیاء ان ممالک سے خریدیں جو یہ اشیاء کم سے کم قیمت پر ہمیں مہیا کر سکیں۔ اور اس سلسلے میں کسی ملک کے سماجی نظام کے مقابلے کو خاطر میں نہیں لانا چاہیئے۔ دوسرے لفظوں میں ہمیں وہی کچھ خریدنا چاہیئے جسکی ضرورت ہمارے ملک کو محسوس ہو اور ہمیں وہاں سے خریدنی چاہیئے جہاں کم سے کم قیمت پر مال مل سکے۔ اور ملکی پیداوار کو بیچتے وقت بھی ہمیں بہتر سے بہتر قیمت کو مدِّنظر رکھ کر خریدار کو تلاش کرنا چاہیئے۔ اگر ایسی ریاستیں جہاں محنت کش طبقہ برسرِاقتدار ہے۔ ہمارے لئے بہتر تجارتی حصّہ دار ثابت ہوتی ہیں تو ہمیں ان سے تجارتی حصّہ داری کو فروغ دینا چاہیئے۔

سامراجی توڑ پھوڑ

ا:۔ تعلیم :۔ پاکستان میں سامراجی تسلط کی تخریب کاری تعلیمی شعبے میں

صاف طور پر دیکھی جا سکتی ہے۔ ہمارے پیشہ وارانہ ادارے ایسے ماہرین کی تیاری میں مصروف ہیں جن کی ضرورت مغربی ممالک میں محسوس کی جا سکتی ہے۔ اس میں سائنس اور انجنیئرنگ کے شعبے سرِفہرست ہیں۔ ملک کو انجینئروں کی شدید ضرورت ہے لیکن پیشہ وارانہ تعلیمی ادارے اس ضرورت کو پورا کرنے کے قابل ہی نہیں رکھے گئے ہیں۔ پاکستان بھر میں میڈیکل کالجوں میں سیٹوں کی تعداد کم کی جا رہی ہے جبکہ آبادی اور ڈاکٹروں کے تناسب کے اعتبار سے پاکستان دنیا کے غریب ترین ملکوں میں شمار ہوتا ہے۔ عام تعلیمی شرح اپنے سابقہ تناسب سے آگے نہیں بڑھ سکی آزادیٔ تقریر اور تخلیقی خیالات پر لاتعداد پابندیوں کے باعث سماجی صورتِ حال انتہائی افسوسناک رُخ اختیار کر چکی ہے۔ یہاں تک کہ پاکستان کے مسائل کے حوالے سے کوئی مستند کتاب تک سامنے نہیں آ سکی۔ لہٰذا ایسی کتابوں کے لئے ہندوستان برطانیہ، امریکہ اور روسی مصنفین کی طرف دیکھنا پڑتا ہے۔

۲- خواتین

ضیاء حکومت خواتین کی سماجی حیثیت کم کر کے انہیں قرون وسطیٰ میں دھکیل دینے کی کوششوں میں لگی ہوئی ہے۔ جس کے نتیجے میں خواتین کی تمام تنظیموں نے ملک میں احتجاج کی ایک مستقل فضاء پیدا کر دی ہے۔ ان تنظیموں میں اپوا سے لے کر مسز طاہرہ مظہر علی خان اور ممتاز نورانی کی ڈیموکریٹک ویمن ایسوسی ایشن تک سبھی شامل ہیں۔ ہم خواتین کو چادر اور چار دیواری کی غلامی سے رہا کرانے کی جدوجہد کے حامی ہیں تاکہ خواتین سماجی محنت کے دھارے میں شامل ہو سکیں۔ جیسا کہ مسٹر جناح نے ۱۹۴۴ء میں علیگڑھ یونیورسٹی میں خطاب کرتے ہوئے کہا تھا "یہ انسانیت کے خلاف جُرم ہے کہ ہماری خواتین گھر کی چاردیواری میں قیدیوں کی طرح بند رہیں۔ تمہیں چاہیئے کہ تم انہیں زندگی کے ہر شعبے میں ساتھی کی طرح اپنے ساتھ رکھو"

۳- روزگار

منصوبہ بندی سے معاشی ترقی سب کے لئے روزگار کا ذریعہ بنے گی۔ روزگار کا حق

خوراک، لباس اور رہائش غرض تمام حقوق کی بنیادی شرط ہے۔ پاکستان میں لاکھوں افراد مکمل یا جزوی طور پر بے روزگار ہیں۔ پاکستان کو بجا طور پر غریب عوام کا امیر ملک کہا جاسکتا ہے۔ ملک کے بیشتر حصوں میں ذرائع روزگار ہی موجود نہیں ہیں۔ جس کے نتیجے میں زیادہ تر لوگ اپنے بیوی بچوں سے ہزاروں میل دور تلاش روزگار میں نکل آتے ہیں۔ کراچی ایسے لاکھوں افراد سے بھرا پڑا ہے۔ جو اپنے عزیزو اقارب سے دور یہاں اپنی ناگفتہ زندگی کے دن کاٹنے کی جدوجہد کر رہے ہیں۔ جب کہ زیادہ تر لوگ تلاش روزگار میں ہی پھرتے رہتے ہیں۔ بیوی بچوں اور دوستوں کے بغیر اکیلے رہنا خود دور سے آئے ہوئے محنت کشوں کے لئے اور اس شہر کے لئے بھی مسائل پیدا کر دیتا ہے۔ یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے کہ درماندہ لوگوں کی ایک اچھی خاصی اکثریت زندہ رہنے کی انتہائی مایوسانہ کوشش کے نتیجے میں جرائم کی راہ پر چل سکتی ہے۔ اور یہ بھی کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے کہ ان میں سے اکثر اپنی غیر فطری زندگی کے سبب جنسی جنون کا شکار ہو جاتے ہیں۔ سماجی زندگی میں مرد اور عورت کی علیحدگی کے حامی اس مصنوعی زندگی کے باعث پیدا ہونے والے منفی اثرات سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں۔ کراچی اور دیگر بڑے شہروں میں تنہا زندگی گزارنے والے افراد میں جنسی کجروی کی کافی مثالیں دیکھی جاسکتی ہیں۔ کوئی بھی شخص پیدائشی طور پر جنسی جنونی یا مجرم نہیں ہوتا۔ لہٰذا ایسے افراد کو خانگی زندگی کی فراہمی اور سماجی احساسِ تحفظ کی بدولت راہِ راست پر لایا جاسکتا ہے۔ مگر کوڑے اور پھانسیاں کبھی کارگر علاج ثابت نہیں ہو سکیں۔ ایسے افراد کو نفرت کی نہیں مدد اور ہمدردی کی ضرورت ہوتی ہے ہمارے ملک کے لاکھوں ہنرمند اور غیر ہنر مند محنت کش غیر ممالک میں اپنے خون پسینے سے کمائے ہوئے زرمبادلہ کے ذریعے ملکی خزانہ بھر رہے ہیں لیکن موجودہ حکومت ان کی خون پسینے کی کمائی ہوئی دولت ہتھیاروں کی خریداری پر ضائع کر رہی ہے۔ جبکہ دوسری طرف افراطِ زر کے بڑھتے ہوئے زور نے عوام کو کنگال کر کے رکھ دیا ہے خوش قسمتی سے اگر کوئی شخص روزگار تلاش کر لیتا ہے تو اسے افراطِ زر کی وجہ

سے پیٹ بھر کھانا پھر بھی نصیب نہیں ہوتا۔ ملک کے مختلف علاقوں مثلاً کشمیر، سوات دیر، جہلم اور میانوالی وغیرہ سے آئے ہوئے نوجوان اپنی بھرپور صحت کے ساتھ کراچی میں قدم رکھتے ہیں۔ لیکن کسی کپڑا مل میں سخت محنت کے ہاتھوں صرف دو سال کے اندر خون تھوکنے لگتے ہیں۔ اور اپنی سابقہ صحت کے مقابلے میں فقط ہڈیوں کا ڈھانچہ بن کر رہ جاتے ہیں۔ ملک کے بالائی حصوں سے آئے ہوئے کسی بھی شخص کے چہرے پر کراچی کی تاریک اور حبس زدہ گلیوں کے نشانات دیکھکر بتایا جاسکتا ہے کہ وہ یہاں کتنے دنوں سے رہ رہا ہے۔ دیہی علاقوں کے عوام ذریعۂ معاش کی تلاش میں چھوٹے شہری مراکز سے ہوتے ہوئے بڑے شہروں مثلاً کراچی وغیرہ کا رُخ کرتے ہیں۔ جہاں تلاش روزگار انہیں مغربی ایشیا اور مشرقی وسطیٰ کی ریاستوں میں پہنچا دیتی ہے۔

مارشل لاء کا خاتمہ

آزاد قومی جمہوریت کے حصول کے لئے مارشل لاء کو ختم کرکے عام انتخابات کے ذریعے منتخب حکومت کا قیام عمل میں لانا ہوگا۔ حکمران عوام کے مسائل حل کرنے میں پوری طرح ناکام ہوچکے ہیں۔ پاکستان کے عوام سماجی تبدیلی کی شدید خواہش کے ساتھ میدانِ عمل میں اتر چکے ہیں۔ عوام کی اسی فیصد آبادی ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات میں سماجی تبدیلی کی خواہش کا اظہار اپنے حق رائے دہی کے ذریعے کرچکی ہے جبکہ ۱۹۷۷ء میں بھی عوام نے اس کا اعادہ کیا تھا۔

موجودہ سماجی ڈھانچے کو جُوں کا توں باقی رکھنے والوں پر منحصر ہے کہ وہ سماجی تبدیلی کے بڑھتے ہوئے عمل کو اپنی خاص رفتار میں جاری رہنے دیتے ہیں یا رکاوٹیں پیدا کرکے اسے انقلابی رخ اختیار کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔ پاکستان کے عوام بوسیدہ سماج کو ایک نئے انداز میں مرتب کرنے کے لئے پوری طرح تیار ہیں اور وہ اس حقیقت کو جان چکے ہیں کہ تاریخ کا وہ لمحہ آپہنچا ہے کہ جب عوام اپنی محکومیت کو حاکمیت میں بدل دیں اور اس سے پہلے کہ تاریخ انہیں اپنا معمول بنالے وہ خود تاریخ کو بنانے والے بن جائیں۔ اور اس سے پہلے کہ ریاستی

اداروں اُن کو روندنے کا آغاز کریں۔ وہ خود ریاستی اداروں پر قبضہ کر کے انہیں عوام دشمن قوتوں سے خلاف استعمال کرنا شروع کر دیا۔ بلاشبہ موجودہ سماجی ڈھانچہ مظلوم عوام کے لئے قطعی غیر منصفانہ نہج پر پہنچ چکا ہے۔ یقیناً عوام موجودہ سماجی ڈھانچے کو اپنے مفادات کے مطابق از سر نو مرتب کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اگرچہ عوام کو درسگاہوں پر نہیں پہنچنے دیا جاتا۔ لیکن وہ زندگی کے تجربات سے براہِ راست شعور حاصل کرتے ہیں۔ عوام اپنے رہنما اور نظریہ ساز اپنے اندر سے پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے ہر بار اپنے دشمن طبقات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے۔ اور ہر بار دشمن کی طاقت اور تعداد میں کمی پیدا کر دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عوام دشمن طبقات اب سامراجی سہارے کے بغیر ایک قدم بھی نہیں چل سکتے۔ عوام کی جدوجہد ہمیشہ لوگوں کو زیادہ منظم اور زیادہ طاقتور بناتی ہے۔ جبکہ راستے کی رکاوٹیں ان کے لئے جوہری قوت کا حکم رکھتی ہیں۔ وقت آ گیا ہے کہ مظلوم عوام سر اٹھا کر چلیں۔

ایک مٹکا پانی کے لئے میلوں چلنے والی عورتیں، اسکول جانے کی عمروں میں کیچڑ میں لپٹے ہوئے بچے، بیگاریں بھگتتے ہوئے محنت کش بوڑھے، بیمار بے روزگار غرض تمام کچلے ہوئے لوگ ملک سے طفیلی طبقات سامراج، افسر شاہی اور بدعنوانیوں کے سیاہ دور کو ختم کر کے ایک نئی زندگی مرتب کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ ایک ایسی زندگی جو ولولے، تازگی اور رجائیت سے بھرپور ہو گی۔ محنت کش عوام ملک کی تمام دولت کے خالق اور مالک ہیں۔ مٹھی بھر طفیلی طبقات جو اپنے استعمال میں آنے والی خوراک، لباس، مکان غرض کوئی چیز بھی خود تیار نہیں کرتے ان محنت کشوں پر حکمرانی کا کوئی جواز نہیں رکھتے جن کی پیدا کردہ اشیاء انہیں زندہ رکھے ہوئے ہیں۔

پاکستان اپنے محب وطن بیٹے اور بیٹیوں کا ہے۔ ملک کے محنت کش عوام جانتے ہیں کہ سماج کے کسی بھی کچلے ہوئے دھڑے کی جدوجہد اپنے داخلی معنوں میں تمام ستم رسیدہ طبقات کی جدوجہد ہوتی ہے۔ یقیناً عوام کی مشترکہ جدوجہد

ناقابل شکست ہے۔ اس بات کے لئے کسی تصدیق کی ضرورت نہیں ہے کہ عوام کی مشترکہ جد وجہد میں ملک کے تمام جمہوریت پسند، دانشور، محب وطن مذہبی حلقے نظریاتی اور مثبت طرز فکر رکھنے والے لوگ اُن کے ساتھ ہوں گے۔

V روسی/افغانی نقطۂ نظر

ہم پر غیر قانونی اور بغاوت پر اکسانے والا مواد چھاپنے، اسے قبضہ میں رکھنے، فوج کے مختلف حصّوں میں بے چینی پھیلانے اور نظریۂ پاکستان کے خلاف کام کرنے کے الزامات عائد کئے گئے ہیں۔

تاہم وکیل سرکار نے مارشل لاء حکومت کی جانب سے ان شکایات کا بھی اظہار کیا تھا کہ ہم روسی افغان نقطۂ نظر کی حمایت کرتے ہیں اور غریب طبقات کے علاوہ نچلے درجے کے سرکاری ملازمین میں بے چینی پھیلاتے ہیں۔

وکیل سرکار کے ان الزامات کے ساتھ ہی بلی تھیلے سے باہر آگئی ہے در اصل ہماری گرفتاری کی بڑی وجہ یہی ہے کہ ہم افغانستان کے مسئلہ پر چین امریکہ اور پاکستان کی حکومتوں کے موقف کی مخالفت کرتے ہیں اور روسی/افغانی نقطۂ نظر کی حمایت کرتے ہیں۔

فوجی حکومت اتنی قوت نہیں رکھتی کہ ان خاص الزامات کو چارج شیٹ میں جگہ دے سکے۔ لہٰذا اس مقصد کے لئے وکیل سرکار کی خدمات حاصل کی گئی ہیں۔ ہم جس نقطۂ نظر کی بات کرتے ہیں اسے فقط روسی اور افغان موقف نہیں کہا جاسکتا کیونکہ یہ موقف پوری دنیا کے انقلابیوں، محنت کشوں کے دوستوں عالمی امن کے حامیوں اور تمام صلح پسند لوگوں کا مشترکہ مؤقف ہے۔ جو پانچوں براعظم عبور کر چکا ہے۔ یورپ کے ہر دارالخلافہ میں لاکھوں لوگوں پر مشتمل امن جلوس اس نقطۂ نظر کی حمایت کی مشکلات میں اضافہ کر رہے ہیں۔ ایشیاء افریقہ اور لاطینی امریکہ کے عوام ایسی موقف کے باعث ایک نئی قوت حاصل کر رہے ہیں۔

جبکہ امریکی عوام نے اسی نقطۂ نظر کی بدولت صدر ریگن اور دیگر امریکی فوجی تاجروں کے ہاتھ باندھ رکھے ہیں۔ یہی وہ نقطۂ نظر ہے جس نے روس میں گذشتہ چند دہائیوں کے اندر تعلیم اور روزگار کی شرح سو فیصد تک پہنچا دی ہے۔ اور آج ہمیں روس میں آبادی کا ساٹھ فیصد سے زیادہ حصہ اعلیٰ تعلیمی ڈگریاں لئے نظر آتا ہے۔ اسی نقطۂ نظر کی بدولت کتابوں اور رسالوں کی وسیع اشاعت کے ساتھ ساتھ وسیع سائنسی اور تکنیکی ترقی ممکن ہوئی ہے۔ اسی نقطۂ نظر کی بدولت امن و امان کی وہ مثالی صورت حال پیدا کرنا ممکن ہوا ہے جس کے نتیجے میں ماسکو میں دس سال میں قتل کا ایک واقعہ رونما ہوا ہے۔ وہ بھی ایک پاکستانی کے ہاتھوں دوسرے پاکستانی کا قتل: یہی نقطۂ نظر ہر جگہ مظلوموں اور استحصال زدہ لوگوں کی غلامی کی زنجیریں کاٹ رہا ہے۔ وہ دن لد گئے جب یہ نقطۂ نظر یورپ کے نزدیک فقط ایک اندیشہ ہائے دور دراز کا معاملہ تھا۔ اب یہ نقطۂ نظر دنیا بھر کے کروڑوں محنت کشوں کی لامحدود محنت کی توانائی کا روپ دھار چکا ہے جس نے فرد کے ہاتھوں فرد اور قوم کے ہاتھوں قوم کے استحصال پر مبنی سامراجی نظام کی موت کا گجر بجا دیا ہے۔

ضیاء ٹولہ ایک ناخوشگوار حیرت میں مبتلا ہے اگر وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ ہمارا یہ موقف ملک کے فقط چند ایک لوگوں کا موقف ہے۔ یہ نقطۂ نظر ہر اس کسان کا خواب ہے جو اپنی زمین جاگیرداروں سے آزاد کرانا چاہتا ہے اور سود کی لعنت کا اسی طرح خاتمہ چاہتا ہے جیسا کہ افغان انقلاب کے بعد افغانستان میں کیا گیا ہے۔ یہ نقطۂ نظر اس محنت کش کے دل کی دھڑکن ہے جو ملک میں صنعتی ترقی چاہتا ہے اور اپنی پیدا کی ہوئی دولت کا خود مالک بننا چاہتا ہے۔ یہ نقطۂ نظر ہر محب وطن شہری کا من پسند نغمہ ہے جو پوری لگن کے ساتھ ملک کی خدمت کرنا چاہتا ہے اور ملک کو ترقی کی راہ پر گامزن دیکھنے کا خواہاں ہے در اصل یہ نقطۂ نظر پوری قوم کا نقطۂ نظر ہے جو ملک سے سامراجی دلالوں اور ان کے

پٹھوؤں کو بے دخل کر کے ترقی و کامرانی کی طرف بڑھنا چاہتی ہے۔ اگر موجودہ فوجی حکومت جمہوریت سے قبل اس نقطہ نظر کے خاتمے کی منتظر ہے تو یقیناً یہ ایک لاحاصل انتظار ہوگا۔ کیونکہ اس انقلاب کا تیز دھارا پوری شدت کے ساتھ فوجی ٹولے کو ابدی نیند سلانے کے لیئے آگے بڑھ رہا ہے۔

ہم وکیل سرکار کے ممنون ہیں جنہوں نے حقیقت کا پردہ چاک کر کے بتلا دیا ہے کہ ضیاء حکومت اور ہمارے درمیان موجودہ تنازعہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے دو عالمی نقطہ ہائے نگاہ کا تنازعہ ہے۔

ضیاء حکومت موت کے سوداگروں، استحصالی طبقات اور ظالم آمروں کے نقطۂ نگاہ کی ترجمان ہے جبکہ ہم اپنے ملک کے عوام کے ساتھ ہیں اور امن جمہوریت اور ترقی کی حمایت کرتے ہیں۔

ضیاء حکومت جب ہمارے مؤقف اور عمل کو سامراجی مفادات کی عینک سے دیکھتی ہے تو اسے فطری طور پر یہ سب کچھ انتہائی خطرناک نظر آتا ہے۔ دراصل حکمران ہمیں قید رکھنے پر مجبور ہیں۔ موجودہ صورتحال کی تبدیلی بتا دے گی کہ کون منصف ہے اور کون مجرم ہے۔

کسی بھی پاکستانی کو حتیٰ کہ ضیاء حکومت کو بھی اپنے مخصوص نظریات رکھنے، فحش اور اخلاق سوز مواد کے علاوہ اوران کا پرچار کرنے کے بنیادی انسانی حق سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ صرف عوام ہی خیالات کے رد و قبول کا اختیار رکھتے ہیں خیالات فراہمی کسی حکومت کی ذمہ داری نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی حکومت تشدد کے ذریعے سوچنے پر پابندی لگا سکتی ہے۔

جب حکومت تمام ذرائع ابلاغ کو قبضے میں لے کر انہیں ایک حقیر اور مختصر طبقے کے نظریات کی خیرات بانٹنے پر لگا رکھے تو عوام بھی یہ حق رکھتے ہیں کہ اپنے نظریات کی اشاعت کے لئے ہر ممکن طریقہ اختیار کریں۔

ہمارے مقدمے کے حوالے سے عدالت کے سامنے جو مواد پیش کیا گیا ہے اس

میں صرف اور صرف جمہوریت کی بحالی کا مطالبہ اور حمایت کی گئی ہے ۔ اور جمہوریت کی بحالی ایک ایسا مقصد ہے جس کے بارے میں مارشل لاء حکومت بھی زبانی جمع خرچ کی حد تک ہی سہی لیکن وعدے کرنے پر مجبور رہی ہے ۔ یہ مواد موجودہ مارشل لاء حکومت اور مارشل لاء کے نفاذ پر تنقید کا حامل ضرور ہے لیکن اس میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جسے ریاست کے خلاف قرار دیا جا سکتا ہے ۔

جنرلوں کی مافیا

ہم پر فوج کے مختلف حصوں میں بے چینی پھیلانے کا الزام از خود مضحکہ خیز نوعیت کا الزام ہے ۔ کیونکہ کسی بھی طبقاتی سماج میں حکومت ہمیشہ حکمران طبقات کی خدمات پر مامور ہوتی ہے اور ان کے دشمن طبقات کو کچلنے کی سعی کرتی رہتی ہے ۔

ضیاء کابینہ جاگیرداروں اور بڑے تاجروں پر مشتمل ہے جس میں پرنس معین الدین ظفر اللہ جمالی مصطفیٰ گوکل اور محمود ہارون وغیرہ شامل ہیں اور یہ کابینہ یقیناً محنت کش عوام کی نمائندگی نہیں کرتی ۔

پاکستان کے عوام اس بات پر ناراضگی کا حق رکھتے ہیں کہ انکی مسلح افواج کو عوام دشمن طبقات کے اقتدار کی برقراری کے لیئے بیساکھی کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے ۔

یقیناً ایک عام فوجی کے لئے جو اپنی نوعیت میں محض ایک کسان ہے یہ جان لینا کوئی بڑی بات نہیں ہے کہ اسے اپنے ہی عزیز رشتہ داروں کے خلاف ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے ۔ لہٰذا جو بے چینی افواج میں پھیل رہی ہے اسکی مکمل ذمہ داری فوجی اشرافیہ پر ہے ۔ جس نے مسلسل مارشل لاء نافذ کرا کے اور اس کا انتظام کرنے کے دوران خود کو مافیا تنظیم کے ان واداگیروں کا کردار اپنا لیا ہے جو سڑکوں پر دہشت پھیلانے اور غنڈہ ٹیکس وصول کرتے ہیں ۔ ہم جنرلوں کی اس مافیا کی مخالفت کرتے ہیں جس نے بزعم خود ملک کی سیاسی ذمہ داری سنبھال لی ہے اور فوج کو سیاسی جھگڑوں میں الجھا دیا ہے ۔

مزید براں مسلح افواج کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔
ایک حصّہ سعودی عرب اور دیگر خلیجی ریاستوں میں تعینات کیا گیا ہے
جہاں فوج کے حصّے کو وسیع معاوضہ پر رکھا گیا ہے جس کے نتیجے میں فوج کے
دیگر حصّوں میں لالچ اور حرص کے جراثیم تیزی سے پھیل رہے ہیں۔

فوج کا دوسرا حصّہ مارشل لاء ایڈمنسٹریٹروں پر مشتمل ہے جو نوکر شاہانہ ٹھاٹ
اور رویے اپنائے ہوئے ہے اس حصّے نے بھی فوج میں حرص و گمان کو ہوا دے
دی ہے۔ البتہ فوج کا تیسرا حصّہ عام پیشہ وارانہ خدمات کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے
لہٰذا تیسرے حصّے میں خشک مزاجی اور اکتاہٹ پیدا ہو گئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ فوجی اشرافیہ نے مسلح افواج کو کرائے کے سپاہیوں میں
بدل کر غیر پیشہ ورانہ سرگرمیوں میں الجھا کر اور اپنے پسند کے فوجیوں کو مواقع اور مراعات
دیکر آپس میں جھنجھلاہٹ اور بے چینی پھیلا رکھی ہے۔

افلاس زدہ سرکاری ملازمین

جہاں تک غریب طبقات اور نچلے درجے
کے سرکاری ملازمین میں بے چینی پھیلانے
کے الزام کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں ہم پشاور حیدرآباد اور روہڑی کے مزدوروں
اور ریلوے کارکنوں کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے فقط یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ مزدوروں
کسانوں اور تباہ حال سرکاری اور غیر سرکاری ملازمین مثلاً سپاہیوں فوجیوں اور باقی
تمام محنت کشوں کی ماہوار تنخواہیں کم از کم ایک تولہ سونے کی قیمت کے برابر مقرر
کی جائیں کیونکہ صرف اسی طرح بڑھتے ہوئے افراطِ زر کی کاٹ کو کم کیا جا سکتا ہے۔
اور کسی حد تک بہتر معیار زندگی کے قریب پہنچا جا سکتا ہے جبکہ یہی وہ طریقہ ہے
جس کے ذریعے تمام شعبہ ہائے زندگی میں ایمانداری اور باصلاحیت لوگ پیدا
کئے جا سکتے ہیں۔

طفیلی طبقات کے لئے بدعنوانیوں کا مسئلہ ایک غیر اہم بات ہو سکتی ہے کیونکہ
ان کے تمام دولت ہی ناجائز ذرائع کی پیداوار ہوتی ہے لیکن محنت کش طبقات کے

اخلاقی معیار کا برقرار رہنا ملکی معیشت کے لئے شہ رگ کی طرح ضروری ہے۔

صرف اسی طرح ایک کسان اپنے مفاد کے پیش نظر بہتر شرائط کے ساتھ زمیندار کو اپنی خدمات فراہم کر سکتا ہے اور صرف یہی راستہ ہے جو ملک کو صنعتی اور تجارتی ترقی میں پیش قدمی کی راہ پر ڈال سکتا ہے۔

احتساب

جب مارشل لاء حکومت نے وزیر اعظم کو معزول کر کے قتل کرنے کا فیصلہ کیا تو اس نے احتساب کو اسلام کی بنیادی شرط قرار دے کر متعارف کرایا اور یوں مجموعی طور پر احتساب کا ہتھیار وزیر اعظم بھٹو کو قتل اور اپنے مخالفین کو دہشت زدہ کرنے کے لئے استعمال کیا یہ بھی واضح بات ہے کہ اس احتساب کی انگلی ہمیشہ دوسروں پر اٹھائی جاتی ہے۔

راولپنڈی مقدمہ سازش گذشتہ تین دھائیوں سے خفیہ عدالت کے کمرے میں بند پڑا ہے لیکن موجودہ حکومت نے اس مقدمے کی کارروائی سے عوام کو آگاہ کرنا کبھی اپنے فرائض اور احتساب میں شامل نہیں سمجھا ہے۔

یہ مقدمہ پہلے فوجی غاصب جنرل ایوب خان کا تیار کردہ تھا۔ ہر چند کہ اس قانون کو ہی غیر آئینی قرار دیا جا چکا ہے۔ جس کے تحت خصوصی عدالت قائم کی گئی تھی جس نے راولپنڈی مقدمہ سازش چلایا تھا۔ جس کے مقدمے میں ملوث ملزمان کو رہا کر دیا گیا تھا۔ لیکن عوام ابھی تک مقدمے کی مکمل کارروائی سے بے خبر رکھے جا رہے ہیں۔ تاکہ عوام کو معلوم نہ ہو کہ ایوب خان نے کیا سوچ کر یہ سازش تیار کی تھی اسی طرح یحییٰ خان کو عدالتیں غاصب قرار دے چکی ہیں لیکن احتساب کا نام لیوا موجودہ فوجی حکومت یحییٰ حکومت کے بارے میں کوئی بات تک نہیں کرتی بنگلہ دیش وجود میں آ چکا ہے لیکن ابھی تک سابقہ مشرقی پاکستان میں نسل کشی کی تحقیقات سے متعلق حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ منظر عام پر نہیں لائی گئی۔ احتساب کا مطلب ایک یہ بھی ہے کہ اقتدار پر قابض حکمرانوں کے خلاف عوامی پوچھ گچھ

کا عمل جس کا وقت ضرور آئے گا لیکن پاکستان کے حکمران طبقات نے احتساب کا مطلب غاصبوں کی شاہانہ قطار کے سامنے مظلوم عوام کا احتساب سمجھ رکھا ہے۔

جنرل ضیاء کا کہنا ہے کہ وہ خود کو احتساب سے بالاتر نہیں سمجھتے اور ہر وقت اپنے آپ کو احتساب کے لئے تیار رکھتا ہے لیکن کس کے سامنے؟ سرکاری ملازمتوں کے قانون کے مطابق جنرل ضیاء کا سیاست میں حصّہ لینا قابل گرفت عمل ہے جبکہ وہ اب بھی وردی میں موجود ہے لیکن سرکاری ملازمتوں کے قانون کو کہاں تلاش کیا جائے؟

ایک احتساب رائے عامہ کے ذریعے سامنے آتا ہے لیکن جنرل ضیاء نے عام انتخابات پر پابندی لگا رکھی ہے۔ اور سیاسی جلسوں کے انعقاد کو روک کر ہر عام سیاسی خیالات کا اظہار کرنا ناممکن بنا دیا ہے۔

جنرل ضیاء کے خلاف احتساب کا عمل خبروں کے ذریعے بھی ممکن نہیں ہے کیونکہ صحافت کو سنسرشپ کے ذریعے مفلوج بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔

اگر جنرل ضیاء کے احتساب کے لئے عدالتوں کی طرف دیکھا جائے تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ جنرل ضیاء عدالتوں سے بالاتر ہو چکا ہے کیونکہ کسی عدالت کو اس کے اعمال کے خلاف سماعت اور فیصلے کا حق نہیں ہے نذیر عباسی کے قتل کے سلسلے میں درج شدہ ایف آئی آر سرد خانے میں ڈال دی گئی ہے جبکہ نذیر عباسی کے قاتلوں کے زمرے میں ضیاء کا نام بھی شامل ہے۔ اور نذیر عباسی کی بیوہ کے وارنٹ گرفتاری جاری کر دیئے گئے ہیں۔

یقیناً جنرل ضیاء کا احتساب خدا کے حضور ممکن ہے کیونکہ خوش قسمتی سے خدا کی ذات اس کے تشدّدانہ آلات کی حدود سے باہر ہے لیکن اسی طرح جن لوگوں کے موت کے پروانہ پر ضیاء نے دستخط کئے ہیں ان کا احتساب بھی خدا کے سامنے ہی ہونا چاہیئے۔

مسلح افواج کے مخصوص افسران مارشل لاء ایڈمنسٹریٹروں کی صورت میں ملک پر

مسلط ہو جاتے ہیں اور اپنی ریشہ دوانیوں کے ذریعے مسلح افواج کے مجموعی دور کو عوام کی نظروں میں مجروح کرتے ہیں۔

احتساب کی عوامی روایت

عوام احتساب کی ایک مختلف روایت رکھتے ہیں عوامی احتساب مظلوم طبقات کی مشترکہ جدوجہد کے نتیجے میں ایک ایسی مسلح طاقت کو جنم دیتا ہے جس کی روایت ہمیں انقلاب فرانس کے وقت ظہور پذیر ہوتی ہوئی نظر آتی ہے جب (ریگن اور ضیاء کے پیشروؤں) یورپ کے بادشاہوں نے انقلاب فرانس کو کچلنے کے لئے ایک مقدس اتحاد کر لیا تھا لیکن فرانس کے عوام اور ان کی مسلح طاقت نے آ[illegible] اخوت اور مساوات پر گہرے یقین کے ساتھ مشترکہ طور پر شاہ پسندوں کے رجعتی حملوں کو یورپ کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پسپا کر دیا تھا۔ نپولین نے مسلح افواج کی عوام سے جڑی ہوئی طاقت پورے مرکز پر پھیلا دی تھی۔ عوامی احتساب کی یہی روایت روسی بالشویک انقلاب میں بھی اپنی طاقت کا مظاہرہ کر چکی ہے۔ روسی عوام کے سرخ محافظوں نے ملک کو استحصالی طبقات سے نجات دلانے میں بنیادی کردار ادا کیا تھا اور پھر سرخ فوج میں شامل ہو کر چودہ سامراجی طاقتوں کو شکست سے دوچار کیا تھا احتساب کی یہی روایت شاہ دشمن انقلاب کے بعد ایران میں بھی جڑ پکڑ چکی ہے ایرانی مسلح افواج سامراج نواز پٹھوؤں سے پاک ہو چکی ہے اور اس کے علاوہ اس نے عراقی فوج کا بھرپور مقابلہ کر کے دنیا بھر کو حیرت زدہ کر دیا ہے ایران میں فوج اور عوام میں گہرا رشتہ پیدا ہو چکا ہے جس کی وجہ سے ایک قومی جنگ اور ملک میں قومی انتخابات ایک ساتھ دیکھنے میں آ رہے ہیں۔ دراصل احتساب کی یہی وہ شکل ہے جو بے چینی کے تمام آثار ختم کر دیتی ہے اور فوج کو ایک قابل بھروسہ ہتھیار بناتی ہے ورنہ دوسری صورت میں ایسے احتساب کی عدم موجودگی ۹۰ ہزار فوجیوں کو اپنے ہی وطن میں ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیتی ہے یہ انقلاب ایران میں وقوع پذیر ہو چکا ہے اور اب اس کے پڑوس میں وقوع پذیر ہونے والا ہے۔ عظیم ایرانی

کے عوام اور عظیم پاکستان کے عوام آپس میں دینی بھائی ہیں۔

VI نظریۂ پاکستان

یحییٰ خان کے غاصبانہ دورِ حکومت میں جمہوریت اور سماجی تبدیلی کے لئے جدوجہد کرنے والوں کے خلاف انتقامی کارروائیوں کے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے نظریہ پاکستان کا فرضی ہیولا تراشا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نظریات کا تعلق ملکوں سے نہیں لوگوں اور گروہوں سے ہوتا ہے۔ تحریکِ پاکستان میں تاریخ کی نظریہ پاکستان نام کی کسی شئے کا ذکر موجود نہیں ہے۔ پاکستان کی عمارت کا سنگِ بنیاد قائداعظم نے اپنی تاریخی اور مشہور تقریر مورخہ ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء میں دستور ساز اسمبلی کے سامنے انتہائی وانشگاف الفاظ میں سیکولر طرزِ فکر پر رکھا تھا۔ قائداعظم کی اس تقریر میں جمہوریت اور عوام کی فلاح وبہبود سے متعلق بنیادی خیالات موجود ہیں۔ آج موجودہ حکومت اسی سنگِ بنیاد کو پوری سنگینی کے ساتھ تباہ کر رہی ہے۔

قائداعظم کا سیکولر تصوّرِ حکومت

قائداعظم نے دستور ساز اسمبلی سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا۔ "آپ اپنے مندروں اور مسجدوں میں جانے کے لئے مکمل آزاد ہیں۔ پاکستان میں ریاست کو اس سے کوئی غرض نہیں ہے کہ آپ کس فرقے اور کس عقیدے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہم اس بنیادی اصول کے ساتھ آغاز کر رہے ہیں کہ ہم اس ریاست کے مساوی حقوق رکھنے والے شہری ہیں۔ چنانچہ میں سمجھتا ہوں کہ وقت کیساتھ ساتھ ہندو ہندو نہیں رہیں گے اور مسلمان مسلمان نہیں رہیں گے۔ لیکن مذہب کے مفہوم میں نہیں بلکہ مذہب ہر شخص کا ذاتی عقیدہ ہوتا ہے بلکہ سیاسی مفہوم میں ریاست کے ایک شہری کی حیثیت سے"۔

بابائے قوم کا پیش کردہ یہی تصوّر سیکولر جمہوریت ہے یہ تصوّر تمام شہریوں کو برابر قرار دیتا ہے اور مذہبی معاملات میں ریاستی مداخلت کی سخت ممانعت

کرتا ہے اگر نظریۂ پاکستان کا مطلب یہی ہے تو ہم اس کی بھرپور حمایت کرتے ہیں اگر ایسا ہے تو ضیاء حکومت بھی نظریۂ پاکستان کے خلاف کام کر رہی ہے ہم محب وطن علماء کو عوام کا حصہ سمجھتے ہوئے استحصالی طبقات کے تیار کردہ نام نہاد نظریاتی تصور کی مخالفت کرتے ہیں۔ جبکہ قائداعظم کے پیش کردہ نظریہ پاکستان کو موجودہ حکمران پوری طرح کچلنے میں لگے ہوئے ہیں۔ حکمران طبقات کا تخلیق کردہ نظریاتی تصور ملک میں نظریات کی جنگ کو اسلحے کی جنگ میں بدل دینا چاہتا ہے۔ یہی نظریاتی تصور ہے جو تشدد اور جنگ کی توجیہ کے لئے "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" کے نظریے کو ہوا دے رہا ہے جنرل یحییٰ کے نظریہ پاکستان نے ملک کو دو ٹکڑے کر دیا اور بنگلہ دیش کو وجود میں لانے کا سبب بن گیا تھا۔ ہمیں موجودہ حکمرانوں کے نظریہ پاکستان کے پس پردہ ملک کی سالمیت کے لئے چھپے ہوئے خطرے کو نظرانداز نہیں کرنا چاہیئے۔

جنرل ضیاء کی قدامت پرستی

اگر نظریہ پاکستان ابہام پسندوں کے تعصبات اور تصورات کے غیر واضح ملغوبہ کے طور پر پیش کیا جاتا ہے تو ہم اسے جنرل ضیاء اور رجعت پسند ملاؤں کے لئے اٹھا رکھتے ہیں مجھے یقین ہے کہ جب تک یہ "اسلامی" جنرل برسراقتدار ہیں اسلام کو بدنام کرنے کی ان سے بہتر کوشش کوئی اور نہیں کر سکتا۔ جہاں تک رجعت پسند کا تعلق ہے یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ متعصب ملا جدید رجحانات اور تصورات سے دور رہنا چاہتے ہیں لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ یہی متعصب ملا جدید رجحانات کے نتیجے میں حاصل ہونے والے اثرات کے فوراً مالک بن بیٹھتے ہیں متعصب ملا گھنٹوں لاؤڈ اسپیکروں کے ذریعے شیطانی ایجادات اور نظریات کے خلاف تقریریں کرتے ہیں جبکہ انکی تبلیغ میں استعمال ہونے والا لاؤڈ اسپیکر بذات خود اسی شیطانی سائنس کی ایجاد ہے۔ جس کے ذریعے وہ اپنی مخالفت دور دور تک پہنچاتا ہے یہ محض اتفاق نہیں ہے کہ متعصب ملا سامراجی مفادات کی تکمیل کے لئے ایسا نقطہ نظر اپناتا ہے جس کے نتیجے میں پس ماندہ ملکوں میں سامراجی مال کی کھپت کی حوصلہ افزائی

ہوتی ہے اور یہی ملّا ان پس ماندہ ممالک میں بنیادی ٹیکنالوجی اور صنعت کی تنصیب
کے راستے میں روکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں تاکہ چھوٹے ممالک سیاسی اور معاشی آزادی
کی راہ اختیار نہ کر سکیں۔ ہمیں امریکہ مہلک اور جان لیوا ہتھیار بڑی فراخ دلی سے
مہیا کرتا ہے جبکہ اسٹیل مل کے لئے ہمیں روس جانا پڑتا ہے۔

غیر ملکی اسلام

اگر نظریہ پاکستان کو تمام غیر ملکی نظریات سے الگ کر دیا جائے تو میرے خیال میں ہماری
اپنی زمین پر پیدا ہونے والا نظریہ صرف باباگرونانک کا نظریہ ہے کیونکہ اس
انداز میں دیکھا جائے تو اسلام بھی ایک غیر ملکی زمین پر ظہور پذیر ہوا تھا اور اس کی پرورش
بھی دیارِ غیر میں ہوئی ہے۔ اگر ہمارے باپ دادا بھی غیر ملکی نظریات سے اسی
قدر بدظن ہوتے جسطرح موجودہ حکومت اپنے رویے میں بدظن ہے تو (خدانہ کرے)
اب تک ہم لوگ بھی حلقۂ اسلام سے الگ ہی ہوتے۔

وہ لوگ قابلِ تحسین ہیں جنہوں نے ابتدا ہی میں اسلام کی لامحدود سچائیوں
کا ادراک حاصل کر لیا۔ اور سمجھ لیا کہ خیالات جب پھیلتے ہیں تو پوری انسانیت کا
مشترکہ سرمایہ بن جاتے ہیں۔

ہمارے پیشرو

ہمیں چاہیئے کہ ہم گہرائی میں جا کر نظریہ پاکستان کی بنیادیں تلاش کریں یقیناً پاکستان کا حقیقی
کلچر موہن جو دڑو کے حوالے سے تلاش کیا جا سکتا ہے لیکن موہن جو دڑو کی تہذیب
ایک ایسی تہذیب بتائی جاتی ہے کہ جو اس بات سے بے خبر تھی کہ کس طرح ایک
ڈنڈے کے ذریعے اکثریت کی محنتوں کا پھل چھینا جا سکتا ہے۔ موہن جو دڑو میں
فوجی ٹولے کا ایسا کوئی استعمال نہیں تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ تہذیب فوجی طاقت
سے ہی واقف نہیں تھی۔ اس کے بجائے یہ تہذیب ثقافتی مظاہروں اور رقاصوں
سے آگاہ تھی۔

فرضی ہیولا

ہم پر نظریہ پاکستان کے فرضی ہیولے کیخلاف

کام کرنے کا الزام بذاتِ خود انتہائی احمقانہ ہے پاکستان کے عوام نے کبھی بھی اس طرح کے نظریہ کی حمایت نہیں کی ہے مارشل لاٗ حکومت خود بھی جانتی ہے کہ ایسے کسی نظریے کا کوئی وجود نہیں ہے۔ دراصل اس مبہم اور بے وجود نظریے کا مقصد حکمران طبقات کے وجود کو قائم رکھنا اور اُن کے مخالفین کو کچلنا ہے۔

میاں افتخار الدین مرحوم نے ۴۹ واٗ میں قرار داد مقاصد پر اسمبلی میں بحث کے دوران طاقت کے غلط استعمال پر متنبہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

"کوئی بھی ایسا موقعہ آسکتا ہے جب کبھی ریاست یا کوئی برسرِ اقتدار جماعت یہ کہہ کر کہ عوام اللہ تعالٰی کی حدود سے باہر نکل چکے ہیں، عوام کا حکم ماننے سے انکار کر دے" (دستور ساز اسمبلی)

دہشت گرد ضیاء کے نقشِ قدم پر

اُن تمام لوگوں کی طرح جو بندوق کے ذریعے اقتدار قائم رکھتے ہیں، پاکستان کے موجودہ حکمران بھی اپنے پٹھوؤں کو پیدا کر چکے ہیں جو اُن کے خلاف اُن ہی کے انداز میں دہشت گردی کے طوفان اٹھائے ہوئے ہیں۔ موجودہ حکمران اور اُن کے پٹھو عوامی طاقت کے منظم ہونے کے خوف سے عوام میں باہمی جھگڑے کھڑے کر کے انہیں کمزور کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ کیونکہ جن حکمرانوں کو عوامی حمایت حاصل نہیں ہوتی وہ تقسیم کرو اور حکومت کرو کے فلسفے پر عمل کرتے ہیں۔

پاکستان کی علاقائی سیاسی صورتِ حال اپنے اندر گہرے اور خوفناک نتائج رکھتی ہے لہذا پاکستان اس بات کا متحمل نہیں ہو سکتا کہ اس کی تقدیر ایسے غیر ذمہ دار گروہ کے ہاتھ میں دے دی جائے جو عوام کے سامنے کسی قسم کی جواب دہی کے لیئے تیار نہیں ہے۔ ہم ایک سابقہ مارشل لاٗ کے تجربے سے گزر چکے ہیں جس نے پاکستان کو اتحاد اور سالمیت کے دفاع کے نام پر دو لخت کر دیا تھا۔ آج پاکستان کے عوام کی ذہنی اور ملکی ترقی کے لیئے سماج کے تمام حصوں اور ملک کے تمام حصوں کے

درمیان گہری یگانگت اور اتحاد کی ضرورت ہے کیونکہ اکٹھے رہنا ہے اور الگ ہونا ختم ہو جاتا ہے۔ ہندوستان ایک وسیع و عریض ملک ہے لیکن اس کے تمام علاقوں میں اور تمام حصوں میں اتحاد قائم رہنے کی وجہ سے اس کی ملکی سالمیت بھی قائم ہے۔

ہندوستان میں سماجی یگانگت کی بنیادی وجہ معاشی یکجہتی کے علاوہ سیاسی جماعتوں کی آزادانہ حرکت ٹریڈ یونین کسان تنظیموں اور دوسری تمام طبقاتی اور پیشہ وارانہ تنظیموں کی آزادانہ سرگرمیوں میں مضمر ہے۔ ہندوستان میں متواتر عام انتخابات اور دوسرے مظاہرے جمہوری عمل کو قائم رکھا ہوا ہے۔ ہندوستان کے اتحاد کو فوجی دھمکیوں اور کینہ پرور انتظامیہ اور انتقامی کارروائیوں کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔

VII پاکستان عوام کا ہے

پاکستان میں بھی صرف محنت کش عوام ہی اپنے طبقاتی اتحاد اور طبقاتی جدوجہد کے ذریعے ملک کو سیاسی طور پر استحکام بخش سکتے ہیں۔ ملتان کے مزدوروں کی لڑائی صحافیوں کی بھوک ہڑتال، پٹ فیڈر کے کسانوں کی جدوجہد اور امریکی سفارتخانوں اور قونصل خانوں کے سامنے کئے جانے والے عوامی مظاہرے در حقیقت ملک کے تمام علاقوں اور محب وطن طبقات کی ہر سطح پر حمایت اور اتحاد کے آئینہ دار ہیں۔ تاہم ملکی سالمیت اور استحکام کے لئے ضروری ہے کہ مشترکہ جدوجہد جمہوری عمل کے از سر نو آغاز، پڑوسی ممالک سے بہتر تعلقات اور عام انتخابات مطالبات سے پوری طرح جڑی رہے۔ لیکن ضیاء حکومت کے لئے ایسی صورتحال یونانی "اتھنیا" کی طرح ثابت ہوگی جو اسے فالتو قرار دے کر بے دخل کر دے گی۔ یہ بات اپنی جگہ پر ہے کہ مارشل لائی حکومت کوئی لوہے کا حلقہ نہیں ہے لیکن اسے عوام کی مشترکہ جدوجہد کے تانے بانے کے ذریعے ہی ختم کیا جا سکتا ہے۔ اور ملکی پائیداری کے لئے سیاسی اداروں کی تکمیل کی جا سکتی ہے۔

عوام کی تخلیقی قوت

ضیاء حکومت نے سیاسی جماعتوں اور سیاسی سرگرمیوں پر پابندی لگا رکھی ہے۔ لیکن

حقیقت یہ ہے کہ رجعت پسند سیاسی جماعتوں کو کام کرنے کی کھلی اجازت ہے۔ رجعت پسند جماعتوں کو عوام سے رابطے مجلس عاملہ کے اجلاس منعقد کرنے اخباری بیانات جاری کرنے اور ہم خیال سیاسی جماعتوں سے میوزیکل چیئر جیسا کھیل کھیلنے کی مکمل اجازت ہے۔ یہاں تک کہ پیر پگارا کی خود کلامیوں کی تمام تر مضحکہ خیزی کو بھی انتہائی احتیاط سے شائع کیا جاتا ہے۔ البتہ یہ پابندی جمہوریت پسند اور ترقی پسند سیاسی جماعتوں اور انکی سرگرمیوں کے خلاف پوری قوت سے استعمال کی جارہی ہے حتیٰ کہ سنسر شپ کا اطلاق بھی صرف محب وطن عوام سے متعلقہ خبروں پر کیا جاتا ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ بائیں بازو کی جمہوریت پسند اور محب وطن سیاست کو ختم نہیں کیا جاسکا۔ عوام اپنی خبروں اور نظریات کی اشاعت کے لئے متبادل طریقے استعمال کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں عوام سے متعلق بڑی تعداد میں شائع ہونے والے سرخ پرچم، ہلچل اور دوسرے سیاسی مواد کی مثالیں موجود ہیں اور یہی مواد ہمارے خلاف اس مقدمے میں شہادت کے طور پر حکومت کی جانب سے پیش کیا گیا ہے۔

ملک میں بحرانی کیفیت اتنی شدید ہو چکی ہے کہ ضیاء حکومت بھی اپنا متعصبانہ طرز عمل چھپا نہیں سکی ہے۔ یہاں تک کہ موجودہ حکومت اپنے ہی بنائے ہوئے قوانین کو ہر جگہ اور مساوی طور پر نافذ کرنے کے قابل نہیں رہی ہے۔ موجودہ حکومت بحالی جمہوریت سے خوفزدہ رہنے کی وجہ سے خبروں کی اشاعت اور ترسیل کی آزادی ختم کر چکی ہے لیکن عوام نے موجودہ حکومت کے ہتھکنڈوں کو ناکام بنانے کے لئے اپنے طریقے ایجاد کر لئے ہیں۔ حکومت نے طاقت کا ہتھیار استعمال کیا ہے لیکن عوام نے ثابت کر دکھایا ہے کہ طاقت ایک خاص عرصے کے بعد خود اپنا توڑ پیدا کر لیتی ہے حکومت نے عوام کو اقتدار سے بیدخل کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن نتیجہ خود حکومت کی بیدخلی اور علیحدگی کی صورت میں نکل چکا ہے۔ حکومت نے عوام کو بوسیدہ ماضی کے خوابوں پر قناعت کرنے کا سبق دیا ہے۔ لیکن عوام ایک روشن مستقبل کے تصور

پر نظریں جمانے پر بضد ہیں۔

چہروں کی تبدیلی بے کار ہے

حکومت اور دوسری رجعت پسند سیاسی جماعتیں ایک بار پھر چہروں کی تبدیلی کے ذریعے عوام کو دھوکہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں، رجعت پسند سیاسی جماعتوں کا ایک مخصوص گروہ جمہوریت کے حامیوں کا بہروپ بھر کر عوام کو اقتدار سے بے دخل کرنے کی بھرپور کوشش کر رہا ہے تاکہ سماجی تبدیلی کو کچھ اور مدت کے لئے ٹالا جا سکے۔ حکمران طبقات عوام پر بھروسہ کرنے کی بجائے کسی نجات دہندہ کی بذیانی تلاش میں سرگرم ہیں۔

عوام مارشل لاء اور اس کے حامیوں کی اس لائن کی شدت سے مخالفت کرتے ہیں اور اس کے خلاف اس بات کی حمایت کرتے ہیں کہ وزیراعظم بھٹو، نذیر عباسی، حمید بلوچ، عنایت مسیح، گل شیر خان، لالہ اسد اور دوسرے کئی ایک محب وطن اور جمہوریت پسندوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگنے والوں کو، محب وطنوں کو پاکستان کے عوام کی راہ اپنانے کے جرم میں تشدد گاہوں میں پہنچانے والوں کو اپنے جرائم کا حساب دینا ہوگا۔ عوام کی راہ جمہوریت کی راہ ہے اور جمہوریت کا مطلب مزدوروں کسانوں عورتوں طالب علموں دانشوروں محب وطن علماء اور محنت کش عوام کے دیگر حصوں کی حکومت کا قیام ہے۔ جمہوریت کا مطلب ابن الوقتوں اور مارشل لاء کے حلیفوں کے خاتمے کی جدوجہد ہے۔ دوسرے لفظوں میں عوام اب ضیا ٹولے کے آلۂ کار اور PNA ۱۹۷۷ء کی نئی شکل سے فریب کھانے کو تیار نہیں ہیں درحقیقت بحران ایک گانٹھ کی طرح ہوتا ہے اگر گانٹھ نہ کھلے تو اسے کاٹ دینا پڑتا ہے۔

پاکستان کے بحران کی گرہ کھولنے کا ایک ہی راستہ ہے کہ آئین کے تحت انتخابات منعقد کرا کر اقتدار منتخب نمائندوں کے حوالے کر دیا جائے۔ اور یہ کام مستقبل کی پارلیمنٹ پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ قومی اور جمہوری حقوق کے اضافے کے ذریعے آئین کو زیادہ جامع بنائیں اور عوام دشمن کالے قوانین کو نکال باہر کریں۔

فتح عوام کی ہوگی

اگر حکومت اس رائے کو تسلیم نہیں کرنا چاہتی تو پھر عوام اپنی جد وجہد کے ذریعے اس غیر آئینی حکومت کو ہٹا دیں گے۔ عوام لاقانونیت اور دہشت گردی کو ختم کر دیں گے جس کا ارتکاب قانون نافذ کرنے والے ادارے کر رہے ہیں۔ ملک میں حقیقی عوامی حکومت لائی جائے گی۔ جو دوبارہ قومی وقار بحال کر کے آزاد سیاسی فضا قائم کرے گی اور سامراج کے پٹھوؤں کا صفایا کرے گی۔ اور اس طرح عام انتخابات کے ذریعے ایک سیاسی آئینی جمہوری حکومت لائی جائے گی جو کہ ملک کو ترقی اور فروغ کی شاہراہ پر لے جائے گی۔

حکمران طبقات کو معلوم ہونا چاہیئے کہ سامراج انہیں خاتمہ سے نہیں بچا سکتا۔ اس لئے کہ تاریخ اور دنیا بھر کے محنت کش عوام کے ساتھ ہیں۔



کامریڈ جام ساقی، پروفیسر جمال نقوی رہائی کے بعد اپنے پہلے سیاسی دورے پر روانگی۔

خصوصی فوجی عدالت کراچی کے سامنے

کامریڈ جام ساقی

مجھے ۱۰ر دسمبر ۱۹۷۸ء کو حیدر آباد میں گرفتار کیا گیا تھا اور ان ہی الزامات کے تحت حیدر آباد سندھ کی ایک خصوصی فوجی عدالت مجھے دس سال کی سزا سُنا چکی ہے۔ حالانکہ اس کے متعلق سندھ ہائی کورٹ نے التوا کا حکم نامہ بھی جاری کیا تھا اور یہ رائے دی تھی کہ مذکورہ مقدمہ زیادہ سے زیادہ سمری ملٹری کورٹ میں چلائے جانے اور فیصلہ سنائے جانے کے قابل ہے۔

(واضح رہے کہ اس وقت سمری ملٹری کورٹس کو صرف ایک سال کی سزا دینے کا اختیار تھا) اس وقت کے الزامات اور موجودہ الزامات میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس کے باوجود موجودہ حکومت نے مجھے اس مقدمے میں اس لئے ملوث کیا ہے تاکہ میری قوتِ ارادی کو کمزور کیا جا سکے اور مجھے عوام کی آزادی اور جمہوری حقوق کی جدوجہد اور اُن کے پرچار میں حصّہ لینے سے روک سکے۔ اس کے باوجود کوئی بھی سرکاری گواہ مجھ پر کسی قسم کا کوئی بھی الزام ثابت نہیں کر سکا ہے۔ یہ مقدمہ بھی سابقہ مقدمے کی طرح سیاسی ہے۔ اور مجھے علم ہے کہ فوجی عدالتیں اپنے حکامِ اعلیٰ کے احکامات کی تعمیل کرتے ہوئے سزائیں ہی دیتی ہیں۔ اس لئے ان کو کسی بھی طور پہ عدلیہ سے کوئی مشابہت اور ہم آہنگی نہیں

نہیں دی جا سکتی۔ ہماری مشکلات اور مسائل کے متعلق ہماری گزارشات کا جو حشر ہوا وہ بھی آپ کی زبردستی اور آپ کے اعلیٰ حکام کی عداوت کا بیّن ثبوت ہے۔

آپ کے خلاف ہمیں ذاتی طور پر کوئی شکوہ نہیں ہے۔ میں کمیونسٹ ہوں اور اپنی تمام شعوری زندگی تک میں اپنے عوام کے لیے لڑتا رہوں گا اور لڑتا رہا ہوں۔ آپ کو میرے خلاف فیصلہ دینے کی نہ طاقت ہے اور نہ ہی اپنی کوئی جائز حیثیت ہے میرے متعلق آخری فیصلہ تاریخ کرے گی۔ یقیناً وہ افراد جو اپنے ملک اور عوام سے فریب اور غداری کرتے ہیں انہیں تاریخ میں کوئی مقام نہیں ملا کرتا اور وہ لوگ جو عام انسانوں کے لئے اپنی زندگی وقف کرتے ہیں اور اپنی جان کا نذرانہ دیتے ہیں انہیں تاریخ کبھی بھی فراموش نہیں کر سکتی۔ آپ میں سے ہر کسی کو تاریخ کی اس عدالت کے سامنے اپنے تمام اعمال اور سزاؤں کے لئے جوابدہ ہونا پڑے گا۔

میں آپ کو کیسے دیکھتا ہوں ۔ اس کے متعلق تو میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ اپنی بات کہوں گا۔ میرے ملک کی کہانی خون اور آنسوؤں سے لکھی گئی ہے لیکن جن لوگوں نے اپنے ملک اور عوام سے دھوکہ کیا ہے ان [illegible] غداری کو بھی کبھی نہیں بخشا جائے گا ــــــ جمہوری اور محنت کش عوام کی [illegible] نے ان حاکموں کو اس قدر خوفزدہ کر رکھا ہے کہ ان مارشل لاٗ حاکموں نے مجھے اس مقدمہ میں ملوث کرنا ضروری سمجھا جو میری گرفتاری کے بیس ماہ اور کچھ دن بعد قائم کیا گیا تھا اور چونکہ یہ بھی ایک سیاسی مقدمہ ہے اس لئے مجھے اپنے سیاسی دفاع کے ساتھ ساتھ خود اپنا دفاع بھی کرنا پڑے گا۔ مجھے ۱۰ دسمبر ۱۹۷۸ء کو گرفتار کرنے کے بعد میرے ساتھ جو وحشیانہ برتاؤ کیا گیا اور جو اذیتیں دی گئی ہیں، میں دوبارہ ان کا ذکر نہیں کروں گا مجھے

امید ہے کہ یہ کورٹ میرا وہ بیان پڑھ چکی ہوگی جو میں نے اس مقدمے سے قبل حیدرآباد کی خصوصی فوجی عدالت میں دیا تھا لیکن مجھے دی گئی اِن اذیتوں کی کہانی وہیں پر ختم نہیں ہو جاتی۔ جیل میں بھی یہ حکمراں ٹولہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آیا اور جیل حکام کو بار بار یہ تاکید کرتے رہے کہ جیل میں مجھے انتہائی قید تنہائی میں رکھا جائے حالانکہ ملک کی اعلیٰ عدالتیں قید تنہائی کو اذیت ناک اور غیر قانونی قرار دے چکی ہیں۔ مجھے ہمیشہ "سی" کلاس میں رکھا گیا ہے۔ مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور ڈپٹی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جو فوجی حکام ہونے کی اپنی حیثیت کی بنا پر فوری کارروائی کرنے والے کہلاتے ہیں، اور انہوں نے ابھی تک دو سال پرانے کاغذات پر بھی کوئی کارروائی نہیں کی اور ہوم سیکرٹری ویسے بھی قیدی کو بی کلاس دینے سے گریزاں ہے، سو میرے معاملے میں تو کوئی کارروائی کرنے کے لئے قطعی طور پر تیار نہیں ہے۔ گزشتہ حکومتوں کے دور میں مجھے "بی" کلاس میں بھی رکھا گیا ہے لیکن اب مجھے بتایا گیا ہے کہ آجکل آمدن وغیرہ کے سرٹیفکیٹ کے بغیر کوئی وجہ قابل قبول نہیں ہے۔ گویا ہمارا ملک ایک محدود کمپنی ہے اور اس میں صرف انہی لوگوں کو کچھ حقوق مل سکتے ہیں جن کے پاس اس کے کافی شیئرز یعنی حصص کے سرٹیفکیٹ موجود ہوں۔ میں نے ایسا بھی ایک عدد سرٹیفکیٹ بھیجا ہے لیکن "ہمارے بدنام مرغے" کی وہی ایک ٹانگ سا ہے۔

ابتدائی گواہیوں کے لئے مجھے حیدرآباد سنٹرل جیل میں لایا گیا اور میرے جیل پہنچنے کے کچھ دن بعد اسی جیل میں بیگم نصرت بھٹو کو بھی لاکر نظر بند کیا گیا۔ میں نے انہیں ایک خط لکھا اور جیل کے قواعد کے مطابق اُسے جیل کے وارڈ کو دیا تاکہ اگر جیل حکام کو کوئی اعتراض نہ ہو تو وہ خط بیگم صاحبہ کو دیا جا سکے بصورت دیگر اُسے واپس کیا جائے مگر کراچی جیل کے سپرنٹنڈنٹ نے مذکورہ خط بیگم صاحبہ کو دینے یا مجھے واپس کرنے کی بجائے لے جاکر اپنی کسی بڑی توپ کے حوالے کر دیا اور مجھ پر خود اپنے پاس بھی کوئی مقدمہ چلا۔ لئے بغیر تیس

دنوں کے لئے قید تنہائی میں ڈنڈا بیڑیاں لگا کر کھولی (کوٹھری) میں بند کرنے کی سزا سنادی گئی۔ ایک لمحے کے لئے ہی سہی، ذرا یہ تصوّر تو کیجئے کہ کہاں ایک سیاسی قیدی اور کہاں یہ ڈنڈا بیڑیاں! میری معلومات کے مطابق، میں پہلا سیاسی قیدی ہوں جسے یہ ڈنڈا بیڑیاں لگائی گئیں اور مجھے یقین ہے کہ ان احکامات کے پس پردہ کوئی بڑی توپ ہو گی ورنہ سپرنٹنڈنٹ جیل کو ایسے احکامات جاری کرنے اور عمل درآمد کرنے سے پہلے سو بار سوچنا پڑتا۔ یہاں میں یہ یاد دلانا چاہتا ہوں کہ پہلے جب میں خفیہ فوجی اذیت گاہ ہوں میں اپنی زندگی اور موت سے برسرپیکار تھا، تب مجھے روزانہ چار ٹیکوں کے حساب سے تیس دنوں تک — DEPRASSIVE کرنے والے انجکشن لگائے گئے تھے اور یہ اس لئے کیا گیا تھا کہ میری قوّت ارادی اور اعصاب کو کمزور کیا جا سکے۔ ان ایک سو بیس انجکشنوں کا میری صحت پر کتنا اثر پڑا ہے یا پڑے گا، اس کا فیصلہ تو ماہر ڈاکٹر ہی کر سکتا ہے۔ ایک ایسی حکومت جو اپنے مخالفوں کے خلاف ایسی وحشیانہ کارروائی کرتی ہے وہ کسی طرح بھی مہذب نہیں ہو سکتی۔ مجھے یقین ہے کہ ہمارے اس پراسرار غازی کے کسی بہت ہی قریبی رفیق کار نے ایسا اشارہ دیا ہوگا ورنہ کوئی چھوٹا موٹا افسر کبھی بھی اپنے طور پر ایسی حرکت نہیں کر سکتا تھا۔ بہرحال یہ وحشیانہ برتاؤ اور دوسری ایسی غیر انسانی، غیر اخلاقی اور غیر قانونی کارروائیاں پاکستان کے عوام کے خلاف ان کے جارحانہ حملے کا حصّہ ہیں۔ اَب تو پھر امریکی سامراجیوں سے اپنا ناطہ جوڑا گیا ہے جس سے ان کی زبردستی اور بڑھ گئی ہے اور یہی وجہ ہے کہ عوام کے سامنے دہشت گردی، اذیتوں اور مقدموں کی ایک نئی لہر نظر آ رہی ہے اور اس علاقے کی صورت حال نے بجا طور پر سامراجیوں کے ہوش و حواس خطا کر دیئے ہیں۔ ایران میں سامراج دشمن جمہوری انقلاب کامیاب ہو چکا ہے۔ ایران کے بہادر عوام نے ظالم، جابر اور سنگدل شہنشاہ کو ٹھوکر مار کر نکال دیا ہے۔ کیونکہ شاہ ایران اس علاقے میں امریکی سامراج کا ایک اہم

چوکیدار تھا۔ اور اُس کے ذمہ تیل کی سپلائی اور اُس کے منافع کو حفاظت سے امریکہ پہنچانے کا کام تھا اس لئے کہ تیل کا منافع امریکی اقتصادیات کا اہم عنصر ہے، افغانستان میں قومی جمہوری انقلاب تیزی سے آگے بڑھنے لگا اور اُسے سوویت یونین اور عالمی امن کیمپ کے خلاف استعمال کرنے کی آخری امید بھی رائیگاں گئی، ہندوستان میں مرارجی ڈیسائی اور اُن کے ہمنواؤں کو بھارتی قومی اتحاد) عوام نے پھر مسترد کر دیا۔

ان صدمات نے سامراجیوں کے حوصلے پست کر دیئے اور انہیں بے چین کر دیا ہے کاؤ بوائے فلموں والا وحشی اور لڑاکا ریگن وائٹ ہاؤس میں اپنے دانت گڑا چکا تھا۔ امریکی سامراج کے ساتھ چین کی توسیع پسند حکومت بھی عوام دشمن سازش میں شریک ہو چکی ہے۔ چینی حکومت آجکل امن کے عالمی کیمپ، سوشلسٹ بلاک اور قومی آزادی کی تحریک کے خلاف عموماً اور افغانستان اور ہندوستان کے خلاف خصوصاً سازشیں کر رہی ہے اور اب یہاں ہمارے ملک میں پُراسرار وردی پوش جنرل ضیاء اور اُس کا ٹولہ جو اپنے ہی بوٹوں سے اپنے ہی بدنصیب ملک کے عوام کو کچلنے اور اپنا ہی ملک فتح کرنے کا انتہائی ماہر ہو چکا ہے، انہیں یہ تبدیلیاں ڈراؤنے خواب کی طرح محسوس ہوئیں اور وہ بُری طرح دہشت زدہ ہو گئے۔ انہیں بخوبی علم ہے کہ ہمسایہ عوام کی ان کامیابیوں نے ہمارے عوام کی اُمنگیں جوان اور حوصلے بلند کر دیئے ہیں۔ مگر کوئی حکومت عوام سے جتنی بھی کٹی ہوئی ہوگی، اتنی ہی ظالم، وحشی، بے مصرف اور سامراج کی دستِ نگر ہو گی، لہٰذا ایک طرف سامراج کو اس علاقے کے لئے کسی نئے چوکیدار کی ضرورت تو دوسری طرف اس پُراسرار غازی اور غاصب جنرل ضیاء کو کسی مضبوط سہارے کی ضرورت تھی۔ فریقین کی انہی ذاتی ضروریات نے اس نام نہاد ناطے کو جنم دیا ہے۔ عام اصطلاح میں اسی کو چور کا بھائی گرہ کٹ کہا جاتا ہے۔ جنوب اور جنوب مغربی ایشیا میں سامراج دشمن سیلاب کے آگے بند باندھنے کے لئے ہی واشنگٹن، اسلام آباد اور بیجنگ کا محوری اتحاد تیار کیا جا رہا ہے۔ اور

اب ہمارے اس پُر اسرار غازی نے عجیب و غریب تقاریر جھاڑنا شروع کر دیں کبھی کبھی تو وہ بہت ہی مضحکہ خیز تبصرے بھی کرنے لگا۔ اس نے کھلم کھلا کہا کہ اگر امریکہ اس کا اور اس کے ٹولے کا رسہ گیر نہ بنا تو پھر ترکی سے لے کر ویت نام تک کوئی پٹھو امریکی سرکار نہ رہے گی۔ اسرائیل کا نام لینے سے اس نے قصداً جان چھڑائی کہ کہیں پاکستان کے باشعور عوام کے غیض و غضب کا شکار نہ ہونا پڑے۔ اس نے کہا کہ پاکستان عربوں کے تیل والے علاقے کا ایک عقبی دروازہ ہے۔ اس کے علاوہ ملک کے اقتدارِ اعلیٰ اور قومی وقار کو مٹی میں ملانے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے یہ بھی کہا کہ پاکستان نسبتاً ایک چھوٹا ملک ہونے کی وجہ سے امریکہ سے کسی بھی چیز کا مطالبہ نہیں کر سکتا اس کی بجائے امریکی توجہ کے لئے درخواست گزار ہی ہو سکتا ہے — اور اس کا یہ کہنا بجائے خود اس بات کا اقرار ہے کہ یہ بیان ناطہ باعزت یا مسادیانہ نہیں! اس پُر اسرار غازی نے چین کے اُکسانے پر پہلے ہی افغانستان کے خلاف سازشیں کر کے پرائے پھٹے میں ٹانگ اڑائی تھی۔ چنانچہ امریکہ نے اس کے بعد ہی سے ہدایات اور معاوضہ دینا شروع کر دیا — امریکہ کو تو اس علاقے میں ایسا مہرہ مل گیا اور اسے کیا چاہیئے تھا، سو اس نے اُسے اور بھی آگے بڑھانا شروع کر دیا۔ ۱۹۵۹ء والے فوجی معاہدے کا منحوس مردہ پھر زندہ کیا گیا۔ یہ معاہدہ ملک کے پہلے مکمل مارشل لا اور اور فوجی آمریت کی منحوس ترین باقیات میں سے ایک تھا۔ امریکی اسلحہ خانے سے میکارتھی ازم کا مذموم کمیونسٹ دشمن ہتھیار بھی درآمد کیا گیا۔ پُر اسرار غازی جو پہلے اپنے آپ کو غیر جانبدار قرار دے رہا تھا، اس نے ترقی پسندوں اور دیگر محب وطن لوگوں پر الزامات کی بوچھاڑ کر دی اور اس کی بے جا تکرار شروع کر کے کھلم کھلا اپنے آپ کو رجعت پسند کہلوانے لگا۔ نیئے نطفے کے جزوی عوض کے طور پر یہ شخص امریکہ کو اس کی جنوبی کمان کے لئے گوادر کا اڈہ دے چکا ہے۔ یہ کمان بنیادی طور پر تیل کی رسد جاری رکھنے کے لئے قائم کی گئی ہے اور اس کے ذمہ یہ فریضہ بھی ہے کہ اگر عرب

امریکہ کی ناز برداریاں اٹھانے کے لئے تیار نہ ہوں تو وہ فوراً تیل کے کنوؤں پر قبضہ کرلے۔ ویسے بھی ہمارے اس غریب ملک کے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور سینئر جنرل امریکہ کو اڈے فراہم کرنے میں کافی بدنام ہیں۔ مرحوم قیوم خاں پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ اکتوبر ۱۹۵۸ء میں ایک امریکی سفیر نے انہیں پاکستان کی صدارت پیش کی تھی اور یہ پیشکش صرف ایک شرط سے مشروط تھی کہ وہ پاکستان میں بڈابیر والے امریکی اڈے کی میعاد میں پانچ سال کی توسیع کردیں، انہوں نے انکار کیا اور دوسرے دن سڑکوں پر ایوب خان کے ٹینک گشت کر رہے تھے اور ملک پر مارشل لاء مسلط ہو چکا تھا۔ پھر ایوب خاں نے امریکہ کی خواہش کے مطابق اس اڈے کی میعاد میں پانچ سال کی بجائے دس سال کی توسیع کردی! ——

تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے لیکن اس بار اعلیٰ سطح پر دہرا رہی ہے۔ پہلے بڈابیر والا اڈہ صرف سوویت یونین کے خلاف سازشوں کا مرکز تھا لیکن موجودہ اڈہ گوادر کا ایران، افغانستان، سوویت یونین حتیٰ کہ مغرب نواز ممالک سمیت تمام عرب ممالک کے خلاف سازشوں کا مرکز ہے۔ اواکس طیارے سوویت یونین، ایران افغانستان اور ہندوستان پر پرواز کے لئے پر تول رہے ہیں۔ ہمارا بدنصیب ملک مفاد پرستوں کے ایجنٹ افغان بھگوڑوں کو تربیت دینے اور انہیں امریکی اور چینی اسلحہ پہنچانے کی آماجگاہ بن چکا ہے۔ اس معاملے میں مصر کے مرحوم صدر انور سادات ایک انٹرویو میں پہلے ہی ان کی پول کھول چکے ہیں۔ حال ہی میں دسمبر ۱۹۸۲ء میں پاکستان نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں انسانی حقوق کی قرارداد کے خلاف امریکہ اور اسرائیل کے ساتھ ووٹ بھی کیا ہے اور ایسا پہلی بار ہوا ہے کہ پاکستان نے کھلم کھلا غیر جانبدار اور اسلامی ممالک کی مخالفت میں امریکہ اور اسرائیل کی اس قدر طرفداری کی ہے۔ اور اس نام نہاد اسلامی حکومت کا یہی اصلی روپ ہے۔ اب تو یہ راز بھی فاش ہو چکا ہے کہ ۱۹۷۸ء کی دہائی کے وسط سے

اسرائیلی کا ایک جاسوسی ادارہ موساد بھی اسلام آباد میں کام کر رہا ہے۔ (روزنامہ اسٹار کراچی ۱۶ دسمبر ۱۹۸۲ء) واضح رہے کہ یہ وہی وقت ہے کہ جب مٹی کا آپریشن فیئر پلے شروع ہوا تھا۔

ان حقائق سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ پاکستان اب غیر جانبدار ملک نہیں رہا۔ بقول پُراسرار غازی کے" اس دنیا میں صرف دو ہی ملک غیر جانبدار ہیں ــــ ایک امریکہ اور دوسرا سوویت یونین ــــ! اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس بے چارے کو تو غیر جانبداری کے معنی بھی معلوم نہیں ہیں ــــ! لہٰذا جناب والا ــــ! موجودہ مقدمے میں میری شمولیت دراصل موجودہ حکومت کے امریکہ کے ساتھ تئے ناطے اور دست نگری کا ایک واضح ثبوت ہے اور اس قدیمی دشمنی اور سامراجی سازشوں کی کہانی ۱۹۵۳ء سے شروع ہوتی ہے جب امریکی نوازافسر ان کے ایک چھوٹے ٹولے نے موقع پرست اور اپنے حواری سیاست دانوں سے مل کر جی ایچ کیو (فوجی ہیڈ کوارٹر) کی مدد سے خواجہ ناظم الدین کی حکومت کا تختہ الٹ دیا تھا اور پھر ان کی برطرفی نے پاکستان میں سازشوں کے جال کی راہ ہموار کر دی۔ امریکہ میں پاکستان کے ایک سفیر محمد علی بوگرہ کو وہاں سے درآمد کر کے پاکستان کا وزیراعظم مقرر کیا گیا اور اس عوام دشمن سازشوں میں جنرلوں کے ٹولے نے چونکہ اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس لئے انہوں نے اس اقتدار میں حصہ مانگا اور اس طرح ایوب خاں کو وزیر دفاع مقرر کر دیا گیا۔ اس وقت سے لے کر آج تک فوجی ہیڈ کوارٹر ملک کی پالیسیاں بنانے میں اہم کردار ادا کرتا رہا ہے اور اس ضمن میں ہمیں یہ کبھی نہ بھولنا چاہئے کہ فوجی نوکر شاہی جو ہمیں انگریزوں سے ورثے میں ملی ہے بنیادی طور پر امن و امان قائم رکھنے کے لئے بنائی گئی تھی۔ یعنی اس کا اہم فریضہ آزادئ وطن کے لئے لڑنے والوں کو دبا کر رکھنا تھا۔ اس لئے اُسے ملک کے اندرونی معاملات میں مداخلت اور ریشہ دوانیوں کا چسکا پڑا ہوا تھا۔ اس نے نہ صرف انتظامیہ میں

اپنے اثر و رسوخ میں اضافہ کیا بلکہ موقع غنیمت جان کر نوکر شاہی سرمایہ بھی پیدا کیا اس نے زرعی زمینوں پر بھی قبضہ کیا، حتیٰ کہ بالآخرہ ایک مفاد پرست ٹولہ بن گئے۔ اس مفاد پرست ٹولے نے امریکی سامراج کا سہارا لیا اور اس سے فوجی معاہدے کئے۔ پھر حکمران طبقوں کو جلد ہی اندازہ ہوگیا کہ یہ ٹوٹی لنگڑی اسمبلی بھی ان کے عزائم کی راہ میں رکاوٹ ہے اس لئے انہوں نے اسے بھی برطرف کر دیا۔ اس وقت کی اسمبلی کے اسپیکر مولوی تمیزالدین نے اس کارروائی کے خلاف ایک پٹیشن داخل کی۔ ان کی دلیل یہ تھی کہ منتخب اسمبلی کے ذریعے عوام ہی اقتدار اعلیٰ کے مالک ہیں نہ کہ گورنر جنرل جو کہ اس وقت برطانوی حکومت سے نامزد کیا جاتا تھا۔ کیاجاتا تھا، لیکن اس وقت کی اعلیٰ عدالت نے اس کارروائی کو جائز قرار دے دیا۔ یہ حالانکہ سات سال بعد جسٹس منیر نے خود اعتراف کیا کہ انہوں نے یہ فیصلہ حکومت کے دباؤ اور دھمکی کے تحت سیاسی بنیاد پر کیا تھا۔ مسلم لیگ عوام میں اس قدر غیر مقبول ہو چکی تھی کہ جب مشرقی پاکستان میں انتخابات ہوئے تو مسلم لیگ نے ۳۱۰ نشستوں میں سے صرف ۹ نشستیں حاصل کیں لیکن مرکز میں اقتدار پر قابض ٹولے نے عوام کی رائے کو ماننے سے انکار کر دیا اور ان کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا۔

درحقیقت سامراجی پٹھوؤں کی حکومت تمام جمہوری قوتوں کو کچلنے کا تہیہ کر چکی تھی اور اس نے اسی لئے کمیونسٹ پارٹی آف پاکستان پر پابندی عائد کر دی، ترقی پسند ادیبوں کی انجمن، طلباء کی متعدد انجمنوں اور دیگر ترقی پسند تنظیموں پر بھی پابندیاں عائد کر دی گئیں اور ہزاروں سیاسی رہنماؤں اور کارکنوں کو قید کر دیا گیا۔ چونکہ کمیونسٹ پارٹی اپنے ملک کے مظلوم عوام کے حقوق کی اہم علمبردار ہوتی ہے۔ اس لئے ہر عوام دشمن حکومت پہلا حملہ اسی پارٹی پر کرتی ہے اور عوام کے حقوق اور انصاف کی جدوجہد کی رہنما کمیونسٹ پارٹی پر حملہ کر کے اسے کمزور کرنے سے پہلے کسی بھی حکومت کے لئے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ وہ اپنے ملک

کے عوام پر حملہ کر سکے۔ وقت نے اس سچائی کو اور اُجاگر کیا ہے۔ فوجی ہیڈکوارٹر کا سامراج نواز ٹولہ ۱۹۵۱ء سے لے کر آج تک کبھی پنڈی سازش کیس کے نام پر تو کبھی کسی دوسرے بہانے ملک کے محب وطن اور جمہوری عناصر کو کچلنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کے بعد علاقے کی دوسری سامراج نواز حکومتوں اور امریکہ سے ایک فوجی معاہدہ بھی کیا گیا جس کی ایک شق یہ بھی تھی کہ "اندرونی یا بیرونی حملے کی صورت میں وہ ایک دوسرے کی مدد کریں گے"۔

اب چونکہ عوام کے غیض و غضب سے بچنے کے لئے یہ امریکہ کا سہارا لے چکے تھے اس لئے نام نہاد مساوات کے لئے (پیریٹی) اور ون یونٹ مسلط کر کے مشرقی پاکستان کی نمائندگی گھٹا دی گئی اور اس طرح چھوٹے صوبوں کے عوام کو محکوم بنا دیا۔ حالانکہ ملک کا اقتدار اعلیٰ پہلے ہی امریکہ کے پاس گروی رکھ دیا گیا تھا اور اس حکمراں ٹولے میں فوجی ہیڈکوارٹر کے پسندیدہ جنرل بھی شامل تھے۔ پھر بھی اس حکومت میں چونکہ کچھ غیر فوجی حضرات بھی شامل تھے اس لئے انہیں عوام کے دباؤ کے سامنے گھٹنے ٹیک کر یہ اعلان کرنا پڑا کہ فروری ۱۹۵۹ء میں عام انتخابات کروا لئے جائیں گے لیکن یہ انہیں جلد ہی احساس ہو گیا کہ عوام اُنہیں اور اُن کے آقا امریکہ کو مسترد کر دیں گے انتخابات کے انعقاد سے صرف پانچ ماہ قبل اچانک ایوب خان اسٹیج پر نمودار ہوا اور ملک کا محافظ بن بیٹھا۔ اس نے ملک میں مارشل لاء لگا کر تمام سیاسی جماعتوں سیاستدانوں اور پریس پر پابندی لگا دی۔ ۱۹۵۴ء میں جس چیتے نے خون کا ذائقہ چکھا تھا وہ اب مکمل طور پر آدم خور بن چکا تھا۔ چونکہ ایوب حکومت سابقہ نام نہاد سول حکومت سے بھی زیادہ عوام سے کٹی ہوئی تھی اس لئے اُسے امریکہ کے اور زیادہ سہارے کی ضرورت تھی لہٰذا اس نے پہلے سے موجود سیٹو، سینٹو اور بڈابیر دینے والے ۱۹۵۴ء کے دو فریقی معاہدے کے علاوہ

۱۹۵۹ء میں ایک اور دو فریقی معاہدہ بھی کیا۔ ایوب خاں حکومت کا مارشل لاء تقریباً چار سال تک ملک میں رہا جس نے ملک میں بنیادی جمہوریت کا سررشتہ رائج کیا جو کہ ۱۹۱۹ء والی بلدیاتی حکومت کی بگڑی ہوئی شکل تھی ـــــــ اسی موقع پر یہ یاد رکھنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ یہ ایوب خاں کا دورِ حکومت ہی تھا جب کثیر القومی کارپوریشن پھلی پھولی۔ جس کے بعد اس نے ملک بھر کی دولت جونک کی طرح چوسنے میں دلال سرمایہ داروں کی مدد کی اور دلال سرمایہ داروں کے بدنام زمانہ بائیس خاندانوں نے ہر شعبۂ اقتصادیات میں اپنی اجارہ داری قائم کرلی۔ نوکر شاہی سرمایہ پھول کر کُپا ہوگیا۔ متعدد فوجی افسروں کو زمینیں دی گئیں تاکہ وہ ان مراعات کی بنا پر نہ صرف خاموش رہیں بلکہ خود بھی مفاد پرست ٹولے کا حصّہ بن کر نہ صرف مارشل لاء لگانے بلکہ اپنے ہی ملک کے عوام پر گولیاں برسانے کے لئے ہر وقت تیار رہیں۔ یہاں یہ یاد دلانا بے موقع نہ ہوگا کہ جنرل ضیاء الحق نے بھی سندھ میں ۳ ہزار ایکڑ اراضی حاصل کی ہے جو سکھر ضلع کے گدو بیراج کے علاقے میں ہے۔

آزادی اور خاص طور پر قائدِ اعظم کے بعد مسلم لیگ اپنے منشور سے پھر گئی جس میں زرعی اصلاحات کے بلند بانگ دعوے کئے گئے تھے جس کے نتیجے میں مشرقی بنگال کے صوبائی انتخابات میں اس نے عبرت ناک شکست کھائی۔ مسلم لیگ کے اپنے منشور کے عمل سے پھرنے کی وجہ سے دوسری انتہائی رجعت پسند جماعتوں کے لئے راستہ صاف ہوگیا اور سیاسی جماعتوں کی سرگرمیوں پر مسلسل پابندی نے ملک میں ایسا ماحول پیدا کیا کہ جمعیت علمائے پاکستان جیسی مسلم لیگ سے بھی زیادہ رجعت پسند جماعتیں پیدا ہوگئیں۔ مسلم لیگ سرمایہ داروں کی ایسی جماعت تھی جو تمام مسلمانوں کی انتہائی خیرخواہ ہونے کی دعویدار بنتی تھی جب کہ جمعیت علمائے پاکستان جیسی کٹر رجعت پسند جماعتوں کا اسلام تو سیاسی بھی نہیں ہے کیونکہ یہ

جاگیردارانہ اور قبائلی دور کے فرسودہ طبقوں کی نمائندگی کر رہی ہیں۔ مسلم لیگ بھی ترقی اور قومی خیر خواہی کی بجائے تنزل کی طرف گئی ہے اور مسلم لیگ جو کبھی روشن خیال مسلمانوں کی جماعت تھی اور قائد اعظم جس کے پہلے صدر تھے آج یہاں تک جا پہنچی ہے کہ اس کا صدر حکومت کے قریبی گٹھ جوڑ کا شریک ایک پیر ہے!

ایوب خان حکومت کا عوام نے عین اس وقت بیڑہ غرق کر دیا جب وہ اپنا دس سالہ جشن منا رہی تھی۔ عوام نے اس کے جبر اور اقتدار کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا اور گلی گلی اس خود ساختہ صدر کے لئے ایوب کتا ہائے ہائے کے نعرے لگانے لگے اور اس احتجاج کے بعد وہ گول میز کانفرنس بلانے پر مجبور ہو گیا لیکن جنرلوں کے اس ٹولے نے ایک بار پھر سازش کر کے کرسی پر قبضہ کر لیا اور نیا مارشل لاء لگا کر یحیٰی خاں کو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر مقرر کر دیا گیا پھر اس کے ساتھ ہی دوبارہ تمام سیاسی جماعتوں پر پابندی اور اظہار رائے کی بندش عائد کر کے تمام آزادی سلب کر لی گئی لیکن آخر کار اس فوجی ٹولے کو بھی عوام کے شدید دباؤ کی وجہ سے بنیادی جمہوریتوں کے فرسودہ نظام کو ختم کر کے ایک آدمی ایک ووٹ کی بنیاد پر عام انتخابات کا اعلان کرنا پڑا اور ون یونٹ کو توڑ کر مغربی پاکستان کے چھوٹے صوبوں کو بحال کرنا پڑا اور یحیٰی خاں نے اگرچہ انتخاب تو کر وا دیا لیکن اقتدار عوام کے منتخب نمائندوں کے سپرد کرنے سے انکار کر دیا۔ ایوب خاں ملک کو پیچھے دھکیل کر ۱۹۱۹ء تک لے آیا تھا۔ جب بلدیاتی ادارے ہندوستانیوں کے ہاتھوں میں تھے لیکن صوبائی اور مرکزی حکومتیں انگریزوں کے قبضہ میں تھیں مگر یحیٰی خاں اس سے کچھ آگے بڑھ کر ۱۹۳۵ء تک آنے کے لئے تیار تو ہوا اور عوام کے منتخب نمائندوں کو دوہرے سررشتہ کی پیش کش کی جس کے مطابق اس وقت چند محکمے تو عوام کے منتخب نمائندوں

کے سپرد تو ہو نے تھے لیکن اہم محکمے پھر بھی جنرلوں کے ٹولے اور ان کے امریکی آقاؤں کے پاس رہنے تھے عوام کے منتخب نمائندوں کو اپنے سانچے میں ڈھالنے کے بعد یحییٰ خاں نے پورے ملک پر حملہ تیز کر دیا اور خصوصاً مشرقی پاکستان میں قتلِ عام شروع کرا دیا۔ دراصل حقیقی مقابلہ تو پاکستان کے عوام اور اس فوجی ٹولے کے درمیان تھا جسے بعد میں سپریم کورٹ نے غاصب اور غیر منصف قرار دیا تھا ــــــ پارٹی کے فیصلے پر عمل کرتے ہوئے میں نے پاکستان کے پہلے سیاستدان ہونے کا اعزاز حاصل کیا تھا جس نے اس قتلِ عام کی مخالفت کی تھی۔ میں نے یہ قتلِ عام شروع ہونے کے دوسرے دن ہی یعنی ۲۶ مارچ ۱۹۷۱ء ہی کو ایک اپیل جاری کی تھی جس میں، میں نے کہا تھا کہ۔ پاکستان کا مسئلہ سیاسی ہے اور یہ حل بھی سیاسی طور پر ہی ہو سکتا ہے۔ میں نے اپنی اس اپیل میں اس بات اور اپنے اس اعتماد کا اظہار بھی کیا تھا کہ بالآخر .... پاکستان کا محنت کش طبقہ اور جمہوری قوتیں یہ جنگ جیت لیں گی۔ چنانچہ اس کے بعد میرے اس موقف کی بنا پر فوج کی بڑی توپیں میری جان کے درپے ہو گئیں حالانکہ اس معاملے میں تاریخ میرے اس موقف کو درست، موثر اور بروقت ثابت کر چکی تھی اور عوام نے یحییٰ خاں اور اس کے ٹولے کو منہ توڑ جواب دیا تھا۔

اس وقت کی مذموم فوجی کارروائی میں یحییٰ ٹولے کی سخت شکست نے انہیں فی الحال پس پردہ اپنے بلوں میں جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ اگرچہ عارضی طور پر ہی سہی۔ جنرلوں کے ٹولے کے ہٹ جانے اور ملکی معاملات میں اپنی ٹانگ اڑانے سے جان چھوٹنے پر پاکستان کے عوام نے اپنے فطری راستے پر آگے بڑھنے میں پیش قدمی کی۔ یہ فطری راستہ امن اور ترقی کا تھا۔ شملہ معاہدہ جو دراصل لفظ بہ لفظ معاہدۂ تاشقند جیسا ہی تھا، اس پر دستخط کئے گئے جس نے بھارت سے پُرامن اور دوستانہ تعلقات کی ایک نئی راہ کھول دی۔ واضح رہے کہ پہلے جنرلوں کا ٹولہ

معاہدۂ تاشقند کو ناکام بنانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ اس کے علاوہ پاکستان نے سیٹو چھوڑ دیا تھا۔ اور سینٹو اور ۱۹۵۹ء والے دو فریقی معاہدے میں اپنی سرگرم شرکت ختم کر دی تھی۔ اور اس طرح ہمارا ملک غیر جانبدار ملکوں کی صفوں میں شامل ہو گیا تھا۔ ملک میں حقیقی نہیں تو لولی لنگڑی ہی زرعی اصلاحات کی گئیں اور پاکستانی بنکوں، بیمہ کمپنیوں اور اجارہ داروں کے کچھ کارخانے بھی قومی ملکیت میں لے لیئے گئے۔ صنعت میں قومی ملکیت کا تناسب بڑھا دیا گیا۔ تعلیمی اداروں کو قومی ملکیت میں لے کر میٹرک تک تعلیم مفت کر دی گئی فولاد کے کارخانے کی تعمیر تیزی سے مکمل ہونے لگی۔ مزدوروں کو کسی حد تک روزگار کی ضمانت اور دوسرے فوائد دیئے گئے۔ کسانوں کو بھی کسی حد تک ان کے حقوق دیئے گئے۔ مطلب یہ کہ سامراج کے اس اہم مہرے یعنی جنرلوں کے ٹولے کے کمزور ہو جانے سے ہمارے ملک میں ایک خودمختاری کی سی خوشبو آنے لگی اور جاگیرداری وسرمایہ داری کو کمزور کیا گیا لیکن سینئر جنرلوں کا ٹولہ گویا اپنے زخم چاٹ رہا تھا۔ اور مناسب موقع کی تاک میں تھا۔ ملک میں اقتدار غیر اجارہ دار سرمایہ دار یا ابھرتے ہوئے نوزائیدہ سرمایہ دار کے ہاتھ میں آ گیا تھا جس نے سامراج سے نجات حاصل کرنے کا راستہ اختیار کیا اور کسی قدر اندرونی اصلاحات بھی کیں لیکن نہ تو سامراج اور نہ ہی رجعتی جنرلوں کی اچھی طرح بیخ کنی کی گئی تھی۔ اس لیئے وہ کسی ایسے موقع کی تاک میں گھات لگائے بیٹھے تھے جب تمام عوام دشمن اور رجعت پسند ٹولوں کو ملا کر حکومت کو کمزور اور ناکام بنانا ممکن ہوگا۔ جنرل ضیاء مسلح افواج کے کمانڈر انچیف کے عہدے تک صرف اس لیئے پہنچایا گیا کہ اس نے امریکہ کے اشارے پر اردن میں فلسطینیوں کے خلاف فوجی کارروائی کی تھی۔ ذرا ضرورت سے زیادہ پر اسرار ہونے

کی وجہ سے یہ پُراسرار غازی ایک طرف تو قومی اتحاد کی بیٹھ ٹھونکتا رہا اور دوسری طرف ظاہراً منتخب وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کو اپنی وفاداری کا یقین دلاتا رہا۔ اُسے اپنے وعدوں جھوٹی قسموں اور دوغلے پن کو چھپانے کے لئے اور بھی زیادہ اسلام محلاتی ضرورت ہے پروفیسر غفور اپنے ایک ایک بیان میں تسلیم کر چکا ہے کہ قومی اتحاد اس پُراسرار غازی کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا اور اُسے آگے لانے کی راہ ہموار کر رہا تھا۔

ایوب خاں والے فوجی ڈنڈے پر تبصرہ کرتے ہوئے حبشی کیانی مرحوم نے کہا تھا کہ مصیبت کبھی تنہا نہیں آتی وہ دستور کی صورت میں آتی ہے۔ یہاں تو پوری فوج تھی ——— بشکل اس ڈنڈے کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ لوگ جمہوریت کو قربان کرنے اور اپنی حقیقی آزادی کو بھینٹ چڑھانے کے لئے تیار نہیں ہیں مگر یحییٰ خاں کرسی سے چپک گیا حالانکہ اس کے عوض اُسے آدھا ملک قربان کرنا پڑا۔ پھر ضیاء الحق نے قومی اتحاد کو اشارہ دیا کہ ۱۹۷۷ء کے انتخابی نتائج کو ضائع کیا جائے جن میں اکثریت سے پاکستان پیپلز پارٹی کامیاب ہو چکی تھی۔ قومی اتحاد کے رہنما یا تو پاگل تھے یا پالتو غنڈے تھے جو یہ نہ سمجھ سکے کہ انگریزوں کا تربیت یافتہ جنرلوں کا ٹولہ کبھی انتخابات نہ کروائے گا اور اگر مجبور ہو کر انتخابات کو ٹال نہ سکا تب بھی اس کے نتائج کو تسلیم نہ کرے گا۔

اپنے ہی ملک کے فاتح اس پُراسرار غازی کو واشنگٹن والی ریگن گینگ اپنا مہرہ سمجھتی ہے اور ظاہر ہے کہ جو جرنیل اردن میں فلسطینیوں کا قتل عام کرنے کے لئے تیار ہو اور اپنے ملک کے عوام کو کوڑوں، اذیت گاہوں بے جا پابندیوں اور پھانسی گھاٹوں کے تحفے دیتا ہو اس پر تو وہ اعتبار کر ہی سکتا ہو کہ وہ امریکی سامراج سے نیا ناطہ جوڑتے ہوئے اپنے ملک کے مفادات پر سامراجی مفادات کو ترجیح دے گا اور اس پر تو وہ یہ بھی بھروسہ کر سکتے ہیں کہ یہ ان کے لئے اپنے ملک کی

سلامتی اور قومی وقار کو بھی داؤ پر لگا دے گا!

محترم صدر اور ارکانِ عدالت! میں نے اور دوسرے جمہوریت پسندوں نے ہمیشہ ملک کے اقتدارِ اعلیٰ اور خودمختاری کے لئے جدوجہد کی ہے جب کہ ضیاء اور اس کے ٹولے نے ملک کا وقار اور ملک کو گروی رکھدیا ہے۔ ۱۶ اپریل ۱۹۸۱ء کو امریکہ کی وزارتِ خارجہ کے ترجمان نے اعلان کیا کہ یہ درست ہے کہ پاکستان اور امریکہ کے درمیان شادی کی بات چیت چل رہی ہے لیکن ابھی تو صرف منگنی ہوئی ہے!" مسٹر آغا شاہی نے بھی اس تبصرے کی تصدیق کی تھی لیکن اب یہ سمجھنا مشکل نہیں ہے کہ اس رشتے میں دلہن کا کردار کس کو ادا کرنا پڑے گا۔ امریکہ کی حالیہ پیشکش بھی ایسی سیدھی سادی نہیں ہے جیسا کہ اُسے عوام کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔ اس سلسلے میں متعدد وفود کی آمد و رفت ہوئی ہے اور اسی سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہمارے سینئر جرنیلوں نے امریکہ کی تمام شرائط مان لی ہیں

اس بات کی خود ضیاء الحق نے بار بار تصدیق کی ہے کہ پاکستان فرنٹ لائن اسٹیٹ (اگلا مورچہ) ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ضیاء افواجِ پاکستان کو اس سامراجی فوج کا حصہ سمجھتا ہے جو ساری دنیا کے مظلوم عوام سے جنگ میں مصروف ہے جبکہ پاکستان کے عوام اپنی فوج کو اپنی مادرِ وطن کے بہادر سپوتوں اور سچے جانثاروں کی فوج بنانا چاہتے ہیں۔ ضیاء اس علاقے میں سامراجیوں کا چوکیدار بننا چاہتا ہے۔ جب کہ ہمارے عوام غیر جانبدار رہ کر آگے بڑھنے کے خواہشمند ہیں۔ وہ اسے اس قسم کی سازش جاری رکھنے کی اجازت ہرگز نہ دیں گے اس حکومت نے مصطفٰے گوکل اور بیگم زنار النساء نون کو اپنی کابینہ میں شامل کیا ہے مصطفٰے گوکل کا سگا چچا اسرائیلی حکومت کا ایجنٹ تھا اور اُس کے لئے جاسوسی کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑے جانے پر اُسے عراق میں پھانسی دیدی گئی تھی اور رجال عبدالناصر

مرحوم نے بھٹو شہید کو کہا تھا کہ وہ سی آئی اے کی بدنام ایجنٹ بیگم وقار النساء نون عرف "وکی" سے خبردار رہیں اور ضیا ر نے اپنی کابینہ میں کم از کم دو جانے پہچانے سی آئی اے کے ایجنٹ شامل کر کے خود ہی ثابت کر دیا ہے کہ وہ کس کا بندہ ہے۔

اس وقت پاکستان میں ۲۵۲ غیر ملکی کمپنیاں کام کر رہی ہیں اور اُن میں سے اکثر امریکی ہیں۔ صرف دواؤں کی کمپنیوں نے گزشتہ سال اپنے بطور منافع ساٹھ کروڑ ڈالر ملک سے باہر بھیجے ہیں۔ ایک بیوریج کمپنی جس نے کل ساڑھے سات ہزار ڈالر کا سرمایہ لگایا تھا، اب تک صرف سولہ سال میں تیس کروڑ روپے بطور منافع باہر بھیج چکی ہے۔ ہمارا ان کمپنیوں پر کنٹرول صرف اتنا ہے کہ جب گزشتہ سال یہ حکم جاری ہوا تھا کہ کمپنیاں اپنے ۴۰ فیصد حصص پاکستانیوں کو فروخت کریں تو ان میں سے صرف دو نے اس حکم کی تعمیل کی تھی۔ امریکی امدادی جماعت کے سربراہ مسٹر رچرڈ کرسلر نے کھلم کھلا ہماری مقدس دھرتی پر یہ اعلان بھی کیا کہ ضیا حکومت رفتہ رفتہ قومی ملکیت میں لی گئی صنعتیں سرمایہ داروں کو واپس کر دیگی (روزنامہ امن، دیو پوائنٹ - ۲۴ مئی) اسی سے یہ ظاہر ہے کہ حکومت ملک کے اقتدار اعلیٰ، خود مختاری اور قومی وقار کا کیسا خیال رکھ رہی ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے سینئر جنرل درحقیقت کس کے نمائندہ ہیں اور کونسا طبقہ اقتصادی طور پر اپنے آقا امریکہ سے وابستہ ہے!

اب میں خارجہ پالیسی کی طرف آتا ہوں۔ خارجہ پالیسی ایک نازک موضوع ہے۔ تجربہ کار سیاستدانوں یا کم از کم مہذب افراد کو ہی اس پر تبصرہ کرنا چاہیئے۔ ہوائی جہاز کے اغوا والے حادثے کے دنوں میں اسی پراسرار غازی نے افغانستان اور اس کی حکومت کیخلاف ایسی زبان استعمال کی کہ تمام بین الاقوامی آداب تک کو بھول گیا۔ اس کا لب و لہجہ دیہات کے ایک تھانیدار سے کسی طرح بھی بہتر نہیں تھا۔ اگرچہ آغا شاہی بھی افغانستان کیخلاف بولا تھا مگر اس کا نقطہ نظر کچھ بھی ہو، بہر حال اس بات کو ماننا پڑیگا کہ اس کا لہجہ مہذبانہ تھا۔ اس نے کم از کم بین الاقوامی آداب کا خیال رکھا تھا۔ ہم اپنے تمام پڑوسی ممالک سے پرامن تعلقات

چاہتے ہیں لیکن یہ حکومت پرائے پھٹے میں خواہ مخواہ ٹانگ اُڑا رہی ہے۔ ہر بین الاقوامی اجلاس میں یہ امریکی ایجنٹوں کا کردار ادا کرتی ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ اس حکومت کا اور قدرسے ان کا نقطۂ نظر رکھنے والے افراد کی عقلمندی کا معیار بھی معمولی ہے۔ مجھے ایک دلچسپ واقعہ یاد آرہا ہے، جس دن افغان حکومت نے اپنے ہاں سود اور خواتین کی خرید و فروخت کو غیر قانونی قرار دیا تھا، اسی دن مرحوم مولانا مفتی محمود صاحب نے یہ بیان دیا کہ یہ پٹھانوں کی حکومت ہو ہی نہیں سکتی۔ شاید مرحوم کسی ایسے پٹھان کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے جو سود اور خواتین کی خرید و فروخت کو ناجائز سمجھتا ہو۔ یا یہ حکومت افغانستان کی قومی جمہوری پارٹی کی حکومت پر الزام لگاتی ہے کہ وہاں کے عوام کی منتخب حکومت نہیں ہے۔ حالانکہ یہ حکومت خود غاصب اور بن بلائی مہمان ہے اور یہ ایسا ہی ہے گویا کہ بھینس گائے پر الزام لگاتی ہے کہ "تمہاری دُم کالی ہے" ۔ بدقسمتی سے انگریزوں نے ہمیں ورثے میں نہ صرف سینئر جنرل دیئے بلکہ ان کے فوجی تصورات بھی ہمیں بھگتنے پڑ رہے ہیں۔ اس غاصب حکومت کے ترجمان بار بار یہ دہراتے رہتے ہیں کہ سوویت یونین کو گرم پانیوں تک پہنچنے کے لیے راستہ چاہیئے مگر یہ کہہ کر یہ حضرات حماقت کے تمام ریکارڈ توڑ رہے ہیں۔ یہ انیسویں صدی نہیں ہے۔ وہ دن گئے جب بھاپ پر چلنے والے جہاز ہوا کرتے تھے۔ اور زار کی حکومت سال کے نو مہینے اپنی بندرگاہیں استعمال نہیں کر سکتی تھی۔ اب تو یہ امریکی حکومت ہے جو کھلم کھلا یہ اعلان کرتی ہے کہ وہ کسی بھی وقت عربوں کے تیل کے کنوؤں پر جبری قبضہ کر سکتی ہے کیونکہ اسے چند اڈوں کی ضرورت ہے تاکہ مغرب کی طرف تیل کی سپلائی بلا روک ٹوک جاری رکھ سکے جو اس کی زندگی کے لئے بہت ضروری ہے۔ سوویت یونین دنیا کا تیل پیدا کرنے والا سب سے بڑا ملک ہے اور وہ خود تیل کی برآمد بھی کرتا ہے۔ اس لئے گرم پانیوں تک پہنچنے والے اس تمام تہاد پر وپیگنڈے کا یورپ میں کوئی رواج نہیں ہے لیکن ہمارے جنرلوں کی پیٹھ تھپکی جاتی ہے کہ وہ

یہی فرسودہ اور بے سرا راگ الاپتے رہیں۔ جس طرح ریگن نے امریکہ کمپنیوں کو یہ اجازت دے رکھی ہے کہ وہ ترقی پذیر ممالک کو وہ دوائیاں بھی برآمد کر کے منافع کماتی رہیں جن کو خود ان کی اپنی وزارت صحت، انسانی صحت کے لیے نقصان دہ قرار دے کر ان پر وہاں پابندی عائد کر چکی ہے مسٹر اے ٹی چودھری روزنامہ ڈان میں ایک کالم کے ذریعے ہمیں بتا چکے ہیں کہ . . . - - - - - - - - - - -

اقوام متحدہ کے سکریٹری، شاہ محمد دوست وزیر خارجہ افغانستان اور ہمارے (سابقہ) وزیر خارجہ آغا شاہی، سب مذاکرات کرنے کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ مگر اس حکومت نے انہیں اس کی اجازت ہی نہیں دی۔ اگرچہ کبھی کبھی پر اسرار غائی دکھاوے کے لئے یہ کہتا رہتا ہے کہ وہ افغانستان سے مذاکرات کے ذریعے مسائل کا پرامن حل چاہتا ہے۔ لیکن دراصل سامراجی دباؤ کے سامنے گھٹنے ٹیک کر وہ اس کے الٹ راستہ اختیار کرتا ہے۔ تقریباً ۲ سال پہلے جب پاکستان سامراج سے نئے ناطے میں نہیں پھنسا تھا، اس وقت مسائل کے پرامن حل کے لئے افغانستان کی، تجاویز کے متعلق اس کا رویہ کافی لچکدار تھا۔ افغان حکومت کی ۲۵ اپریل ۱۹۸۱ء والی تجاویز پر ردعمل ظاہر کرتے ہوئے جنرل ضیاء نے کہا تھا کہ اس میں کافی لچک ہے اور ایک دوسرے کے اندرونی معاملات میں عدم مداخلت کی بنیاد پر دو طرفہ یا سہ طرفہ مذاکرات کے ذریعے اس مسئلے کو پرامن طور پر حل کیا جا سکتا ہے لیکن یہ صرف پراسرار غازی کے دکھاوے کے واسطے تھے۔ ظاہر ہے کہ سامراجیوں کو تو یہ بات بالکل پسند نہیں آئی کیونکہ وہ افغانستان کے مسئلے کو سوویت یونین کے خلاف دباؤ کے طور پر استعمال کرنا چاہتے تھے اس لئے انہوں نے فوراً مداخلت کی۔ مکہ والی اسلامی ممالک کی کانفرنس میں رجعت پسند مسلمان ممالک نے کابل حکومت سے مذاکرات کی تجویز کو اکثریت سے مسترد کر دیا۔ اور جس دن مکہ والا اعلان نامہ منظور کیا گیا، اسی دن اس وقت

کہ فرانس کے صدر گیسکار دیستان نے بھی ایک نئی تجویز کا اعلان کیا اور اس اعلان میں کہا گیا کہ افغانستان کا مسئلہ حل کرنے کے لئے فرانس، برطانیہ، امریکہ، سوویت یونین اور علاقے کے ایک یا دو ممالک کو آپس میں مذاکرات کرنے چاہئیں لیکن اس میں افغانستان کو نہیں شامل ہونا چاہیئے اسے یعنی سامراجیوں اور مقامی رجعت پسندوں کی طرف سے پیدا کئے ہوئے اس مسئلہ کو دو طرفہ مذاکرات کے ذریعے حل کرنے کی بجائے سامراجیوں اور ان کے پٹھوؤں کی تجویز کے مطابق اسے ایک بین الاقوامی مسئلہ بنایا جائے۔ سابق سوویت صدر کامریڈ برژنیف (آنجہانی) نے خلیج والے علاقے میں امن کے لئے ایک پانچ نکاتی پروگرام پیش کیا تھا۔ اور نہ صرف ترقی پسند عرب ممالک بلکہ کویت نے بھی اس پروگرام کی تائید کی تھی کیونکہ اسے اپنا وقار امریکی مفادات سے زیادہ عزیز تھا لیکن ہمارے ملک کا حکمران ٹولہ اس پر اندھا، بہرا اور گونگا بنا رہا بلکہ اس کی بجائے یہ حکمران اسرائیل، سعودی عرب اور ترکی کے ساتھ مل کر امریکی فوجی منصوبہ بندی حاشیہ، برادری کا حصہ بن رہے ہیں۔

اٹل بہاری باجپائی اور مسٹر مرارجی ڈیسائی گواہی دے چکے ہیں کہ حفیظ اللہ امین نے انہیں کہا تھا کہ اگر وہ پاکستان پر مشرق کی طرف سے حملہ کریں تو وہ خود مغرب کی طرف سے حملہ کر دے گا تاکہ پاکستان کا قصہ ہی پاک ہو جائے اور یہ تو اب ایک کھلا راز ہے کہ امین سی آئی اے کا ایجنٹ تھا۔ در اصل اس کی مرضی یہ تھی کہ اس علاقے میں ایسی صورت حال پیدا کر دے کہ امریکہ کو اپنی فوج یہاں اتارنے کا موقع مل جائے اور پھر وہ اس علاقے پر اپنا کنٹرول قائم کر سکے یہ اس بات کا ایک واضح ثبوت ہے کہ امریکہ ہمارا کتنا خیر خواہ ہے ہمارے پرامسرار غازی نے افغانستان کے متعدد قاتلوں کو پناہ دی ہے جنہوں نے بے شمار مولوی صاحبان کو محض اس لئے قتل کیا کہ وہ افغانستان کی ترقی پسند حکومت کے حامی تھے۔ ابھی حال ہی میں انہوں نے احمد شاہ مسعود کو

اس وقت شہید کر دیا جب وہ اپنے رب کے حضور عبادت میں مصروف تھے (یعنی نماز کے دوران) ہمارے سنسر شدہ اخبارات نے ایسے کارناموں کو بھی فخریہ طور پر اور حکومت کی ہدایات پر بڑھا چڑھا کر شائع کیا۔ افغانستان کی جمعیت علمائے اسلام نے افغانستان کے عوام سے اپیل کی ہے کہ وہ افغانستان کی عوامی حکومت کی حمایت کریں جب کہ دوسری طرف افغان بھگوڑوں کا ایک راہنما ایک پریس کانفرنس میں (منعقدہ مئی ۱۹۸۱ء) اقرار کر چکا ہے کہ ان کی جماعتیں بی بی سی اور وائس آف امریکہ کے سہارے پر گھسٹ رہی ہیں۔ ہماری موجودہ حکومت یہ دعویٰ کرتے نہیں تھکتی کہ اس کی خارجہ پالیسی بہت کامیاب ہے جس کے نتیجے میں ملک کی عالمی ساکھ میں بہت اضافہ ہوا ہے لیکن اس عالمی ساکھ کا عالم یہ ہے کہ انصاف کی عالمی عدالت کے لئے پاکستان کے امیدوار جسٹس الحق کو سلامتی کونسل میں صرف ایک ووٹ ملا تھا۔

اب یہ تو ہر کوئی جانتا ہے کہ یہ سوویت یونین ہی ہے جو قیام پاکستان کے وقت سے ہی فولاد کے کارخانے کی پیشکش کرتا رہا ہے اب یہ اور بات ہے کہ ہم نے اس کی پیشکش کو ستر کی دہائی میں جا کر قبول کیا۔ اگرچہ کچھ عرصہ پہلے سوویت سفیر یہ پیشکش بھی کر چکے ہیں کہ سوویت یونین بجلی پیدا کرنے والے جنریٹر، ٹریکٹر کا کارخانہ اور بعض دوسری صنعتیں بھی پاکستان کو لگا کر دینے کے لئے تیار ہے لیکن ہماری حکومت اس پیشکش پر بھی ہونٹ سی کر بیٹھی ہے۔

سوویت یونین ہر ترقی پذیر ملک کو فولاد کے کارخانے وغیرہ لگا کر دینے کی پیشکش اس لئے کرتا رہا ہے کہ صنعتی ترقی کے بعد یہ ممالک سامراجی شکنجے سے آزاد ہو سکیں۔ دراصل یہ سوویت یونین کی سامراج دشمن جدوجہد کا ایک مثبت حصہ ہے مگر امریکہ ان ممالک میں فولاد کے کارخانے اور دوسری بنیادی صنعتیں لگانے کا مخالف ہے بلکہ وہ تو صرف موت کا سوداگر ہے ــــ ہمیں بخوبی علم ہے کہ دنیا بھر میں صرف

پندرہ دن میں ہتھیاروں پر اتنا خرچ ہوتا ہے کہ اس سے ساری دنیا کی آبادی کو سال بھر کے لئے روٹی کپڑے مکان علم اور علاج کی سہولتیں آسانی سے فراہم کی جا سکتی ہیں۔ ہم ایک چھوٹا اور ترقی پذیر ملک ہیں، اس لئے اسلحہ وغیرہ جیسی غیر پیداواری تباہ کن اور انسان کش اشیاء پر بے تحاشا اخراجات برباد کرنے کی ہماری حیثیت ہی نہیں ہے جبکہ ، امریکی معیشت ایک جنگی معیشت ہے اور وہاں کی ساٹھ فیصدی صنعت ہتھیار سازی سے متعلق ہے اس لئے امریکہ کی ہر حکومت اپنے ان صنعتکاروں کے مفاد کے لئے نت نئے گاہک پھنساتی رہتی ہے اور اس بار اس نے ہمارے بدنصیب ملک میں اپنے ایجنٹوں کو ورغلا کر تیار کیا ہے ۔ اس پراسرار غازی کی حکومت ۳۵ ارب روپے کے ہتھیار امریکہ سے حاصل کرنے والی ہے دوسری طرف چین نے بھی سامراج دشمن جدوجہد اور سوشلسٹ کیمپ کی اندھی نفرت میں آکر ہمارے ملک میں ۳۰ ارب روپے کے ہتھیار لاکر جمع کر دیئے ہیں مگر ہر دوسرے دن یہ پراسرار غازی بذات خود یہ اعلان کر دیتا ہے اسے ہندوستان

کی زبوں حال اور چھاؤنوں کی سربفلک عمارتیں اس حکومت کے کردار کی منہ بولتی علامت کے طور پر کھڑی ہیں۔ حکومت اگر مارشل لاء ایک سال پہلے بھی ختم کر دے تو ہم ۳۶۵ کروڑ روپے بچا سکتے ہیں کیونکہ صرف مارشل لاء کا روزانہ خرچ ایک کروڑ روپے ہے اور اس کا چوتھائی حصہ بھی تھر کے علاقے کو کافی ترقی دے سکتا ہے، جہاں ، انسان قحط کا شکار ہو کر بھوک سے مر رہے ہیں۔ امریکہ سے کئے گئے اسلحہ کے سودے کا ۶ فیصدی (سولہواں حصہ) بھی تھر کے غریب اور افلاس کے مارے ہوئے لوگوں کو

اور مظلوم و پسماندہ انسانوں کو بھوکوں مرنے سے بچا سکتا ہے۔ اس لئے نہ صرف تھر بلکہ ملک بھر کے غریبوں اور محنت کشوں کا مفاد ملک میں سامراج دشمن جدوجہد سے وابستہ ہے۔

ایک فوجی افسر نے مجھے خفیہ فوجی اذیت گاہ میں قید کے دوران بتایا تھا کہ

حکومت مصر کے علاقے میں ہماری مقبولیت سے قطعی طور پر باخبر ہے اور اسے سختی سے روکے گی۔ مگر انہیں یہ بات سمجھنے میں ایک عرصہ چاہیئے کہ اس مقصد کیلئے انہیں وہی سامراج دشمن اقدامات کرنے پڑیں گے جن کا ہم ان سے مطالبہ کرتے ہیں۔ اور انہیں یہ سمجھنے میں بھی کافی وقت لگے گا کہ ہماری اس مقبولیت کی وجہ غربت کے خلاف ہماری انتھک جدوجہد اور حکومت کی ہمارے خلاف معاندانہ کاروائیاں ہیں اور یہ مجبوریاں ہی ہیں جو عظیم ہیرو اور عظیم تر آس پیدا کیا کرتی ہیں۔

یہ پاکستان کے عام لوگ ہی تھے جنہوں نے برطانوی سامراج کے خلاف جدوجہد کی تھی۔ پراسرار غازی اور اس کے تمام سنیئر ساتھی اس وقت انگریزوں کے طرفدار تھے۔ یہ انگریزوں کی فوج کے افسر تھے اور اس بات پر شرمندہ ہونے کی بجائے اب یہ پراسرار غازی الٹا گستاخ ہو گیا ہے۔ اب سے ڈیڑھ سال پہلے جب یہ ترکی گیا تھا اور وہاں کے پراسرار غازی سے ملا تھا تو اس وقت اس نے ایک پریس کانفرنس میں کہا تھا میں اس وقت تک ملک میں انتخاب نہیں کراؤنگا جب تک ملک کے لوگوں کے ہوش ٹھکانے نہیں آجاتے؟ دونوں فوجی ٹولوں میں کیا یکسانیت ہے دونوں امریکی سامراج کے پٹھو ہیں اور دونوں نے اپنے منتخب وزرائے اعظم کو پھانسی دے کر شہید کیا ہے۔ بہرحال اب جبکہ یہ پاکستان کے عوام کے خلاف نفرت و حقارت کا اظہار کرنے میں بھی کوئی جھجک نہیں محسوس کرتا تو پھر کیوں نہ عوام اس کا منہ توڑ جواب دیں؟ پاکستان کے عوام نے گذشتہ سال اپنا یوم آزادی بڑی دھوم دھام سے منایا مگر پراسرار غازی نے یہ موقع بھی ہاتھ سے نہ جانے دیا اور فوراً دعویٰ کر دیا کہ ایسا کر کے دراصل لوگوں نے اس کی پالیسی کی منظوری دی ہے حالانکہ وطن سے محبت کے اظہار کا مطلب ہی یہ ہے کہ عوام مادر وطن کو برباد کرنے والوں کے خلاف

اپنی نامنظوری اور ناپسندیدگی کا اعلان کرتے ہیں۔

موجودہ حکومت دنیا کے سامنے ہمارے عوام کی ہمیشہ غلط تصویر پیش کرتی ہے ایک بار پراسرار غازی نے یہ اعلان بھی کیا کہ چونکہ آغا شاہی لاہور اور کراچی میں دو میٹنگوں میں خطاب کرنے میں کامیاب ہوا ہے لہٰذا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عوام اس کی خارجہ پالیسی کو پسند کرتے ہیں! حالانکہ یہ مخصوص اور محدود میٹنگیں تھیں اور ان میں ایک خاص نکتہ نظر والے تھوڑے سے آدمیوں کو بلایا گیا تھا اس کے باوجود اگر یہی کسوٹی ہے تو میں بہت زیادہ اعتماد کے ساتھ یہ اعلان کر سکتا ہوں کہ میرا نقطۂ نظر زیادہ اعتدال پسند و مقبول ہے کیونکہ ۲ اپریل ۱۹۷۹ کو جب مجھے لاہور ہائی کورٹ میں پیش کیا گیا تو اس وقت مذکورہ ہر دو میٹنگوں سے دوگنے لوگ نہ صرف وہاں موجود تھے بلکہ میرے حق میں پرجوش نعرے بھی لگا رہے تھے۔ بہرحال اگر کوئی سنجیدگی سے یہ جاننا چاہتا ہے کہ اس ملک کے عوام کو کونسی خارجہ پالیسی پسند ہے تو میں اس کی واضح مثال دے سکتا ہوں۔ کعبۃ اللہ شریف والے حادثے کے دوران ہمارے عوام نے کھل کر اپنی امنگوں کا اظہار کیا ہے اور جیسے ہی یہ خبر پھیلی لوگ ملک کے کونے کونے سے سڑکوں پر نکل آئے اور یہاں امریکی سامراج کی پھٹو حکومت ہونے کے باوجود لوگوں نے یا سوویت یونین کے خلاف جنگ کا کوئی ارادہ نہیں ہے لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر واقعی وہ سچ بول رہا ہے تو پھر اسے یہ اتنے ہتھیاروں کی ضرورت کیوں ہے؟ یا تو یہ ہمارے اپنے ملک پر حملہ تیز کرنا چاہتا ہے یا پھر یہ کہ وہ اپنے جھوٹ کے ریکارڈ میں مزید اضافہ کرنے پر کمربستہ ہے۔۔۔ اور اب تو یہ صاف طور پر نظر آ رہا ہے کہ یہ پراسرار غازی ہمارے ملک کو افغانستان، ایران بحرِ ہند اور خلیجی ممالک کے خلاف واشنگٹن اور پیکنگ کی سازشوں کا اڈہ بنانا چاہتا ہے اور ہماری فوج کو یہ سامراجیوں اور ان کے چینی ساتھیوں کی کرائے کی فوج بنانا چاہتا ہے۔ اسی لئے اسلحہ کی یہ کیسی بارش ہو رہی ہے کہ گویا

ہمارا پورا ملک فوجی کیمپ ہے شاہراہ ریشم کو کشادہ کر کے اسے عام آمد و رفت کیلئے بند کر دیا گیا ہے تاکہ یکسوئی سے جیتی ہتھیا حاصل کئے جاسکیں۔ دوسری طرف افغان بھگوڑوں کو تربیت دیکر اور اسلحہ سے لیس کر کے افغانستان کی طرف دھکیلا جارہا ہے۔ گوادر میں امریکہ کو بحری اڈہ دے دیا گیا ہے۔ جاسوسی والے اواکس طیارے مشرقی اور مغربی سرحدوں پر، پرواز کے لئے پر تول رہے ہیں، جس کے بعد یہ کہاوت درست ثابت ہو رہی ہے کہ امریکہ آخری پاکستانی سپاہی تک افغانستان میں سوویت یونین کے خلاف جنگ جاری رکھے گا ـــــ مگر تمام متعلقہ حلقوں کو یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ پاکستان کے باشعور عوام اس سودے بازی میں فریق نہیں ہیں اور وہ اپنی آزادی کی حفاظت کے لئے کسی بھی وقت کوئی بھی کاروائی کرنے کا حق محفوظ رکھتے ہیں۔

جناب والا۔ ایک طرف تو ہمارے اقتصادی مسائل امریکی مقاصد کے لئے ضائع کئے جارہے ہیں جبکہ دوسری طرف وطن عزیز کی آزادی کے ۳۵ سال بعد حکومت شہر کے لوگوں کے لئے پانی کا بندوبست بھی نہیں کر سکی ہے حکومت یہاں پر بجلی، صنعت یا روڈ کے لئے اک ذرا سے پیسے بھی خرچ کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ تھر کے لوگ ملک بھر کے لوگوں سے زیادہ محرومیوں کا شکار ہیں۔ وہاں اب تک نہ تو علاج کی، کوئی سہولت میسر ہے اور نہ ہی حصول علم کی کوئی سہولت بلکہ گاؤں گاؤں میں اسکولوں

امریکہ کے خلاف فلک شگاف نعرے لگائے اور پھر وہ امریکی مرکزوں کی طرف بڑھنے لگے۔ لوگوں نے نہ صرف اسلام آباد میں امریکی سفارت خانہ جلادیا بلکہ پشاور، لاہور، کوئٹہ، کراچی اور حیدرآباد میں بھی اپنے طور پر یہی کچھ کرنے کی کوشش کی یہ عمل اس حکومت کی سامراج نواز خارجہ پالیسی کے خلاف عدم اعتماد کا اظہار اور اپنی حب الوطنی پر مشتمل خارجہ پالیسی کا اعلان تھا۔ یہ عوام کے فکر عمل کی یکجہتی کا بھی اظہار تھا۔ اسی یکجہتی نے پاکستان بنایا تھا اور یہی پاکستان کو قائم رکھ سکتی ہے۔ اس لئے اگر امریکی ایجنٹوں میں ذرا برابر بھی شرم وحیا

ہے تو انہیں عوام کی طرف سے جلا وطن کرنے کی عملی کاروائی سے پہلے ہی ہمارے وطن کی جان چھوڑ کر امریکہ بھاگ جانا چاہیئے۔

پراسرار غازی ریڈیو، ٹی وی، اخبارات اور جرائد سمیت تمام نشر و اشاعت کے ذرائع کو اپنی اور دوسرے امریکی ایجنٹوں کی مشہوری کے لئے استعمال کر رہا ہے لیکن اسے یہ بھی بخوبی معلوم ہے کہ عوام اسے اور اس کے امریکی آقاؤں کو کبھی قبول نہیں کریں گے۔ اس لئے اس نے ملک بھر میں سخت سنسرشپ عائد کر دی ہے کیونکہ اسے معلوم ہے کہ اگر سنسرشپ ہٹا دی گئی اور سچ کی کچھ سطریں بھی اخبارات و رسائل میں آنا شروع ہو گئیں تو اس کے غبارے سے ہوا نکل جائے گی بالکل اسی طرح جس طرح روشنی کی چھوٹی سی کرن کے سامنے آنے پر بھی، مہیب اندھیرے کو ہٹنا پڑتا ہے۔ صرف کمزور اور احمق حکومتیں ہی اس خوش فہمی میں مبتلا رہتی کہ وہ سچ کو چھپا کر دھوکہ دہی کو ہمیشہ جاری رکھ سکتی ہیں۔ اور وہ جو جہالت کے اندھیرے کے سہارے کرسی پر قبضہ کرتے ہیں وہ ملک کے عوام کے صرف دشمن ہی ہو سکتے ہیں۔

آجکل ہمارے ملک میں پندرہ تا بیس ہزار سیاسی قیدی ہیں اور ان سب کا جرم صرف یہ ہے کہ وہ اپنے وطن سے پیار کرتے ہیں۔ ایک انگریز "برک" کا مقولہ ہے کہ جتنا کسی ملک کے لوگ آزاد ہوں گے اتنا ہی وہ ملک بھی آزاد ہو گا۔ اس لئے ہمیں یہ معلوم ہے کہ اس گھٹن کی وجہ امریکہ کی ماتحتی ہے ــــ موجودہ حکومت چادر اور چار دیواری کے تحفظ کے متعلق اپنے لمبے لمبے چوڑے دعوؤں کا پرچار کرتی ہے لیکن خواتین جو ہمارے ملک کی آبادی کا نصف حصہ ہیں، ان سے ان کا سلوک نہایت امتیازی اور انتہائی غیر منصفانہ ہے ملک کے کونے کونے میں بچوں کے پالناگھر اور تعلیم بالغان کے مراکز کی بجائے یہ دیکھ کر دل جلتا ہے کہ اس ملک میں جگہ جگہ فوجی عدالتیں اور تھانے کھلے ہوئے ہیں۔ عورتوں کے لئے روزگار کے نئے مواقع فراہم کرنے کی بجائے یہ تو اس وقت موجود دوسرے چند مواقع بھی ختم کر رہے ہیں۔ عورتوں کو بھی کوڑے لگائے جا رہے ہیں۔ کھلاڑی خواتین

کو کھیلوں کے ایشیائی مقابلوں میں شرکت نہیں کرنے دی گئی اور کچھ بڑی ٹولیاں تو ہاتھ دھو کر عائلی قوانین کے پیچھے بھی پڑ گئی ہیں جو کہ خواتین اور دوسری ترقی پسند جماعتوں کی بڑی سخت جدوجہد کے بعد بنائے گئے تھے۔ ہدایات جاری کی گئی ہیں کہ ٹیلی ویژن سے خواتین کے چہرے کم سے کم نظر آنے چاہییں۔ اس لئے صرف پر اسرار غازی اور میاں طفیل کے چہرے ہی دکھلانے کی ہمت افزائی کی جارہی ہے شاید یہ خود ہی اپنے چہرے دیکھ کر خوش ہوتے ہوں گے ورنہ لوگ تو اب ان کے خوبصورت چہروں سے بیزار ہیں۔ دراصل یہ حکومت صرف سچ کی ہی نہیں بلکہ حسن و خوبصورتی کی بھی دشمن ہے۔ پہلے ہر حکمران طبقہ اپنے ہر مخالف پر کمیونسٹ ہونے کا الزام لگا کر اسے تنگ کرتا تھا لیکن اب ان کا توازن تبدیل ہو جانے کی وجہ سے حکومت یہ حقیقت چھپانے کی کوشش کر رہی ہے کہ ہم کمیونسٹ ہیں اور اس کی بجائے حکومت ہم پر یہ الزام لگا رہی ہے کہ ہم مختلف صوبوں کے درمیان منافرت پھیلا رہے ہیں۔ دراصل پر اسرار غازی اور اس کے رفقاء عقل کے پیچھے لٹھ لئے پھرتے ہیں ورنہ یہ بات تو نہایت آسانی سے ان کی سمجھ میں آجاتی کہ ایک کمیونسٹ جو دنیا بھر کے محنت کشوں ایک ہو جاؤ! کے نعرے کا علمبردار ہوتا ہے وہ صوبائی منافرت نہیں پھیلا سکتا اور جیسا کہ میں پہلے ہی اپنے سپریم کورٹ کے بیان میں صوبائیت کے متعلق کہہ چکا ہوں کہ میں اس وقت سے محنت کش ہوں جب بابا آدم محنت کرتے تھے اور اماں حوا چرخہ کاتتی تھی یعنی کہ روز ازل سے، میں گذشتہ پانچ ہزار سال سے سندھی، پانچ سو سال سے مسلمان اور گذشتہ ۲۸ برس سے ایک پاکستانی ہوں، اب یہ بات میں کورٹ پر چھوڑتا ہوں کہ وہ یہ فیصلہ کرے کہ میری وفاداری کس طرف ہے!

صدر محترم اور ممبر صاحبان! ہم پاکستان کے عوام اور موجودہ حکمران ٹولہ ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہیں ہم زرعی اصلاحات کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں جبکہ یہ

حکومت ملک کے صرف چند گنے چنے جاگیرداروں کی طرفدار ہے اور اب تو یہ بات عالم آشکار ہے کہ محض زرعی اصلاحات کی وجہ سے ہی مشرقی پنجاب (بھارت) کی اتنی ہی اراضی مغربی پنجاب (پاکستان) کے مقابلے میں تین گنی زیادہ گندم پیدا کرتی ہے کوئی بھی، ملک اپنی مکمل صلاحیت کیمطابق اس وقت تک زرعی اجناس پیدا نہیں کر سکتا جب تک کہ تمام زمین کسانوں میں تقسیم نہ کر دی جائے۔ ضیا حکومت کے انتخابات نہ کروانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انتخابات کروا دیئے گئے تو ہر سیاسی پارٹی کو زرعی اصلاحات کروانے کا وعدہ کرنا پڑے گا۔ ورنہ اسے کوئی ووٹ نہ دیگا۔ ویسے بھی ہمارے ملک میں یہ وڈیرہ شاہی صرف فراڈ (جعلسازی) کے ذریعے چل رہی ہے اور کوئی بھی وڈیرہ

چودھری یا خان علی الاعلان یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس کے پاس ایک سوا ایکڑ (چار مربعے) سے زیادہ زمین ہے کیونکہ بھٹو حکومت کی زرعی اصلاحات کے مطابق ایک سوا ایکڑ سے زیادہ تمام زمین کو پاکستان میں تقسیم ہو چکی ہے۔ اب یہ اور بات ہے کہ پھر بھی ایسے بہت سے بڑے جاگیردار اب بھی موجود ہیں جن کے پاس جعلسازی اور ہیرا پھیری کے ذریعے محفوظ کر لی گئی کافی زمین موجود ہے۔ ویسے بھی ہمارے ہاں برصغیر میں انگریزوں کے دور سے پہلے یہ جاگیرداری کی لعنت تھی ہی نہیں اور ریکارڈ یہ ثابت کرتا ہے کہ ۱۸۵۷ء کے بعد انگریزوں نے صرف انہیں ہی زمینیں دیں جنہوں نے اپنے ہمارے عوام سے غداری کر کے، انگریزوں کی طرفداری کر کے انہیں بچایا تھا۔ اس امر سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ سیاسی اخلاقی اور قانونی طور پر یہ وڈیرہ شاہی شکست کھا چکی تھی اور جہاں تک اس کے متعلق حکومت کے رد بیٹے کا تعلق ہے اس پر مجھے افواج کے

محکمۂ جاسوسی کے ایک میجر سے اپنی ملاقات یاد آتی ہے! مجھے لاہور کے شاہی قلعہ، سے واپس خفیہ فوجی اذیت گاہ میں لانے کے بعد ایک دن وہ میجر میری کھولی میں آیا اور کہنے لگا کہ اگر کوئی غیر قانونی حرکت میرے علم میں ہو تو بتاؤں تاکہ وہ اسے درست کر سکے۔ میں

نے اسے ایک وڈیرے کے متعلق یہ بتایا کہ اس کے پاس غیر قانونی طور پر ضلع نوابشاہ میں ساٹھ ہزار ایکڑ زمین موجود ہے۔۔اس نے جواب دیا کہ ایسی باتوں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے البتہ اگر کہیں کوئی ڈی سی آر ہو تو ہم فوراً کاروائی کریں گے۔ا۔اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ لوگوں کو تنگ کرنے کے لئے معمولی باتوں پر تو کمربستہ ہوتے ہیں لیکن ایسا کوئی کام کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ جس سے ملک کے عوام کی اکثریت کو کوئی فائدہ پہنچ، سکتا ہو۔ملک کے سرمایہ داروں سے خطاب کرتے ہوئے جنرل ضیاء نے اپنا بھانڈا خود ہی پھوڑ دیا۔اس نے اقرار کیا کہ مارشل لاء سرمایہ داروں اور عوام کا خون چوسنے والے دوسرے لوگوں کے منافع کی حفاظت کے لئے ہے اور جیسے ہی وہ اسے یقین دلائیں گے کہ ان کا سرمایہ مارشل لاء کے بغیر بھی محفوظ ہے اسی دن وہ انتخابات کا اعلان کردیگا (۱۶ اپریل ۱۹۸۲ء روزنامہ جنگ کراچی) گویا کہ اس پراسرار غازی کے لئے سرمایہ دار محفوظ ہیں تو سب کچھ ٹھیک ہے اسلام اور مارشل لاء کا مشن مکمل ہو گیا۔۔!! اور پھر ہر عمل کا نتیجہ مثبت ہے۔نہ تو یہ اتنا معصوم ہے کہ جو کچھ بھی کہتا ہے وہ خود بھی نہیں سمجھتا اور نہ ہی گاموں سیار ہے کہ کچھ بھی چھپانا نامناسب سمجھتا ہو۔اس کے برعکس یہ تو ایک ایسا جھوٹا ہے کہ شالی ہیوسے مرحوم قیصوخان لنڈ کا بھی استاد ہے۔ دراصل اس نے مذکورہ بالا بیان دے کر ہمارے زخموں پر نمک چھڑکا ہے تاکہ اپنے اور اپنے سینئر رفقاء کے اذیت پسندانہ جذبات کی تسکین کر سکے۔

موجودہ حکومت اتنی سنگدل ہے کہ یہ ہوائی جہاز کے اغوا جیسے قومی المیوں کو بھی کرسی سے اور زیادہ مضبوطی سے چپکے رہنے اور اپنے حقیقی مخالفوں سے جان چھڑانے جیسے مکروہ مقاصد کے لئے استعمال کرنے سے بھی باز نہیں آتی۔اس موقع پر بیگم نصرت بھٹو مس بےنظیر بھٹو اور ہزاروں دوسرے ترقی پسند اور محب وطن افراد کو گرفتار کیا گیا۔ہم پر بھی ملک چھوڑنے کے لئے دباؤ ڈالا گیا۔یہاں تک کہ اس ملک سے باہر جانے کے مقابلے میں جیل کے اندر رہنے کے لئے بھی ہمیں جسمانی طور پر جدوجہد کرنا پڑی۔۔۔ اور

بر ہوائی جہازوں کے اغوا جیسے حادثات بھی دراصل اس حکومت کی عوام دشمن پالیسیوں کا ہی نتیجہ ہے۔ کیونکہ آپ انسان کے جسم میں گولیاں بو کر گلاب کے پھول تو نہیں کاٹ سکتے! ویسے بھی دہشت پسندی کے انفرادی واقعات اس حکومت کو مزید فائدہ ہی پہنچاتے ہیں اور حکومت اپنی اصلاح کرنے کی بجائے ان واقعات کی آڑ لے کر عوام پر اور زیادہ عذاب اور ظلم و سفا کی نازل کرتی ہے۔ یہاں یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ اس مسئلے کے دو پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ انتقام لینے کی کوشش کرتے ہوئے یہ بہادر نوجوان بھول جاتے ہیں کہ فقط وہی بھٹو شہید کے وارث نہیں ہیں بلکہ ملک بھر کے مظلوم عوام بھی محنت کشوں کے اس راہنما کے وارث ہیں اور وہ کسی نہ کسی شکل میں مصروف جدوجہد ہیں۔ دوسرا پہلو ان بیانات سے نمایاں ہوتا ہے جن میں اس عمل کے لئے ان نوجوانوں پر صرف تنقید ہی کی جاتی ہے۔ یہ حضرات اس حکومت کی طرف سے ہونے والے تشدد کی طرف سے آنکھیں بند کر کے اس عمل کی ہی نشاندہی کرتے ہیں جو دراصل سرکاری مشینری کے تشدد کا ہی رد عمل ہوتا ہے دراصل ہم میں سے ہر ایک کو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ پہلے ہمیں اس حکومت کے تشدد، اقتدار پر غیر قانونی قبضے اور اسے طول دینے کے عمل کا خاتمہ کرنا پڑیگا۔ اس کے بعد ہی پھر ملک میں تشدد کی راہ کو روکا جا سکے گا۔

ایک غیر ملکی صحافی کو کچھ عرصہ قبل جواب دیتے ہوئے اس پر اسرار غازی نے کہا تھا کہ وہ فوج کے کمانڈر انچیف کا عہدہ نہیں چھوڑ سکتا کیونکہ یہی اس کے اقتدار کا اصل سرچشمہ ہے اس لئے یہ اپنی میعاد میں خود ہی اضافہ کرتا رہتا ہے اور اس بات کے بھی دو پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ جنرل ضیاء کو اتنی بڑی فوج میں کسی ایک جنرل پر بھی اعتماد نہیں ہے اور اسے یہ اندیشہ ہے کہ اگر وہ کمانڈر انچیف کا عہدہ چھوڑ کر مکمل طور پر صرف ایک صدر بن کر رہ گیا تو کہیں کوئی آنے والا کمانڈر انچیف بھی اِسی کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اسکا تختہ نہ الٹ دے۔ اور اس معاملے کا دوسرا پہلو اور بھی زیادہ دلچسپ ہے اور یہ تو اصل میں اس

اس کا اقرار نامہ ہے کہ یہ درحقیقت صرف ڈنڈے گولی اور بندوق کا نمائندہ ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ پھر یہ اپنے چہرے پر ایک مُلا کا نقاب کیوں چڑھائے رکھتا ہے۔؟ اور ہر وقت یہ ظاہر کرنے کی کوشش کیوں کرتا ہے کہ وہ تو محض اسلام کی خدمت کے لئے کرسی سے چپکا ہوا ہے۔ ہم امام خمینی، جیسے بڑی حضرات کے لیے تو جان سکتے ہیں کہ ان کی طاقت کا سرچشمہ عوام اور اسلام ہیں لیکن اس پراسرار غازی کا یہ دعویٰ تو کبھی قبول نہیں کیا جا سکتا۔ مذہب کے متعلق اس کا عقیدہ کیا ہے یہ تو خیر اس کا ذاتی معاملہ

ہے لیکن مذہب کے نام پر جو حرکتیں یہ کرتا ہے وہ تو ہم سب کا معاملہ ہے لہٰذا اسے اپنی کمپنی کی مشہوری کے لئے اسلام کا مقدس نام استعمال کرنے کی اجازت ہرگز نہیں دی جا سکتی۔ اس کی بجائے اسے کھلم کھلا یہ بات قبول کر لینی چاہیئے کہ اس نے محض بندوق کے ذریعے اقتدار پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے اور جب تک اس کے دم میں دم ہے وہ یہ قبضہ ہر صورت میں برقرار رکھے گا۔ پھر جلد ہی وہ یہ دیکھ لے گا کہ ملک کے بہادر

عوام اس کا کیا جواب دیتے ہیں۔ پاکستان کے عوام نے اس سے بھی سینئر جرنلوں، ایوب خان اور یحییٰ خان سے نمٹ لیا تھا اور ان کا حشر خراب کر دیا تھا، پھر یہ تو ان کے سامنے کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ کھل کر براہ راست بات کرنے کی بجائے عوام سے چالبازی کرتا رہا ہے کیونکہ اس نے بار بار انتخابات کروانے کا اعلان کیا حالانکہ انتخابات کروانے سے اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی اس نے اس ڈرامے کو نامزدگی کے فارم بھرنے تک کھینچا کیونکہ اس کی مرضی تھی کہ یا تو سیاست دان ایسا حلف نامہ پر کریں جس میں ان کی طرف سے مارشل لاء کی منظوری دی گئی ہو یا پھر بائیکاٹ کر کے اسے انتخابات ملتوی کرنے کا بہانہ فراہم کر دیں۔ اس حکمران ٹولے نے ملک میں جداگانہ انتخابات کا سررشتہ رائج کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔ عوام کے منتخب نمائندوں کے بنائے ہوئے کسی بھی آئین میں ایسی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ مگر یہ بات اس کی عقل میں نہیں

آئی کہ جداگانہ طریقۂ انتخابات نے ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ اس لئے مادرِ وطن کا ہر علقمند اور ایماندار سپوت اس جداگانہ انتخابات کو خطرناک سمجھتا ہے اور نہ صرف یہ بلکہ یہ تو قائدِ اعظم مرحوم کی اس سوچی سمجھی رائے کے بھی خلاف ہے جس میں انہوں نے کہا تھا کہ آپ ہندو مسلمان یا عیسائی نہ رہیں گے بلکہ سیاسی طور پر صرف پاکستانی بن جائیں گے۔ (آئین ساز اسمبلی سے خطاب اقتباس)

جنابِ والا۔ اس موقع پر مجھے قائدِ اعظم مرحوم کا ریڈیو آسٹریلیا کو دیا ہوا انٹرویو یاد آرہا ہے جس میں انہوں نے فرمایا تھا کہ میں آئین کی تشکیل کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ یہ پاکستان کے عوام کے منتخب نمائندے ہی تیار کریں گے لیکن یہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ ملائیت والا نہ ہو گا اور پاکستان ملاؤں کا ملک نہ بنے گا۔"

ایک لمحے کے لئے غور فرمائیے کہ ملک کے محبوب اور منتخب راہنما اور بانیٔ قوم نے بھی یہ مناسب نہ سمجھا کہ خود ملک کا آئین بنا کر اسے عوام پر تھوپیں بلکہ انہوں نے بھی اسے عوام کے منتخب نمائندوں کا ہی حق سمجھا لیکن ضیاء الحق جو اس وقت جا کر انگریز کی فوج میں بھرتی ہوا تھا اور اب ایک غاصب بن بیٹھا ہے، وہ عوام کے نمائندوں کے بنائے ہوئے آئین کو منسوخ یا معطل کرنے کی جسارت کرتا ہے اور اس میں ترمیم کرنے کے دعوے بھی کرتا ہے اور پاکستان کو ایک بدترین ملائیت کی طرف دھکیل رہا ہے۔ یہ قائدِ اعظم مرحوم کی سوچ اور ان کے فکر و نظر کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہے۔ ہم بدقسمت ملک کے بدقسمت لوگوں کو یہ دن بھی دیکھنا تھا۔!۔ سندھی کی ایک کہاوت ہے کہ "ماں سے زیادہ چاہے وہ ڈائن ہے" اس لئے اگر یہ پراسرار غازی پاکستان کو اس کے بانی قائدِ اعظم مرحوم، سے بھی زیادہ چاہتا ہے تو جناب پھر اس کا خدا ہی حافظ ہے۔!

لیکن ہم قنوطی نہیں ہیں، ہمیں معلوم ہے کہ جہاں ایسے سکندر بھی آئے ہیں جنہوں نے پورس جیسے بہادر راجاؤں پر اور ان کے "ہاتھیوں" پر بھی غلبہ حاصل کیا تھا لیکن ان کی یہ تمام فتوحات عارضی تھیں۔ جلد ہی اسے یہ سرزمین چھوڑنی پڑی اور اگر اس کے سپاہیوں

میں کوئی اکا دکا بچا بھی تو وہ بھی ہماری اس عظیم دھرتی میں جذب ہو کر رہ گیا۔ ہم آج بھی یہیں ہیں اس لئے فخر سے کہتے ہیں کہ اس دور کے یہ بونے حاکم بھی زیادہ عرصہ نہیں چل سکتے آخر وہ کتنا عرصہ یہ گاڑی کھینچ سکتے ہیں ۔؟ اس کا انحصار تو عوام کے اتحاد و تنظیم اور دیگر ممالک میں جاری سامراج دشمن جدوجہد کی کامیابیوں پر ہے۔

یہ حکمران ٹولہ رجعت پسندوں کی حوصلہ افزائی کر رہا ہے۔ اس حکمران ٹولے اور اس کے چمچوں نے اپنے آپ کو اب محب وطن بھی کہنا شروع کیا ہے اور حکومت کے زیر تسلط نشر و اشاعت کے اداروں کی نظر میں محب وطن جماعتیں اس وقت صرف وہ ہیں جو اس غاصب حکمران ٹولے کے آگے دم ہلا رہی ہیں۔ انہوں نے ۱۹۷۱ء میں ملک توڑنے میں سینئر جنرلوں اور امریکہ کے دلالوں کی مدد کی تھی اور پھر ۱۹۷۷ء میں منتخب حکومت کا تختہ الٹنے میں بھی ان کی مدد کی تھی۔ اور یہ کافی حیرت کی بات ہے کہ ان کی حب الوطنی صرف یہی ہے کہ یہ ملک کو امریکہ اور اس کے مقامی چوکیداروں کے قبضے میں دیتی رہیں۔ اس لئے آج ہر باشعور پاکستانی اور محب وطن شہری اس پراسرار غازی اور اس کی حاشیہ بردار جماعتوں کے متعلق بجا طور پر مشکوک ہے اور جہاں تک اس پراسرار غازی اور اس کے انتظامی قبیلے کے آباؤ اجداد کی حب الوطنی کا تعلق ہے ہم سب اس سے اچھی طرح واقف ہیں اور اسے ثابت کرنے کے لئے ہمارے پاس تین گواہ بھی موجود ہیں۔ ایک گواہ تو خان عبدالولی خان ہیں اور انہوں نے "چٹان" کو دیتے ہوئے اپنے ایک انٹرویو میں کہا ہے کہ ایوب خان نے انہیں کہا تھا کہ "مشرقی پاکستان کو الگ کر کے ملک کو خوشحال بنائیں۔" ہمارے دوسرے گواہ چیف کورٹ کے ریٹائرڈ چیف جسٹس منیر احمد مرحوم ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب "جناح سے ضیاء تک" میں لکھا کہ "ایوب خان نے انہیں کہا تھا کہ بنگال کو پاکستان سے الگ کرنے کا کوئی بندوبست کریں۔" اور تیسرے گواہ خود ایک جنرل ہیں۔ جنرل اعظم خان نے اپنے ایک انٹرویو میں دعویٰ کیا ہے کہ میجر جنرل سکندر مرزا اپنے دور میں مغربی پاکستان کا ایک وسیع علاقہ ایران کے شہنشاہ کو تحفتاً دینے کی تیاریاں کر رہا تھا۔! اس لئے جناب ایک بار پھر

ایک جنرل ملک پر مسلط ہو گیا تو ہم بجا طور پر ملک کی سلامتی کے لئے فکرمند ہیں۔

صدر محترم ممبر صاحبان! یہ پر اسرار غازی اسلام کے متعلق بلند بانگ دعوے کر رہا ہے اور اس کی مرضی یہ ہے کہ اسے ہم امیر المومنین مان لیں۔ حالانکہ اس کے افعال اسلام کے بالکل برعکس ہیں۔ میں اس سلسلے میں کچھ مثالیں دینا چاہتا ہوں۔ تاریخ کے ہر طالب علم کو معلوم ہے کہ کوئی بدو بھی کسی خلیفہ سے یہ پوچھ سکتا تھا کہ اس نے ایک پوری نئی قمیص کیسے بنوا لی جبکہ تقسیم سے ملنے والا کپڑا اس مقصد کے لئے پورا نہ تھا اور حضرت عمر کو اس کی وضاحت کرنا پڑی۔ ضیاالحق بھی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہر پاکستانی شہری کے سامنے جوابدہ سمجھتا ہے۔ لیکن اس کا عمل اس دعوے کے بالکل برعکس ہے۔ دراصل اس نے احتساب کے تمام دروازے بند کر دیئے ہیں۔ اس نے پریس کا گلا گھونٹ دیا ہے اور اسمبلیاں توڑ دی ہیں جو ساری دنیا میں احتساب کے مانے ہوئے ادارے ہیں اور نہ صرف یہ بلکہ اس نے تو تمام سیاسی جماعتوں اور سیاسی سرگرمیوں پر سخت پابندی عائد کر دی ہے تاکہ کوئی بھی اس پر تنقید نہ کر سکے۔ دراصل عملی طور پر یہ اپنے آپ کو صرف ریگن اور اس کے ٹولے کے سامنے ہی جوابدہ سمجھتا ہے۔

قرآن شریف میں اشارہ ہے "اے ایمان والو، وہ نہ کہو جو کرنے کا ارادہ نہ ہو۔ خدا کو یہ بات انتہائی ناپسند ہے"(سورۂ صف ۳-۲) لیکن اس پر اسرار غازی کے قول و فعل میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اسلام اور ملک میں موجود قوانین حلف کی خلاف ورزی کو ناجائز قرار دیتے ہیں مگر اس نے اور اس کے ساتھیوں نے ایک منتخب حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ اگر حلف نامے (بیعت) کی خلاف ورزی اتنی ہی آسان تھی تو تعجب ہے کہ کربلا کے المیئے سے بچنے کے لئے حضرت امام حسین نے یہ ترکیب کیوں نہیں استعمال کی۔ اسلام اور ملکی قوانین دونوں اقربا پروری کی قطعی اجازت نہیں دیتے لیکن اس نے اپنا بھانجہ ملک خورشید ایس پی، (پولیس) کے طور پر ہم پر مسلط کیا ہے وہ پہلے فوج میں میجر تھا۔ پھر اسے تنزلی دے کر کیپٹن بنایا گیا لیکن جب یہ اس حیثیت میں بھی فوج میں نہ چل سکا اور اپنے کردار کی وجہ

سے یہ وہاں ناقابل برداشت ہوگیا تو اس لئے اسے ایس پی کا کمانڈ عہدہ دے دیا گیا۔ یہ حالات سول ملازمتوں اور مسلح افواج کے درمیان خلیج حائل کر رہے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ حالات ذہین طلباء کو بھی سول ملازمتوں میں داخل ہونے کا یہ پچھلا دروازہ استعمال کرنے اور دوسرے ناجائز ذرائع اختیار کرنے پر مجبور کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ بات تو بہت آسان ہے کہ پہلے فوج میں بھرتی ہو جاؤ۔ پھر جب وہاں ناقابل برداشت ہو جاؤ تو کوئی سفارش حاصل کر لو!

جناب والا۔ ہمارا ملک بہت چھوٹا اور اسکے وسائل محدود ہیں۔ ۵۰ فیصدی غیر پیداواری خرچہ ہماری استطاعت اور قوت برداشت سے باہر ہے چنانچہ اس طرح کی جنگی جنون کی پالیسی کے متعلق تو ہمیں سوچنا بھی نہیں چاہیئے، ہم پہلے ہی بدقسمتی سے اپنا آدھا ملک کھو چکے ہیں۔ ابھی تو ہمارے گذشتہ دو جنگوں کے زخم بھی ہرے ہیں۔ امریکہ جیسا دولتمند ملک بھی اس طرح سے جنگ کی عیاشی کا متحمل نہیں ہو سکتا اور ابھی تک وہ ویت نام کی جنگ کے زخم چاٹ رہا ہے اس لئے اب امریکہ اس چکر میں ہے کہ حقیر معاوضے کے عوض دوغلا کر اوروں کو اپنی طرف سے لڑوائے اور اپنے مخصوص مقاصد کی تکمیل کرتا رہے اس لئے نہ صرف ترقی بلکہ بنی نوع انسان کے لئے اور خود ملک کی سلامتی کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ اپنے پڑوسی ممالک سے اچھے تعلقات استوار کئے جائیں۔ افغانستان، اور ہندوستان سے پرامن دوستانہ تعلقات براہ راست ہمارے اپنے ملک کی سالمیت کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اس لئے ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیئے اور ہمارے بے وقوف حکمرانوں کو افغانستان کے خلاف زبان درازی اور اس کے اندرونی معاملات میں مداخلت فوراً بند کرنی چاہیئے۔ ان وجوہات کی بنا پر اس حکومت کے خلاف ہماری جدوجہد کسی منحوس ملکی مسخرے کے خلاف عام قسم کی شکایت نہیں ہے بلکہ یہ اپنے ملک کے اقتدار اعلے، خود مختاری اور سلامتی کی جدوجہد ہے۔ جیسا کہ محترمہ ڈولورس کہتی ہیں "گھٹنوں کے بل

نوآبادیاتی نظام کے خول سے نجات حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ امریکہ کی انتظامی اور اقتصادی بالادستی سے نجات حاصل کی جائے علاوہ ازیں ملک کی صنعتی ترقی کے لئے بھی لازمی ہوتا ہے کہ ہم زرعی اصلاحات کے ذریعے اندرونی مارکیٹ پیدا کریں وسے بڑھائیں اور حکومت کی نگرانی میں چھوٹے سرمایہ داروں کو کاروبار کی اجازت دیں اور ساتھ ساتھ بنیادی صنعت کو قومی تحویل میں لیتے ہوئے مزدوروں کو انتظامیہ میں شامل کرکے جمہوری طریقہ سے اس کا انتظام چلائیں صحت مند پاکستان کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے عوام کو صحت و تعلیم کی بنیادی سہولیات فوجی تخفیف کرنے سے مہیا کریں۔ رشوت ستانی کے فوری خاتمے کے لئے ضروری ہے کہ ہم کم از کم تنخواہ ایک تولہ سونے کے برابر دیں۔ قومی یکجہتی کے لئے ہمیں چھوٹی قوموں کو لسانی اور ثقافتی حقوق دے کر مطمئن کرنا ہوگا۔ یہ انداز فوجی بجٹ کو عوام کی بہتری کے کاموں کی طرف موڑنے کے لئے پڑوسی ممالک سے پرامن تعلقات قائم کرنے ہوں گے جس کے لئے دوطرفہ تعلقات کی بنیاد پر سوشلسٹ ممالک سے تجارت ناگزیر ہے لیکن ان تمام کاموں کے لئے ان محب وطنوں اور ترقی پسندوں کی مشاہبت اس نام نہاد قومی حکومت سے، بالکل نہ کی جائے جس میں امریکی ایجنٹ، اجارہ دار سرمایہ دار بڑے زمیندار اور سینئر جنرل شامل تھے یا ہیں یا اب مختلف بہروپ بدل کر آئیں گے۔

محترم صدر اور ممبر صاحبان! ہمارے عوام سیاسی طور پر باشعور ہیں اس لئے امریکہ کبھی بھی عوام حمایت کی امید نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہاں امریکہ کے اہم مہرے سینئر جنرل ہی ہیں۔ جیسا کہ امریکہ کے نائب وزیر خارجہ جس بیس نکلے نے ایک پریس کانفرنس میں علی الاعلان اقرار کیا ہے کہ پاکستانی فوج کے تمام سینئر جنرل ہمارے اپنے آدمی ہیں۔ ظاہر ہے کہ پریس کا یہ حصہ ہمارے اخبارات میں شائع نہیں ہونے دیا گیا ۱۹۷۱ء میں چونکہ یہ جنرل براہ راست ملک توڑنے کے ذمہ دار تھے اس لئے وہ اپنا قبضہ برقرار نہیں رکھ سکتے تھے۔ نئے پاکستان میں چونکہ منتخب حکومت برسراقتدار آچکی تھی۔ اس لئے امریکہ سے تعلقات بھی سرد مہری اور عدم غلامی کا شکار ہو گئے لیکن پھر جیسے ہی سینئر جنرل دوبارہ میدان میں آئے امریکہ سے دنیا ناطہ

آرڈیننس نے تو صرف پولیس کی رشوت کی کمائی میں مزید اضافہ کیا ہے کیونکہ یہ جواب پولیس کی صوابدید پہ ہے کہ وہ جس مقدمے کو اس کا جی چاہے حدود آرڈیننس کے تحت چالان کر دے جبکہ جرائم بڑھنے کی اصل وجوہات دوسری ہیں۔ ایک اہم وجہ تو معاشرے میں موجود گھٹن ہے اور پھر سیاسی سرگرمیوں اور پریس پر پابندی نے اس گھٹن کو بہت شدید کر دیا ہے اور خطرناک حد تک زیادہ بھی! اس حکومت نے جذبات کے فطری نکاس کے تمام راستے روک دیئے ہیں اس لئے اب وہ غیر فطری طور پر ابھر رہے ہیں۔ سیاسی سرگرمیاں اور اخبارات جرائم پر اخلاقی کنٹرول کی حیثیت و اہمیت رکھتے ہیں لیکن اس حکومت نے تو انہیں ختم کر دیا ہے۔

معاشرے میں مثالی کرداروں کی کمی پورے سماج پر عموماً اور نوجوانوں پر خصوصاً اثر انداز ہوتی ہے۔ جب اس ملک کے نوجوان یہ دیکھتے ہیں کہ کوئی شخص صرف حلف وفاداری کی خلاف ورزی کر کے اپنے ڈنڈے کے بل پر صدارت اور اقتدار پر قبضہ کر سکتا ہے تو پھر انہیں بھی برائی کے دوسرے راستوں کی ترغیب ملتی ہے۔ وہ دیکھتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی کسی ایک گاؤں کو لوٹتا ہے تو ڈاکو کہلاتا ہے، کسی دوسرے ملک کو برباد کرتا ہے تو فاتح کہلاتا ہے لیکن اگر اپنے ہی ملک پر قبضہ کر کے اسے ویران کر ڈالتا ہے تو پھر چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کہلاتا ہے۔ یہی وہ حالات ہیں جن کی وجہ سے ایک دن ہم فیصل آباد کے کسی مولوی کو ۹ سالہ بچی کو اغوا کرتے ہوئے دیکھتے ہیں یا لاہور کی منارہ مسجد کے پیش امام کو اپنی بارہ سالہ بچی سے زنا بالجبر کرتے دیکھتے ہیں، امن فروری ۱۹۸۱ء کسی دن خوب کھاتے پیتے گھرانے کے نوجوان اور ان کے تعلیم یافتہ ساتھیوں کو بنک لوٹتے ہوئے دیکھتے ہیں تو کسی دن مجلس شوریٰ کے ایک رکن ارباب امیر حسن کو مسماۃ رحمت کو اغوا کرتے ہوئے اور مزاحمت کے جرم میں اس کے بھائی کو مارشل لاء کے تحت گرفتار کرواتے بھی دیکھتے ہیں!۔ اب دیکھ لیجئے آپ کی چادر اور چار دیواری کی حفاظت کیا خوب ہو رہی ہے!

جناب والا۔ کچھ وحشی اور لٹیرے ہمارے ملک، تہذیب اور تمدن کو تباہ کرتے پر

آمادہ ہیں اور اسے تباہ کر رہے ہیں تو پھر ہم محض ایک خاموش تماشائی کیسے بنے بیٹھ سکتے ہیں۔

محترم! سرکاری وکیل نے مجھ پر الزام لگایا ہے کہ میں کمیونسٹ ہوں۔ جی ہاں میں کمیونسٹ ہوں اور مجھے اپنے کمیونسٹ ہونے اور کہلوانے پر فخر ہے۔ حکمران طبقوں نے نہ صرف معاشرے کا ہر ادارہ غلط طور پر استعمال کیا ہے بلکہ اسلام کا نام بھی غلط طور سے استعمال کیا ہے۔ انہوں نے ادارے تباہ اور ملک برباد کر دیا ہے اور اب یہ آخری کارتوس یعنی افواج پاکستان کو بھی، اپنے لئے استعمال کر رہے ہیں حالانکہ یہ بات عالم آشکار ہے کہ یہ آخری کارتوس بھی ۱۹۷۱ء میں ملک متحد نہیں رکھ سکا۔ اس لئے اب صرف ہم اور ہمارے محب وطن اور جمہوری اتحاد ہی ملک کو امن و ترقی اور خوشحالی کی راہ پہ لے جا سکتے ہیں۔

آج پاکستان بنیادی سماجی تبدیلیوں کے لئے تیار ہے۔ ہمارا ملک ۱۹۷۱ء میں بھی ایسی تبدیلیوں کے لئے تیار تھا لیکن ہمارے ایک سینئر جنرل اس وقت بھی رضاکارانہ طور پر، اقتدار اعلیٰ عوام کے منتخب نمائندوں کے حوالے کرنے کو تیار نہ تھے۔ ملک کی تمام، اکثریتی جماعتیں سماجی تبدیلیوں کا وعدہ کر چکی تھیں۔ انہوں نے زرعی اصلاحات اور بنیادی صنعتوں کو قومیانے کے ساتھ ساتھ نوکر شاہی سرمائے کی تخفیف اور امریکہ سے فوجی معاہدے ختم کرنے کے عوام سے وعدے کئے تھے مگر ہمارے سینئر جنرلوں نے اس وقت رائے عامہ کے سامنے ہتھیار ڈالنے کی بجائے ملک کو تقسیم کر کے اس پر ایک اور مارشل لاء مسلط کرنے کا فیصلہ کیا۔ تب یہ صورت حال دیکھ کر ہمارے ملک کے زیادہ باشعور اور بلند عزم حصے نے خود کو آزاد کروالیا۔ ملک کا تبدیلی کے لئے تیار ہونا ایک طرح سے اس بچے کی مانند ہے جو ماں کی کوکھ سے جنم کیلئے تیار ہو اور اگر وقت کے اندر ولادت نہ ہو تو اس دم ماں کی زندگی جو کہ اس صورت میں (ملک) تھا اور بچے کی زندگی جو کہ اس صورت میں (سماجی تبدیلی اور خوشحالی تھی) دونوں خطرے میں پڑ جاتی ہیں۔ اور بجائے اس کے کہ ہم سماجی تبدیلی لاتے جو کہ ملک کو بچا سکتی تھی ملک کو دو ٹکڑے کر دیا گیا مگر افسوس کہ ہم آج پھر وہی تجربہ دہرا رہے ہیں جس کے ہم کسی صورت بھی متحمل نہیں ہو سکتے۔ اس وطن عزیز

سکے لئے جغرافیائی طور پر یہ ممکن ہے کہ وہ مشرقی پاکستان کے الگ ہونے کے بعد بھی قائم رہ سکے لیکن اب جغرافیائی حالات ایسے پیدا ہو گئے ہیں کہ اگر ملک کا کوئی ایک حصہ بھی الگ ہو گیا تو یہ ملک قائم نہ رہ سکے گا۔ اور جہاں تک میرا اور میرے نظریہ کا تعلق ہے تو میں کمیونسٹ پارٹی آف پاکستان کی مرکزی کمیٹی کا رکن ہوں اور اس حیثیت میں اپنے منتہائے مقصود یعنی سوشلزم کے قیام کے لئے جدوجہد کر رہا ہوں لیکن مجھے علم ہے کہ ہمارے اس سماج کے کئی ایسے طبقات ہیں جو یہ جاننا چاہتے ہیں کہ اگر یہ حالات جوں کے توں رہے اور جنرلوں نے اپنی روش نہ بدلی تو ہمارا عزیز ملک پھر خطرے میں ہے۔ وہ یہ بات بخوبی جانتے ہیں کہ اس وقت ہمارے پورے ملک کو امریکی اڈے میں تبدیل کیا جا رہا ہے اور ہماری پوری معیشت کو بھی امریکہ کی مددگار یعنی ایک طفیلی معیشت بنایا جا رہا ہے جس کے نتیجہ میں نہ صرف یہ کہ ہماری قومی معیشت میں ترقی نہ ہو گی بلکہ اقتصادی طور پر بھی ہم امریکی سامراج کے مستقل غلام بن کر رہ جائیں گے اور ہمارے پاس جو برائے نام صنعت موجود ہے اور جس سے ہم اپنا پورا کر رہے ہیں وہ بھی ختم ہو جائے گی۔

اس معاشرے کے وہ حصے جن میں مزدور، کسان درمیانہ طبقہ دانشوروں، ادیبوں شاعروں اور چھوٹے زمینداروں، بیوپاریوں اور سرمایہ داروں کا وہ حصہ جو امریکہ سے بندھا ہوا نہیں ہے، ان سب کا تو بہت کچھ داؤ پر لگا ہوا ہے۔ ان کا نہ صرف ذریعہ معاش اور خوشحالی و تعلیم داؤ پہ لگے ہوئے ہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ پورا ملک ہی خطرے میں ہے اس لئے سماج کے تمام حصے بنیادی سماجی تبدیلی لانے کا انتہائی مصمم ارادہ کر چکے ہیں۔ اس تبدیلی کے ذریعے وہ اپنے ملک کو اور زیادہ مضبوط اور خوشحال بنائیں گے۔ یہ بنیادی تبدیلی ہمارے ملک کے لئے آزاد قومی جمہوریت کا درجہ رکھتی ہے اگرچہ کچھ طبقات کے لئے تو یہی ان کی آخری منزل ہے لیکن سائنسی سوشلزم پر یقین رکھنے والوں کے لئے یہ کڑی دھوپ کے سفر میں ایک پڑاؤ ہے یا پھر ایک منزل کی تکمیل ہے اور یہ مقصد حاصل کرنے کے لئے تمام ترقی پسندوں اور محب وطن لوگوں کا مضبوط اتحاد لازمی ہے اور جدید

جینے سے پاؤں کے بل کھڑے ہو کر مرنا زیادہ بہتر ہے اور ہم لوگ جو بولتے اور جدوجہد کرتے رہیں ہمیں یہ معلوم ہے کہ ہمیں اپنے ہر لفظ کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے، پھر بھی اپنے اس عمل کو ہم اس لئے جاری رکھتے ہیں کہ ہمارا اقتدار اعلیٰ اور ملک کی سلامتی خطرے میں ہے۔

اس پراسرار غازی نے گذشتہ چار سال کے دوران ہر دوسرے دن یہ اعلان کیا ہے، کہ آئندہ ماہ مجلس شوریٰ بنائی جائے گی کتنے ہی عرصے تک تو اس کے اعلانات محض ہوائی قلعے بنے رہے کیونکہ پاکستان کی ۸½ کروڑ آبادی میں سے اس بچارے کو اڑھائی سو ایماندار آدمی بھی نہیں مل رہے تھے۔ آخر بڑی دیر کے بعد بڑی مشکل سے کچھ آدمی اس کے ہاتھ لگے بھی تو ان میں سے کچھ نے حلف اٹھانے سے انکار کر دیا اور کچھ عوام کے دباؤ کی وجہ سے حکومت کی ان غلط پالیسیوں اور رویّوں پر تنقید کرنے لگے، حالانکہ ان میں سے اکثر تو وہی ہیں، جنہیں یہی حکومت رشوت اور کئی دوسرے الزامات کے تحت نااہل قرار دے چکی ہے۔ سندھی میں اسی کو کہتے ہیں "تھوک کر چاٹ لیا"

محتسب اعلےٰ کے تقرر کے معاملے میں بھی یہی صورت حال ہے۔ یہ گذشتہ دو سال کے عرصے سے اس کی سخت تلاش میں ہے مگر اسے کوئی ایک آدمی بھی ایسا نہیں ملا جسے یہ محتسب اعلےٰ کے طور پر مقرر کرتا۔ گویا یا تو ملک کا کوئی ایک ایماندار انسان بھی اس ٹولے سے تعاون کے لئے تیار نہیں ہے یا پھر اس اتنے بڑے ملک میں" یہ "صرف اپنے آپ کو ہی ایماندار سمجھتا ہے اور کبھی کبھی تو موجودہ حکومت یہ بھی ظاہر کرتی ہے کہ ملک میں امن وامان قائم کرنے کے لئے ہی اس نے اقتدار پر غاصبانہ قبضہ کیا تھا لیکن اس ضمن میں خود سرکاری اعداد و شمار بھی اس کے برعکس کہانی سناتے ہیں۔ سندھ میں ۱۹۷۹ء میں ۴۴ ہزار جرائم ہوئے اور ۱۹۸۰ء میں ۲۷ ہزار جرائم ہوئے۔ صوبہ پنجاب میں ۱۹۷۹ء میں ۹۰ ہزار جرائم جبکہ ۱۹۸۰ء میں ۹۹ ہزار جرائم ہوئے۔ یعنی کہ جرائم میں ترقی کی یہ رفتار تیز تر ہے حالانکہ کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ حدود آرڈی ننس کے نفاذ کی وجہ سے جرائم بڑھ گئے ہیں لیکن ہم یہ سمجھتے ہیں کہ حدود آرڈیننس کا نہ مثبت اثر پڑا ہے اور نہ ہی کوئی منفی اثر ہوا ہے۔ حدود

جوڑ اگیا اور اس کے اشاروں پہ چلنے کو ایمان بنا لیا گیا تاکہ پاکستان کو ایران اور افغانستان کے خلاف اڈے کے طور پہ بہ آسانی استعمال کیا جا سکے اور وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کو آزادی اور ترقی و خوشحالی کی راہ پر گامزن ہونے کی پاداش میں ہی ان جرنلوں نے پھانسی دی ہے مگر امریکی سامراجی اور اس کے ایجنٹ پہلے بھی عوام کو دھوکہ دینے میں کامیاب نہیں ہوئے تھے تو اب جبکہ عوام زرعی اور دوسری ، اصلاحات کا تجربہ حاصل کر چکے ہیں اور سامراجیوں اور اس کے ایجنٹوں سے جان چھڑانے کے بعد چند سالوں تک فائدے اور بہتر مفادات حاصل کر چکے ہیں تو پھر سامراجی ایجنٹ چاہے اسلامی روپ اختیار کریں یا کوئی دوسرا بہروپ دھاریں، عوام اب کسی طور پہ بھی انہیں قبول نہیں کریں گے اور اب تو چینی ، توسیع پسند بھی بے نقاب ہو چکے ہیں۔ اس لئے یہ امریکہ نواز جرنل کبھی بھی انتخابات نہیں کروائیں گے اب چاہے وہ لاکھ قرآن اٹھائیں لیکن لوگ ان پر ہرگز اعتبار نہیں کریں گے۔ آخر بار ہا کے آزمائے ہوؤں کو کیا آزمانا؟ اس مرحلے پر یہ نشاندہی کرنا بے محل نہ ہوگا کہ بھٹو شہید انتخابات جیت چکے تھے اور اس کے بعد ہی یہ سارا ڈرامہ شروع ہوا ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نہ صرف ہمارے ملک میں بلکہ عام طور پہ ہر اس ترقی پذیر اور کمزور ملک میں جس کے امریکہ سے امدادی اور فوجی تعلقات ہیں یہی منحوس اور غیر یقینی صورت حال موجود رہے۔ پاکستان اور ترکی تو اس کی واضح مثالیں ہیں اور ایسے ممالک میں صرف عوام ہی انتخابات کروا سکتے ہیں جیسا کہ اسلامی جمہوریہ ایران میں ہوا ہے سامراجیوں سے وراثت میں ملی ہوئی مسلح نوکر شاہی عام حالات میں رضاکارانہ طور پہ اقتدار نہیں چھوڑتی اس لئے یہاں عملی طور پر سب سے پہلے عوام کی اپنی حکومت قائم کرنا ہوگی۔ اس کے بعد ہی انہیں انتخابات کروانے کے بعد قانون بنانا ہوگا۔ اس بنا پر کمیونسٹ پارٹی آف پاکستان نے چار نکاتی پروگرام پیش کیا تھا اور اس نے ملک کے تمام محب الوطن افراد کو دعوت دی تھی کہ وہ متحد ہو

کہ عوام کا اقتدار اعلیٰ اور ملک کی بالادستی بحال کر وائیں۔ ظاہر ہے بائیس بڑے سرمایہ دار خاندان اور تھوڑے سے جاگیردار نیز مٹھی بھر جرنیل اور ان کے گنے چنے ایجنٹ تو اس کی مخالفت ہی کریں گے لیکن ان کے مفروضوں سے بہت پہلے سماج کے وہ تمام طبقات جن کا مفاد خود مختار پر امن، خوشحال اور مشترکہ معیشت کا حاصل، صرف لسانی اور ثقافتی حقوق دینے والے پاکستان سے ہے اٹھ کھڑے ہوں گے اور اپنی جدوجہد کے ذریعے تمام حقوق حاصل کر لیں گے۔ حکومت کو علم ہے کہ یہ پروگرام کس قدر پرُوقت اور کار آمد ہے اور یہی سبب ہے کہ ہم اس کی آنکھوں کا کانٹا بن گئے ہیں اور وہ ہم پر ہر وقت وحشت ناک وار کر رہی ہے کیونکہ حکومت کو پوری طرح علم ہے کہ پریس اور عدلیہ کی آزادی کے حقیقی علمبردار صرف ملک کے محنت کش عوام ہیں اور ملک کے محنت کش عوام کے لئے یہ زندگی اور موت کا مسئلہ ہے اگر عدلیہ کو تھوڑی سی بھی آزادی ہوتی قانون کی بالادستی ہوتی اگر پریس پر پابندی نہ ہوتی اور ہمارا ، بدنصیب ملک امریکہ کے زیر دست اور اس کی طفیلی ریاست کی حیثیت میں نہ ہوتا تو یہ پراسرار غازی "نذیر عباسی" کو فوجی کیمپ میں وحشیانہ اذیتیں دے کر شہید نہ کر سکتے تھے اور اس مقدمے میں شامل میرے دوسرے ساتھیوں اور دوستوں کی زندگیاں اس لئے نہیں بچیں کہ وہ قصائی بعد میں کوئی انسان بن گئے تھے بلکہ ان کی زندگیاں صرف اس لئے بچ گئیں کہ تمام ترقی پسند اور محب وطن لوگوں نے ملک بھر اور پوری دنیا میں بڑی مہم چلائی تھی میں اپنے تمام ساتھیوں اور پاکستان کے عوام کی طرف سے ان سب کا شکر گزار ہوں اور انہیں یقین دلاتا ہوں کہ دنیا کو جدید مواصلاتی ذرائع بھی اسقدر قریب نہیں لا سکے اور نہ ہی اتنی ہم آہنگی پیدا کر سکے ہیں جس قدر کہ یکجہتی بھائی چارے اور اصولوں کے یہ جذبات دنیا کو قریب لاتے ہیں۔ اس پراسرار غازی نے اسلام کے لئے اپنی محبت کا زبردست ڈھنڈورہ پیٹا ہے اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہ کرسی اقتدار پر اپنے ناجائز قبضے کو جائز قرار دینا چاہتا ہے اور

دوسری اہم وجہ یہ بھی ہے کہ وہ سپاہیوں کو یہ یقین دلانے کا آرزو مند ہے کہ ملک پر مارشل لاء اسلام کی خدمت کے لئے مسلّط کیا گیا ہے وہ یہ چال چلنے پر مجبور رہو گیا ہے کیونکہ ہماری افواج کی اکثریت بھی اب اس کی بدنیتی کو سمجھنے لگی ہے۔ اسلام تو سماجی انصاف عوام کی بھلائی اور قانون کی حکمرانی سکھاتا ہے مگر سامراج، اسلام اور دوسرے مذہب کو دو رخے ملاؤں اور اپنے کرائے کے پٹھوؤں کے ذریعے جمہوریت، مساوات، خوشحالی اور ترقی کے خلاف استعمال کرنے کی کوشش کر رہا ہے لیکن اب سامراج اور اس کے ایجنٹوں کی اس سازش کا بھانڈا پھوٹ چکا ہے۔ ایک اسلامی ملک مصر میں بنیاد پسند مسلمانوں نے بھی غدار۔ سادات کی ایسی ہی سخت مخالفت کی جیسی دیگر تمام محب وطن عوام نے کی۔ اسلام ایک طاقتور سامراج دشمن قوت ہے۔ اسلامی جمہوریہ ایران میں جہاں عراق سے جنگ بھی جاری ہے وہاں بھی انتخابات کا محض وعدہ ہی نہیں کیا جاتا بلکہ واقعی ان کا انعقاد بھی کیا جاتا ہے۔ ایران کے عوام نے شہنشاہ کے تختے نکال دیئے اور ساواک کو ختم کر کے عوام کا اقتدار اعلیٰ بحال کر دیا ہے۔ افغانستان کی جمعیت علماء اسلام، کارمل حکومت کی طرف سے اپنے عوام کی بھلائی کے لئے کی گئی تمام اصلاحات کی مکمل حمایت کر رہی ہے مگر یہ پراسرار غازی کرسی پر قبضہ کر کے عوام کو کچلنے اور جمہوریت کے سورج کو ڈبو دینے کی کوشش کر کے شاہ ایران اور سابق سعودی شاہ خالد جیسی مطلق العنان امریکہ نواز ڈکٹیٹر شپ قائم کرنا چاہتا ہے۔ ان حالات میں کوئی احمق یا منافق ہی بات پر اعتبار کریگا کہ وہ امریکی سامراجیوں اجارہ دار سرمایہ داروں اور بڑے وڈیروں کی خدمت کی بجائے، اسلام کے لئے جہاد میں مصروف ہے۔

ستمبر ۱۹۸۱ء میں یونیسکو کی تاریخی کانفرنس کے موقع پر انسانی حقوق کا عالمی اسلامی اعلان نامہ جاری کیا گیا تھا۔ یہ پندرھویں صدی ہجری کے آغاز کا مبارک موقع بھی تھا۔ ان حقوق میں مذہبی آزادی، فکر عقائد تحریر و تقریر کی آزادی، انجمن سازی کی آزادی مساوات کا حق امن و انصاف مقدمات کی منصفانہ سماعت عدلیہ کی آزادی اور ایذا رسانی کے خلاف تحفظ کا حق شامل،

بمیاد انصاف کے حق میں کہا گیا ہے کہ ہر ایک کو نہ صرف یہ حق حاصل ہے (اور ہر ایک پر یہ فرض بھی ہے) کہ وہ کسی بھی غیر قانونی حکم کو ماننے سے انکار کر دے چاہے وہ کسی نے بھی کیوں نہ دیا ہو!

اسلامی فکر کے علما کے متفقہ طور پر تیار کردہ اس اعلان نامہ کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ مقدمہ میرے جیالے ساتھیوں اور دوستوں پر چلائے جانے کی بجائے خود غاصبوں پر چلایا جانا چاہیئے۔ اذیت کے خلاف تحفظ کا حق کہتا ہے کہ کسی بھی انسان پر جسمانی یا ذہنی تشدد نہیں کیا جائے گا نہ بیحرمتی کی جائے گی، نہ دھمکیاں دی جائینگی یا زخمی کیا جائے گا اور نہ ہی ان کے عزیزوں یا دوستوں پر کسی طرح کا تشدد کیا جائے گا اور نہ کسی سے کسی جرم کے ارتکاب کا جبراً یا خوف سے اقرار کروایا جائے گا یا کوئی ایسا اقدام کروانے پر مجبور کیا جائیگا جو ان کے مفادات کو مجروح کرے مگر اس نام نہاد اسلامی حکومت نے نہ صرف مجھ پر بار ہا تشدد کیا ہے بلکہ پاکستان کے بیباک اور نڈر طالب علم راہنما نذیر عباسی کو انتہائی درندگی کے ساتھ شہید کر دیا، مذکورہ بالا اعلان نامہ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ عوام کو اپنا حاکم منتخب کرنے اور اسے ہٹانے کا بھی حق حاصل ہے (یعنی آزادانہ انتخابات کا حق) مگر یہ پراسرار غازی عوام کو یہ حق دینے کی بجائے ان کے ہوش ٹھکانے لانے میں دلچسپی رکھتا ہے اور پاکستان کے حکمران ٹولے کے لئے اسلام کا پیغام صرف سنسر شپ، کوڑے، ہاتھ کاٹنے کی اذیت ناک سزائیں اور پھانسیاں ہیں اس ہمارے اپنے ملک کے وزیر خارجہ نے ایک کمیٹی مقرر کی تھی کہ وہ اسلامی اقتصادیات کی منصوبہ بندی کرے اور اس کمیٹی میں ملک کے چوٹی کے ماہرین اقتصادیات موجود تھے۔ اس کی رپورٹ مئی ۱۹۸۰ء میں شائع کی گئی۔ یہ دستاویز ایک اہم اور غور و فکر سے تیار کی گئی دستاویز ہے جس میں ہمارے اقتصادی مسائل کے حل کے لئے کافی معقول حل تجویز کئے گئے اس رپورٹ کی بنیاد اس بات پر رکھی گئی ہے کہ اقتصادیات کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے اور فروغ دینے کا مقصد ظلم (سماجی عدم مساوات و ناانصافی) اس وقت اسلامی اصولوں پر مبنی قرار دی جا سکے گی جب وہ العدل والاحسان کے خاتمے کے ذریعے العدل والاحسان

یعنی انصاف اور برابری) یعنی (غریبوں کی طرف زیادہ مائل) کا ایک حصول ہے۔ اس رپورٹ میں بجا طور پر کہا گیا ہے کہ موجودہ اقتصادی صورت حال میں شامل ان موجودہ مقاصد کے حصول کے ذریعے کی جا سکتی ہے (۱) سماجی انصاف (۲) عام تعلیم (۳) اقتصادی ترقی (۴) زیادہ سے زیادہ روزگار کے مواقع مہیا کرنا (۵) معیار زندگی کو بہتر بنانا۔

سماجی انصاف کا جائزہ لیتے ہوئے رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ معاشرے میں موجود دولت اور پیداواری قوت کی منصفانہ تقسیم کی جائے ۔ اس ضمن میں بعض تجاویز بھی رپورٹ میں دی گئی ہیں مثلاً زمین کسانوں میں تقسیم کرنا زمین کی حد ملکیت فی خاندان مقرر کرنا، اجارہ دار سرمایہ داروں کی ملکیت کو مناسب حد میں لانا، صنعتوں میں اضافہ کرنے کی وکالت بھی کی گئی ہے۔ تعلیم کو عام کر کے دولت کی تقسیم میں معاون و مددگار بنانا ہے اقتصادی ترقی اور روزگار کے مواقع فراہم کرنے کے لئے، قومی تحویل میں لی گئی صنعتوں اور غربت کے خاتمے اور سماجی تحفظ کیلئے ایک ایسے پروگرام کی سفارش کی گئی ہے جس میں لوگوں کو مفت فنی پیشہ ورانہ تربیت دی جائے رپورٹ میں اس بات پر بھی زور دیا گیا ہے کہ طویل المیعاد منصوبہ بندی کے لئے پبلک سیکٹر کو حاوی رکھنا پڑے گا۔ کیونکہ نجی سرمایہ کا نظام نہ تو سود کو ختم کر سکتا ہے اور نہ ہی غریبوں کی بنیادی ضروریات پوری کر سکتا ہے رپورٹ میں اس پر مزید کہا گیا ہے کہ یہ اس قدر نازک معاملہ ہے کہ ہم اس کو سرمایہ داری کی منڈیوں کے قوانین اور نجی سرمایہ کے بے دردیا ہاتھوں میں اس طرح نہیں چھوڑ سکتے ۔ مگر ضیاء حکومت نے بڑی خاموشی کے ساتھ اس رپورٹ کو مسترد کر دیا ہے کیونکہ یہ بر اسرار عادی اسلام کو سامراج اجارہ دار سرمایہ داروں اور بڑے بڑے جاگیرداروں کی خدمت کے لئے استعمال کرنا چاہتا ہے جب کہ اس رپورٹ کے مطابق بتایا گیا ہے کہ اسلام ایک ترقی در ترقی اور سماجی انصاف کی قوت ہے مگر جنرل ضیاء کی حکومت کے اقتصادی

مقاصد کے سرچشمے مالیاتی فنڈ ہارورڈ گروپ اور شکر ہیں، جو ظاہر ہے کہ اسلام کے قطعی منافی ہیں۔ اس رپورٹ میں مزید صنعتوں کو بھی قومی تحویل میں لینے کی وکالت کی گئی ہے اور پبلک سیکٹر کی توسیع پر زور دیا گیا ہے مگر اس کے برعکس ضیاء حکومت قومی تحویل میں لی گئی صنعتیں سرمایہ داروں کے حوالے کر رہی ہے اس رپورٹ میں دولت کے چند ہاتھوں میں مرتکز ہونے کی مذمت کی گئی ہے جبکہ ضیاء حکومت نہ صرف ملکی سرمایہ داروں اور دولت کے پجاریوں کو تیار کر رہی ہے بلکہ بین الاقوامی جونکوں (خون چوسنے والے سرمایہ داروں) کو بھی سرمایہ کاری کی دعوت عام دے رہی ہے اس نے انہیں یقین دہانی کرا رکھی ہے کہ وہ بلا خوف و خطر اپنی لوٹ کھسوٹ جاری رکھیں کیونکہ ملک میں انتخابات کا کوئی امکان نہیں ہے۔ رپورٹ میں اس بات پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے کہ تعلیم فوری طور پر عام کی جائے مگر ضیاء حکومت صرف ایسے نجی تعلیمی ادارے کھولنے کی اجازت دیتی ہے جو کہ صرف مٹھی بھر دولتمندوں کی خاص تعلیمی ضرورتیں پوری کریں اور اس طرح مساوی مواقع کی فراہمی کی عملی طور پر مخالفت کی جا رہی ہے رپورٹ میں مشورہ دیا گیا ہے کہ دیہات اور شہروں والے علاقوں کی خاص مدد کی جائے مگر حکومت شہروں اور دیہات کے درمیان معاشی فرق کو دن بدن بڑھا رہی ہے رپورٹ میں سود کے بدلے نام نہاد منافع میں شرکت کی تجویز کی سخت مخالفت کی گئی ہے اور اسے غریبوں کی لوٹ کھسوٹ کی ایک شکل قرار دیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ اس طرح سے یہ بنیادی اسلامی اصول "العدل والاحسان"، کے خلاف ہے۔ جب کہ ضیاء حکومت نے سراسر یہی نظام رائج کر رکھا ہے جس کی اس رپورٹ میں اتنی شدّ و مد سے مخالفت کی گئی ہے رپورٹ میں زکواۃ کے بارے میں خبردار کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ یہ سمجھنا بے وقوفی کی انتہا اور موجودہ مسائل سے قطعی بے خبری ہو گی کہ دولت پر صرف یہ اڑھائی فیصد ٹیکس ضروریات کی تکمیل کریگا اور غریبوں کے مسائل حل کر دیگا۔ یا غریب اور امیر کے درمیان بڑھتی ہوئی موجودہ معاشی خلیج کو ختم کر دے گا، دراصل یہ

پراسرار غازی جہالت کی لگن میں یہ کہہ رہا ہے کہ زکواۃ غربت کا مسئلہ حل کر دے گی مگر درحقیقت یہ عمل معیشت کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کا نہیں ، بلکہ" ریگنیت" کو "ضیائی" سانچے میں ڈھالنے کا ہے اور یہ امر واضح طور پر سمجھا جاسکتا ہے کہ یہ پر اسرار غازی ہر ایک کو یقین دلانے کی کوشش کئے جا رہا ہے کہ وہ اسلام کی خاطر اپنی جان کی بازی لگا رہا ہے لیکن دراصل وہ سامراجیوں کے ساتھ اتنا بندھا ہوا ہے کہ وہ نہ تو ایران اور نہ دوسرے ممالک کی سامراج دشمن اسلامی جدوجہد سے کوئی سبق سیکھتا ہے اور نہ ہی غدار ساداوات کے انجام سے کوئی عبرت حاصل کرتا ہے۔ نہ ہی حقوق انسانی کے اسلامی اعلامیہ پر اس کی آنکھ کھلی ہے اور نہ ہی وہ ملک کے اعلیٰ ترین ماہرین اقتصادیات کی رپورٹ اور تحقیق کے مطابق ملکی معیشت کو اسلامی بنانے کے لئے تیار ہے۔

محترم صدر اور ممبران عدالت! اس سے مفر نہیں کہ میں نے اس حکومت کی ، مخالفت کی ہے لیکن میں نے یہ مخالفت اس لئے کی ہے کہ یہ ہمارے ملکی اور قومی مفاد کے لئے نہایت ضروری ہے۔ اور اس حکومت نے ہمارے ملک کی معیشت کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ اس وقت عالمی مالیاتی فنڈ کے مشوروں پر چلنے والی جدید نو آبادیاتی معیشت اور فوجی اخراجات کی نوازشوں کی بنا پر اونٹ سے زیادہ اس کی دم بھاری ہو گئی ہے ہم اس وقت ایک کھرب روپے کے مقروض ہیں اور اس پر ہمیں ہر سال دس ارب روپے صرف سود ہی ادا کرنا پڑتا ہے یہ حکمران ٹولہ جو یہاں ہم سے اکڑ کر بات کرتا ہے وہ عالمی بنک اور عالمی مالیاتی فنڈ کے آگے قرضوں کی ادائیگی ملتوی کروانے کے لئے ہاتھ پاؤں جوڑ رہا ہے اور ناک رگڑ رہا ہے۔ اس حکمران فوجی ٹولے نے تو ، افراط زر کے تمام ریکارڈ توڑ دیئے ہیں۔ ہماری سکورٹی پرنٹنگ پریس دن رات نوٹ چھاپنے میں معروف ہے مگر اس کے باوجود بھی نوٹ کم پڑ رہے ہیں۔ اگرچہ ہمارے نوٹ لندن سے بھی چھپ کر آرہے ہیں ۱۹۷۷ء میں پاکستان کے ۱۶ ارب روپے کے نوٹ گردش میں تھے جبکہ آج ہمارے پاس ۴۳ ارب روپے کے نوٹ گردش میں ہیں جن

میں سے موجودہ مارشل لاء حکومت کے ترماتے میں جاری کئے گئے نوٹ ۶۲ فیصد ہیں مہنگائی
اور افراطِ زر کا یہ ایک اہم سبب ہے۔ ۹ جنوری ۱۹۸۳ء کو روزنامہ ڈان لکھتا ہے کہ ہمارے
ملک کے ۳ کروڑ سے زائد افراد گذارہ کے معیار سے بھی نچلی سطح پر زندہ ہیں اور ۵ کروڑ
افراد بڑی مشکل سے اپنی گزر اوقات کر پاتے ہیں اور دو سو میں سے ایک سو افراد بے
روزگاری، خراب صحت، مجبوریوں اور بیلش کے بعد مفلسی کی زندگی گزار رہے ہیں افسوس یہ
ہے کہ ہمارا مقدس وطن عزیز معاشرتی طبقوں میں بٹا ہوا ہے اور اکثر اوقات ہر طبقہ اپنے
مفاد کو بچانے کے لئے اپنے طبقے کی اپنی پارٹی بنائے ہوئے ہے اور میرا تعلق کمیونسٹ پارٹی
آف پاکستان سے ہے جو کہ ملک کے محنت کشوں طلباء دانشوروں وطن عزیز کے دیگر محب
وطن لوگوں اور جمہوری قوتوں کے مفاد کے لئے لڑ رہی ہے لہٰذا میں کسی دوسرے کو بھی
برداشت کر سکتا ہوں جو کسی اور طبقے کا نمائندہ ہو لیکن میں یہ بات واضح طور پر بتا دینا چاہتا
ہوں کہ مجھے کسی بھی پارٹی کے بنانے یا اس کی سرگرمیوں پر کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن میں یہ بات
بالکل نہیں برداشت کر سکتا کہ جنرل ضیاء سمیت کوئی بھی فرد افواج پاکستان کو ایک سیاسی پارٹی بنائے
جو کہ امریکی سامراج یا ۲۲ اجارہ دار سرمایہ داروں اور مٹھی بھر جاگیرداروں اور ان کے حواریوں
کے لئے کام کریں۔ چاہے ہم پر کیسے ہی الزام کیوں نہ لگائے جائیں، ہم ہر نقصان دہ بات کی انتہائی
سختی سے مذمت کرتے ہیں اور ہمیشہ مخالفت کرتے رہیں گے کوئی چاہے کتنا ہی قابل انجینئر
کیوں نہ ہو ہم یہ اجازت ہرگز نہ دیں گے کہ وہ ہمیں یا ہمارے کسی عزیز و اقارب یا دوست
احباب کو کوئی انجکشن لگائے۔ بالکل ایسے ہی ہم کسی جرنیل کو اجازت نہ دیں گے کہ مادر وطن
کو اپنی مرضی کے مطابق تباہ و برباد کرتا رہے اور اپنی من مانیوں کے ذریعے قوم کو پستی میں دھکیل
ڈالے جبکہ ہمیں اس کے سابقہ انتظامی آباؤ اجداد کا ملک ٹوٹنے اور اپنے بھائیوں سے جدا
ہونے کا تلخ تجربہ بھی حاصل ہے۔ اس کے علاوہ اب جبکہ ہمارا ملک چھوٹا سا ہے یا چھوٹا سا رہ گیا
ہے اور سامراجی سازشیں بے شمار ہیں تو ہم اسوقت کسی جرنیل کو سیاست میں ٹانگ اڑانے کی
اجازت نہیں دے سکتے اور ایسے میں جبکہ یہ وطن فروش، ننگِ ملت کرسی پر قبضہ جاری رکھنے

کے لئے ہر روز نیا بہانہ تراشتے ہیں۔ انہوں نے ہوا میں اتنے بال اچھالے ہیں کہ اب خود بھی نہیں کھیل سکتے۔ اب بہت ہو چکا ہے۔ انہیں اب اپنا بوریہ بستر گول کرنا چاہئے اپنی ہوس اقتدار کی تسکین کے لئے انہوں نے ہمارے ملک کا تقریباً ہر ادارہ تباہ و برباد کر دیا ہے حکومت کو قانونی قرار دینا اور بلا جواز ٹھہرا دینا عدالتوں کا کام نہیں ہے اقتدار اعلیٰ اور حکومت کو منظور یا نہ منظور کرنے کا حق صرف اس ملک کے عوام کے لئے مخصوص ہے۔ اس حکومت نے شروع شروع میں یہ دھوکہ بھی دیا کہ وہ اعلیٰ عدالتوں کا احترام کرتی ہے لیکن اب ڈھول کا یہ پول بھی کھل چکا ہے وہی سپریم کورٹ جو کل تک اس قابل سمجھی جاتی تھی کہ وہ اس پوری حکومت کو جائز یا ناجائز قرار دے اب وہ ایک معمولی فوجی میجر کی عقل کو بھی نہیں للکار سکتی اگر کوئی میجر فیصلہ دے یا حکم جاری کرے تو سپریم کورٹ کی ایک مکمل بنچ بھی اس پر اعتراض نہیں کر سکتی۔ اور یہ بات اس حد تک جا پہنچی ہے کہ اس حکومت کے حامی کئی ججوں نے بھی نیا حلف اٹھانے سے انکار کر کے ملازمتیں چھوڑ دیں۔ اس بنا پر حکومت نے مارشل لاء کا حکم نمبر ۱۵ اور اسی قسم کے کئی دیگر احکامات بھی جاری کئے ہیں اور ایسے احکامات نے ان تمام ملازمتوں کو غیر یقینی بنا دیا ہے۔ چنانچہ ملازمتوں میں جتنی یہ غیر یقینی بڑھتی ہے، اتنی ہی رشوت بھی بڑھتی ہے اور اگر ملازمت کی سلامتی کا دار و مدار کسی من موجی حاکم کی مرضی پر منحصر ہے تو پھر ہر ایک یہی کوشش کرے گا کہ وہ خود اتنا مال و دولت سمیٹ لے جو برے وقتوں میں اس کے کام آ سکے۔ علاوہ ازیں پریس پر پابندیوں کی بھر مار ہے اور اسمبلیاں توڑ دی گئی ہیں۔ اب ان پر نظر رکھنے اور احتساب کے لئے کوئی ادارہ موجود نہیں ہے لہٰذا آجکل رشوت خوری اور بدعنوانی اتنے زوروں پر ہے کہ پاکستان کی تاریخ میں پہلے کبھی نہ تھی اور یہ ایک امر مصدقہ ہے کہ جب بھی مارشل لاء روزمرہ کا بن جاتا ہے تو وہ ہر جمہوری ادارے کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔ ہر افسر ایک چھوٹا سا چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کراچی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن کا چیئرمین اخبارات کو یہ بیان جاری کرتا ہے کہ اس کی کارکر‌دگی

پر کوئی تنقید نہ کی جائے اور لانڈھی سنٹرل جیل کا سپرنٹنڈنٹ بھی اتنا بے دردہ بن جاتا ہے کہ وہ اس مقدمہ میں شامل میرے ساتھیوں کو قید تنہائی میں رکھے چھ ماہ تک دن رات مسلسل ایک ہی کوٹھری میں بند رکھتا ہے اگرچہ قانونی طور پہ اسے یہ اختیار ہرگز حاصل نہیں ہے اس کے علاوہ جب حکومت کا سربراہ (اور ملک کا بھی) ملتان کے مزدوروں کا قتلِ عام کرواتا ہے۔ منتخبہ وزیراعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو کو قتل کرواتا اور حمید بلوچ کو پھانسی پر لٹکا دیتا ہے۔ اور نوجوانوں کے راہنما "نذیر عباسی" کو اذیتیں دے کر شہید کرواتا ہے تو اس کے بعد قتل ملک میں روزمرہ معمول بن جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کراچی کی سی آئی اے، غلام حسین، عطاء محمد، اور دوسروں کو اذیتیں دے کر قتل کرتی ہے۔ پتوکی کی پولیس محمد سرور کو اذیتیں دے کر ہلاک کر دیتی ہے۔ اور جیوا اور صغریٰ کی عصمت لوٹ کر انہیں ننگا کر کے نچاتی ہے، سانگلہ ہل پولیس ماسٹر اصغر کو اذیتیں دے کر مار ڈالتی ہے۔ لاہور چھاؤنی کی پولیس کئی بے گناہ افراد کو اپنے ظلم و تشدد کا نشانہ بنا کر مار دیتی ہے۔ داد و پولیس کالو بہ ہاتی کو اذیتیں دے کر ہلاک کرتی ہے جیکب آباد پولیس جمعہ پٹھان کو تادم مرگ زدوکوب کرتی ہے۔ بنوں جیل کے حکام اسلم خان کو اذیتیں دے کر قتل کرتے ہیں۔ کورنگی پولیس محمد داؤد کو بے پناہ تشدد کر کے ہلاک کر دیتی ہے۔ دڈاپور پولیس اللہ ڈنہ کو تشدد کر کے مار ڈالتی ہے پتوہڑ کا د منڈی لاہور پولیس مس شہناز اور فیضاں کو تھانے میں بلا کر ننگا کر کے نچاتی ہے سرحد پولیس سید کامران رضا کو اذیتیں دے کر قتل کر دیتی ہے گوجرہ پولیس صحافی اشفاق حسین قریشی کو تشدد کے بعد ہلاک کر دیتی ہے۔ ٹلہار (سندھ) پولیس شاہ محمد قریشی کو اذیتیں دے کر قتل کرتی ہے علاوہ ازیں کون جانے ایسے کتنے دوسرے واقعات رونما ہوئے جو محض سنسر شپ کی وجہ سے پریس میں نہیں شائع ہو سکے ہمارے ملک کے تقریباً ہر

باشندے کو ان پولیس مقابلوں کا علم ہے جو آئے دن رونما ہوتے رہتے ہیں اور ان میں بدنام ڈاکو مارے جاتے ہیں۔ درحقیقت یہ سنگدل فوج کی حکومت ہمارے ملک اور فوج دونوں کو خود بدنام کر رہی ہے اور اپنی ان بدکرداریوں پر پردہ ڈالنے کے لئے الزام ہم پر لگاتی ہے اور اس طرح یہ فوجی حکومت دراصل ہماری فوج کا بھی بیڑہ غرق کر رہی ہے۔ اس ضمن میں، میں تھوڑی سی مثالیں دیتا ہوں۔

(الف) اس حکومت نے فوج میں ادغام کی پالیسی شروع کی ہے۔ آزاد کشمیر رجمنٹ میں سے اکثر کشمیریوں کا تبادلہ کرکے دوسری رجمنٹوں میں بھیجا گیا ہے۔ نیز پنجاب رجمنٹ سندھ رجمنٹ فرنٹیئر رائفلز میں بھی یہی صورتحال پیدا کی گئی ہے۔ اس کی وجہ صرف ایک ہی ہو سکتی ہے اور وہ یہ کہ مثال کے طور پر اگر کشمیری جمہوریت کی بحالی کے لئے، سڑکوں پر نکل آئیں اور یہ ایک ایسی زبردست تحریک بن جائے کہ پولیس کے ذریعے اس پر کنٹرول نہ کیا جا سکے تو حکومت ان پر آزاد کشمیر رجمنٹ کے ذریعے گولی چلانے کی حیثیت کی حامل ہونا چاہتی ہے کیونکہ حکومت سمجھتی ہے کہ اگر آزاد کشمیر رجمنٹ میں کشمیریوں کی اکثریت ہوگی تو کہیں وہ اپنے ہی لوگوں پر گولی چلانے سے انکار نہ کر دیں لیکن اپنی موجودہ نظر بندی کے دوران میں اپنے بہادر سپاہیوں کے ساتھ رہا ہوں اور پورے اعتماد کیسا تھ یہ دعویٰ کر سکتا ہوں کہ یہ فوجی چاہے کسی بھی صوبے سے تعلق رکھتے ہوں وہ اپنے عوام پر گولی نہیں چلائیں گے

(ب) فوجی کیمپوں میں نظر بندی کے دوران مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ انگریزوں کے دور سے لے کر اب تک یہ روایت ہے کہ سپاہیوں کو عام لوگوں سے گھلنے ملنے کی اجازت نہ دی جائے شہروں میں بھی وہ خاص اجازت نامے حاصل کرنے کے بعد ہی جا سکتے ہیں اور اگرچہ انگریز سامراج یہاں سے چلا گیا ہے لیکن ابھی تک ہمارے ملک میں اس کے احکامات پر سختی سے عمل درآمد کیا جا رہا ہے۔

(ج) فوج میں ملازمت کی صورتحال لازمی بھرتی سے کسی بھی صورت کم نہیں اگر کوئی ایک مرتبہ فوج میں شامل ہو جاتا ہے تو پھر لازمی طور پر پندرہ سال پورے کرنے کے بعد نجات حاصل کر سکتا ہے۔

(د) فوج میں افسر بھرتی کرنے کے لئے انگریز سامراج کی ایک خاص پالیسی تھی وہ افسر صرف اوپر کے طبقہ سے بھرتی کرتے جو عام طور پر ان کا وفادار ہوتا تھا۔ یا پھر فوج میں موجود کسی افسر کے رشتہ دار کی سفارش کی ضرورت ہوتی تھی اور یہ بے ہودہ سامراجی پالیسی آج بھی برقرار ہے میں ذاتی طور پر بعض ایسے افراد کو جانتا ہوں جنہیں آفیسری میں صرف اس لئے نہیں لیا گیا کہ وہ یا تو عام سپاہی تھے یا پھر سماج کے نچلے طبقوں کی اولاد تھے۔

(ح) فوج میں ایک اور دستور بھی رائج ہے جسے شغل یا فٹیگ کہا جاتا ہے جس کے تحت سپاہیوں کو تمام وقت جسمانی مشقت میں مصروف رکھا جاتا ہے تاکہ انہیں اپنی زندگی کے بارے میں سوچ بچار کرنے کی فرصت ہی نہ ملے کیونکہ حکومت یہ سمجھتی ہے کہ اگر سپاہیوں نے بھی سوچنا شروع کر دیا تو وہ بار بار مارشل لاء نہیں لگا سکتی۔

(ر) فوج کو سیاست میں ملوث کرنے کے سو مت : اپنے انٹیلی جینس کے شعبے کو بھی برباد کر رہی ہے کیونکہ مارشل لاء کی وجہ سے فوجی انٹیلی جینس شعبے میں عموماً اور سرحدی علاقوں میں خصوصاً یہ نوکر شاہی خاص منافع بخش بن جاتی ہے جس کی وجہ سے کئی افسران کی آپس میں مختلف باتوں پر چپقلش رہتی ہے۔ آئی۔ ایس۔ آئی کے افسران کو تنگ کرنے کے لئے کسی دن ایف آئی یو۔ والے کسی ایسے گاؤں پر قابو پا لیتے ہیں جس کا تعلق آئی ایس، آئی سے ہوتا ہے جس کے جواب میں موقع ملنے پر آئی ایس آئی والے بھی ایسے لوگوں کو پکڑ لیتے ہیں جن کا تعلق ایف آئی یو سے ہوتا ہے۔

(ز) مجھے حیدرآباد کی خصوصی فوجی عدالت سے سرکاری طور پر دس سال کی سزا اکتوبر ۱۹۸۱ء میں سنائی گئی۔ فوجی قوانین کے مطابق جب تک یہ فیصلہ ملزم کو سنایا نہیں جاتا اس

وقت تک اسے راز سمجھا جاتا ہے اور اس کا علم صرف متعلقہ حکام کو ہی ہوتا ہے لیکن بی بی سی نے اس دس سال کی سزا کا اعلان مارچ ۱۹۸۵ء میں ہی کر دیا تھا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ فیصلہ واشنگٹن میں دیا گیا۔ اور اس کے اسلام آباد پہنچنے سے پہلے بی بی سی کو پتہ چل گیا ـــــ اگر ملک کی اعلیٰ عدالتوں کو اختیار ہوتا تو یہ فیصلہ اس بنیاد پر ہی غیر قانونی قرار دیا جاتا۔ کیونکہ متعلقہ لوگوں (کورٹ کے ممبران، مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور چیف مارشل لاء) کے علاوہ دوسرے غیر متعلقہ لوگوں کو بھی اس کا پتہ چل گیا تھا۔ اس طرح سے یہ ایک سازش ثابت ہوئی۔

مجھے خفیہ اذیت گاہوں کے شریفانہ سلوک کا پہلے سے ہی اندازہ تھا اسلئے میں نے حیدرآباد کی خصوصی فوجی عدالت کے سامنے اپنے بیان میں یہ کہا تھا کہ اگر فوجی انٹیلی جنس کے شعبے کی سیاست میں مداخلت جاری رہی تو وہ ایک آدم خور بن جائے گا۔ یہ بیان میں نے ۲۹ جون ۱۹۸۰ء کو دیا تھا۔ اور نذیر عباسی شہید کو ۹ اگست ۱۹۸۰ء کو فوجی کیمپ میں اذیتیں دے کر شہید کر دیا گیا تھا۔ یہ بات اب پوری دنیا کو معلوم ہو چکی ہے اور یوں قاتلوں کے اس ٹولے نے ہماری فوج کو ذلیل و خوار کیا ہے ـــــ اس لئے میں مطالبہ کرتا ہوں کہ نذیر عباسی شہید کے قاتلوں کو منصفانہ مقدمے کے لئے پاکستان کے عوام کے حوالے کیا جائے اور ہم، یقین دلاتے ہیں کہ ہم یہ مقدمہ سول عدالتوں میں ملک کے عام قوانین کے مطابق چلائیں گے اور ہم یہ بھی یقین دلاتے ہیں کہ ہم تارا مسیح جیسے چھوٹے ملزموں کو ہاتھ بھی نہیں لگائیں گے بلکہ اصل مجرموں سے حساب کتاب لیں گے۔

جہاں تک اس مقدمہ کا تعلق ہے اس میں کوئی نئی چیز نہیں ہے، سامراج کی دلال ہر وہ حکومت جو بڑے سرمایہ داروں بڑے بڑے زمینداروں اور سینئر جرنیلوں سے گٹھ جوڑ کرتی ہے وہ کمیونسٹوں اور دیگر محب وطن لوگوں کے خلاف اس قسم کے مقدمات ہمیشہ قائم کرتی ہے تاکہ وہ ان کے مکروہ

عزائم کو ناکام نہ بنا سکیں۔ اس عدالت کے فیصلے کی تصدیق بھی ابھی جرنیلوں کو کرنی ہے جو ہمارے اتنے ہی دشمن ہیں کہ انہوں نے ۲۶ جنوری ۸۲ء کو اخبارات کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ اس مقدمہ کی خبریں نہ شائع کریں اور میرا نام تو کسی بھی صورت میں اخبار میں نہ آنے پائے۔

اس عدالت کو تشکیل کرنے والے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل عباسی اور نہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاء دونوں ہی ہمارے نوجوانوں کے راہنما نذیر عباسی شہید کے قتل کے مقدمے کی "ایف آئی آر" میں ملزم ہیں۔ اس کے علاوہ یکم اگست ۱۹۸۱ء کے لیٹر نمبر ۱/۱۱۵۰/ج/۸۰/۱۱/ح میں جنرل ضیا مجھے اور اس مقدمہ میں شامل میرے دیگر دوستوں کو مقدمہ چلانے سے پہلے ہی مجرم قرار دے چکا ہے لہٰذا ہم کون سے انصاف کی توقع رکھ سکتے ہیں۔ جب کہ اسے اس فیصلے کی، تصدیق ہی کروانی ہے۔ مجھے پتہ ہے کہ اس کورٹ کے نام میں بڑے بڑے لوٹیروں کے فیصلہ کے خلاف پاکستان کی سپریم کورٹ میں بھی کوئی اپیل نہیں کر سکتے لیکن پھر اس سے بھی بڑی عوامی عدالت میں ہمارے مادر وطن کے تمام محب وطن لوگ مشترکہ طور پر ہمارے منصف ہیں اور مجھے یقین ہے کہ وہ دن دور نہیں جب وہ مادر وطن کو ان سامراجیوں اور اس کے دلالوں سے آزاد کروالیں گے

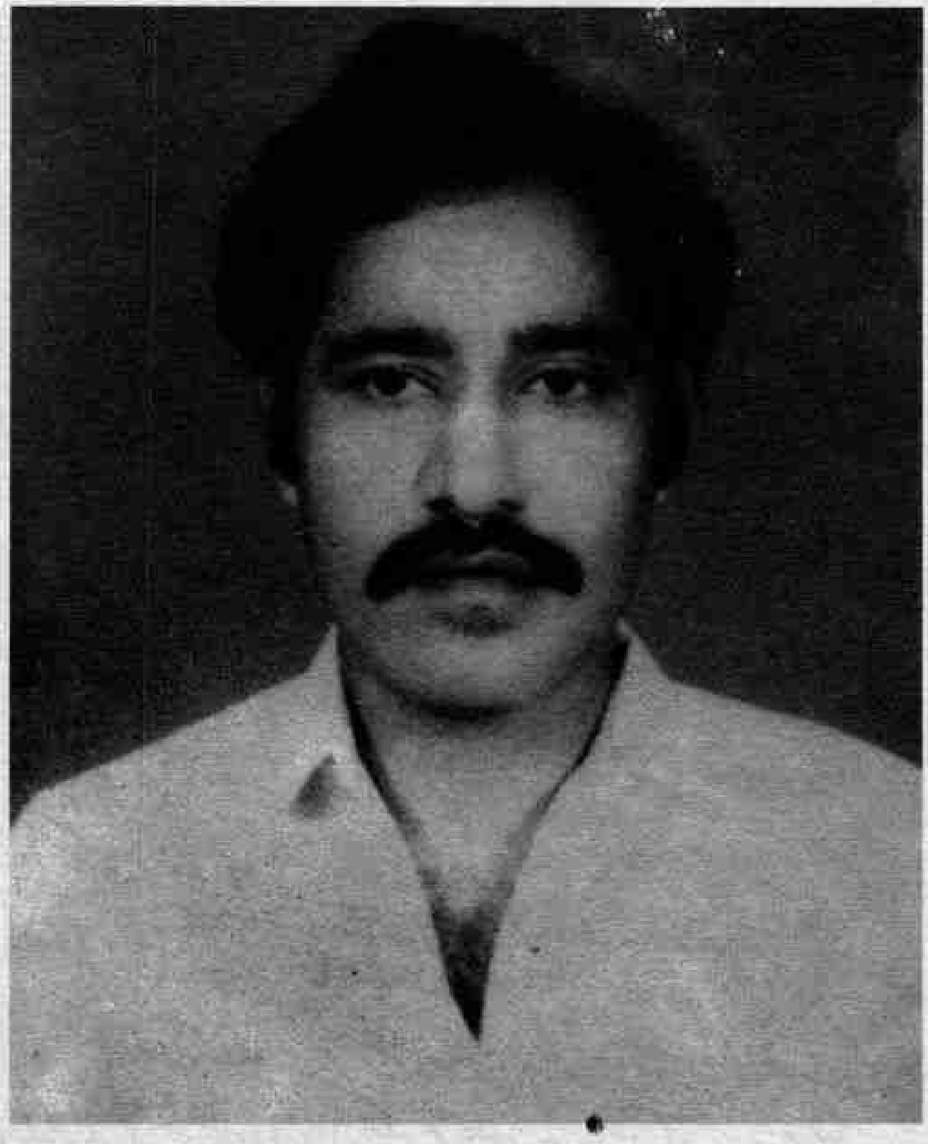
جناب والا! یہ کورٹ ہم پر اتنی نامہربان رہی ہے کہ اس نے ہمارے گواہان صفائی کی فہرست کو کم کر کے صرف چند ایک افراد کو بلانے کی ہی اجازت دی ہے۔ اگرچہ فوجی قوانین کے مطابق بھی اسے ایسا کوئی اختیار نہیں ہے۔ شاید اس عدالت نے اس لئے ایسا کیا ہے کہ اس پر ان بزدل ظالموں کا دباؤ ہے جنہوں نے اس عدالت کو لولے لنگڑے اختیارات ہی اس لئے دیئے ہیں کہ ہمارے بدنصیب ملک میں موجود مارشل جسٹس (فوجی انصاف) بھی ناپید کر دیا جائے جناب من! یہ ایک سیاسی مقدمہ ہے۔ خود وکیل استغاثہ نے بھی ہمیں اخلاقی مجرم

ٹھہرانے سے گریز کیا ہے اگر ہمیں ملک کے تمام ممتاز صحافیوں رائے عامہ کے رہنماؤں مختلف مکاتب فکر کے سیاسی لیڈروں اور زندگی کے ہر شعبے کے ماہروں کو طلب کرنے کی اجازت دی جاتی تو یہ بات بڑی آسانی سے ثابت ہو سکتی تھی کہ نہ صرف ہم محب وطن ہیں بلکہ جس لٹریچر کو تخریبی کہا جارہا ہے وہ بھی وطن، دوستی، امن، ترقی اور خوشحالی کا پرچار کرتا ہے۔!

بہرحال، شاید جیسا کہ یہ مقدمہ اب اپنے اختتام کو پہنچ رہا ہے اور اس عدالت کو آخر کار کوئی ناخوشگوار فیصلہ سنانا ہے، اس لئے اس کے ایک فریق بن کر الگ کھڑے ہونے کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ اجناب والا! میں آپ کو یہ یاد دلانا چاہتا ہوں کہ اگرچہ ملک کی اعلیٰ عدالتیں بھی دباؤ کے تحت فیصلے دیتی رہی ہیں لیکن پھر بھی انہیں حکومت کی تبدیلی کے بعد تلافی کا موقع مل جاتا ہے مگر فوجی عدالتوں کو یہ موقع بھی نہیں ملے گا۔ لہٰذا انہیں ایک ہی مرتبہ یہ فیصلہ بھی کرنا ہوگا کہ وہ تاریخ کی طرف ہیں یا بڑی توپوں کی چھچھ گیری کریں گے۔

جام ساقی

۹ اور ۱۰ جنوری ۱۹۸۳ء



احمد کمال وارثی

احمد کمال وارثی

نام	:-	احمد کمال وارثی
ولد	:-	عبدالوحد
جائے پیدائش	:-	کراچی
تعلیم	:-	میٹرک

مختصر حالاتِ زندگی :-

کمال وارثی کے والدین ہندوستان سے ہجرت کر کے کراچی میں آباد ہوئے۔ یہی شبیر وارثی کی جائے پیدائش ٹھہری اور ابتدائی تعلیم بھی یہیں سے حاصل کی۔ بعد میں کوئٹہ سے نکلنے والے ترقی پسند ہفت روزہ "سنگت" سے وابستہ رہے۔

پہلی مرتبہ جام ساقی کیس میں سنہ ۱۹۸۰ء میں گرفتار ہوئے اور سات سال کی سزا پائی۔ مدت قید سنہ ۸۳ء سے شمار کی گئی۔ تا حال جیل میں ہیں۔

خصوصی فوجی عدالت کراچی کے سامنے

احمد کمال وارثی

لکھتے رہے جنوں کی حکایت خونچکاں
ہر چند کہ ہاتھ ہمارے قلم ہوئے (غالب)

میں عدالت کی توجہ بنیادی حقائق کی طرف مبذول کرانا چاہوں گا جو کہ میری اور میرے ساتھیوں کی گرفتاری، اور ایک ساتھی (نذیر عباسی) کی شہادت اور اور اس مقدمہ کے قائم کرنے کا موجب بنے۔

میری گرفتاری کے سولہ ماہ بعد آپ کی حکومت اس پوزیشن میں آسکی ہے کہ وہ میرے اور میرے ساتھیوں کے خلاف یہ مقدمہ صرف اور صرف ملٹری کورٹ میں پیش کر سکے۔ اس موقع پر ملک کے ایک قانون دان جسٹس کیانی کا ایک قول یاد آرہا ہے کہ "اگر کسی کے خلاف کوئی الزام نہ ہو تو اس کا فوجی عدالت میں چالان کر دو"۔

جناب والا۔ ہم کسی فوجی عدالت کو عدلیہ کا جز نہیں مانتے۔ کیونکہ اس کے فیصلوں کو کسی بھی اعلیٰ عدالت میں چیلنج نہیں کیا جا سکتا۔ دراصل یہ مارشل لاء عدالتیں انصاف کے تقاضوں کی تکمیل کا ذریعہ نہیں بلکہ مارشل لاء کو برقرار رکھنے کا ادارہ ہیں۔

جناب۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ جو مارشل لاء حکومت مقدمہ بناتے ہیں۔ وہی ان مارشل لاء عدالتوں کی بھی تشکیل کرتے ہیں۔ جو ان مقدمات کی سماعت کرتی ہیں؟ اور کیا یہ حقیقت

نہیں کہ منصف ہونے کے دعویدار مارشل لاء عدالتوں کے سربراہ اور ارکین دراصل مقدمہ کی سماعت سے قبل ہی مقدمہ سے متعلق اپنی رائے بنائے ہوئے ہوتے ہیں ؟ .

دور کیوں جائیے اسی عدالت کو لیجئے جو ہمارے مقدمہ کی سماعت کر رہی ہے اور جس کی جانب داری کا اظہار ہمارے مقدمہ کی سماعت کے دوران جا بجا ہوا ہے۔ اپنے کمزور، بے تکے اور بے جوڑ واقعاتی و دستاویزی شواہد کی وجہ سے جب استغاثہ اس مقدمہ میں شامل میرے تمام ساتھیوں (جو زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھتے ہیں) کے مابین کوئی تعلق ثابت نہ کر سکا تو گویا پھر یہ فریضہ عدالت نے اپنے سر لیا کہ وہ اس مقدمہ میں شامل افراد کے مابین کوئی نہ کوئی تعلق اور ربط ضرور ڈھونڈے اور یوں استغاثہ کی خدمت کرے۔ اس مقصد کے لئے عدالت نے نہایت منصوبہ بندی سے مقدمہ کے پانچ اہم گواہان مجسٹریٹ سرور خان، مجسٹریٹ محمد حنیف، انسپکٹر شفیع سومرو، انسپکٹر خلیل باجوہ اور ڈی ایس پی ممتاز بزنی سے بالترتیب تین، دو، دس، آٹھ اور اکتالیس سوالات جس قسم اور جس انداز سے کئے اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ عدالت ہمارے ساتھیوں کے درمیان ربط اور تعلق ثابت کرنے پر تلی بیٹھی تھی اور گواہوں کو اپنی پسند کے جوابات دینے پر مجبور کر رہی تھی۔ اس مقصد کے لئے عدالت نے دو اہم گواہان انسپکٹر شفیع سومرو اور ڈی ایس پی ممتاز بزنی سے پانچ، پانچ ایسی دستاویزات بھی طلب کر لیں جن کا گواہوں نے اپنی شہادت میں ذکر تک نہیں کیا تھا.

اگر یہ سوالات استغاثہ کا کوئی فرد یا کوئی تفتیشی افسر کرتا تو ہمیں تعجب نہ ہوتا۔ لیکن عدالت نے یہ سوالات کر کے دراصل تفتیشی ادارے ہی کا کردار ادا کیا ہے اور یوں اس مقدمہ کو خود ہی سے نیا رُخ دیا ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ ہمارے خلاف تفتیشی افسران نے اس مقدمہ کے سلسلہ میں چونکہ کوئی بھی مطلوبہ قانونی کارروائی مکمل نہیں کی تھی۔ اسی لئے اس قانونی نقطۂ نظر سے

ہمارے خلاف یہ مقدمہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ ہمارے خلاف جن بے چارے پولیس والوں کو گواہ بنا کر پیش کیا گیا، انہوں نے نہ تو ہمیں گرفتار کیا تھا، نہ وہ گرفتاری اور خانہ تلاشی کے دوران موجود تھے اور نہ ہی کوئی تفتیش کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جھوٹے گواہ ہمیں شناخت کرنے میں قطعاً ناکام رہے ہیں۔ حالانکہ عدالت میں کئی کئی بار چوری چھپے ہماری شناخت کروائی گئی۔ ایس ایچ او صفدر بھٹی نے، جو مقدمہ کے تیسرے مرحلہ کا تفتیشی افسر بتایا جاتا ہے، جرح کے دوران عدالت میں یہ بات تسلیم کی کہ تفتیش . اختیار دیتے وقت ملزمان، مبینہ برآمدشدہ سامان و لٹریچر اور اس ... — کیس ڈائری ان کی تحویل میں دینے کے بجائے ملزمان کی گرفتاری اور ... برآمدشدہ سامان و لٹریچر کی برآمدگی کے محض میمو نامے ہی دیئے گئے تھے۔ صفدر بھٹی نے بڑی صداقت کے ساتھ عدالت میں یہ بات تسلیم کی کہ سمری آف ایویڈینس کے دوران اس نے ہم لوگوں کو پہلی بار دیکھا تھا اور یہ کہ اس وقت ایک سب انسپکٹر زبیر کی محض نشاندہی پر انہوں نے ہماری شناخت کی تھی۔

جناب والا۔ استغاثہ کے ایک اور اہم گواہ ڈی ایس پی ممتاز برنی نے جو مقدمہ کی تفتیش کے تیسرے مرحلہ کا تفتیشی افسر بتایا جاتا ہے۔ عدالت کے ایک سوال کے جواب میں بتایا کہ "میں یہ بات ریکارڈ دیکھ کر ہی بتا سکتا ہوں کہ ہمارے ملک میں کمیونزم کی تشہیر پر کوئی پابندی تو نہیں"۔ بے چارے تفتیشی افسر! تفتیش تو کرلی، کمیونزم کی تشہیر کے "جرم" پر مبنی چارج شیٹ بنا کر دستخط تو کر دیئے، لیکن یہ نہیں معلوم کیا کہ کمیونزم کی تشہیر پر پابندی ہے کہ نہیں ہے۔ اسی بے چارے ڈی ایس پی کو نظریہ پاکستان کی وضاحت کرنے کے لئے ایسی کتاب کا سہارا لینا پڑا۔ جو ہمارے مقدمہ شروع ہونے کے بھی چار ماہ بعد کی چھپی ہوئی ہے۔ (یہ بھی الگ بحث ہے کہ یہ کتاب کس حد تک قانونی لحاظ سے مستند ہے) نہ جانے مسٹر برنی اس مقدمے کی تفتیش اور چالان کی تیاری کے لئے ایسی کتنی ہی کتابوں سے استفادہ کر چکے ہیں جو ابھی شائع ہی نہیں ہوئیں۔ (اور کون جانے منصوبہ

سکے ذہنوں میں بھی ایسی ہی کتنی غیر شائع شدہ کتابیں ٹھنسی ہوئی ہوں) ممتاز برنی نے
.... پر ... پابندی سے متعلق سندھ کے ہوم سیکرٹری کا خط پیش کیا
ہے۔ ... ہمارے ہماری مبینہ کیس پراپرٹی میں شامل تک نہیں۔

یہ بات بھی کم مضحکہ خیز نہیں کہ ایک موقع پر کامریڈ جام ساقی کے ایک اعتراض کو عدالت درست مانتی ہے لیکن ایک دوسرے موقعہ پر ان کے ایسے ہی اعتراض کو مسترد کر دیتی ہے۔ (ملاحظہ کریں سرکاری گواہ برنی پر جرح کے سلسلہ میں کیا گیا ایک سوال نمبر ۱۵ بتاریخ ۶، ۱۲، ۱۱ اور ۱۳، دسمبر ۱۹۸۲ء) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عدالت کا رویہ استغاثہ کے حق میں محض جانبدار ہونے کی بنا پر متضاد رہے۔

مارشل لاء عدالتوں کے "انصاف پرست ہونے کا ذکر کرتے ہوئے مجھے اس مقدمہ میں ملوث ایک دوست کی بات یاد آرہی ہے جسے ٹارچر کیمپ میں پوچھ گچھ کے دوران تفتیش کرنے والے ایک فوجی افسر نے بتایا تھا کہ آپ لوگوں کی سزا کا تعین کوئی عدالت نہیں بلکہ صرف ہم (تفتیش کرنے والے افسران) کریں گے۔ انہوں نے یہ بھی انکشاف کیا کہ "میاں یہ تاراً مسیح کا دور ہے" اگرچہ ہم نے اب تک قبل از مسیح اور بعد از مسیح کے ادوار کے بارے میں سُنا اور پڑھا ہے۔ تاہم تفتیش کرنے والے فوجی افسر نے موجودہ دور کو تاراً مسیح کا دور کہہ کر کچھ غلط نہیں کہا۔ واقعی آپ کی حکومت کا... تاراً مسیح کا دور ہے۔ جب ہی تو آپ کی حکومت نے لوگوں کو پھانسیاں دینے میں نہ صرف پچھلی حکومتوں کے ریکارڈ توڑ دیئے بلکہ اتنا آگے بڑھ چکے ہیں کہ آئندہ کی کوئی حکومت اس میدان میں شائد ہی آپ کی ہمسری کر سکے۔

جناب والا:۔ استغاثہ کے گواہوں کے مابین تضادات کا اندازہ سب انسپکٹر اسلم الحمد اس کی ٹیم اور مجسٹریٹ لغاری کی شہادتوں سے مزید واضح ہو جاتا ہے۔ جنہوں نے یہ حقیقت تسلیم کرنے سے انکار کیا ہے کہ بیلیز کالونی اور پاکستان کوارٹر پر چھاپہ مارتے وقت فوجی افسران اور اُن کا عملہ بھی ساتھ تھا۔ جب کہ صفدر بھٹی ایس ایچ او اور سرکاری

گواہ) نے اپنی شہادت میں ایک خط کا حوالہ دیتے ہوئے یہ انکشاف کیا کہ ان مقامات پر انٹر سروسز انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر جنرل کی ایک جماعت نے چھاپہ مارا تھا۔ ایسی مزید بیسیوں مثالیں ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ استغاثہ کے گواہوں کی شہادتوں میں کتنے تضادات ہیں۔ یہ تضادات محض اس وجہ سے ہیں کہ ہم پر عائد شدہ تمام الزامات نہ صرف یکسر بے بنیاد اور من گھڑت ہیں بلکہ بدنیتی پر مبنی ہیں۔ یہ الزامات محض ہمارے خلاف نہیں بلکہ اس ملک کے تمام عوام کے خلاف گھناؤنی سازش کا ایک حصہ ہیں۔

جناب والا! اس مقدمہ میں کارفرما بنیادی سوال ملک کی ترقی اور خوشحالی کا ہے۔ میں اس ملک کی ترقی اور خوشحالی چاہتا ہوں۔ جس کی راہ میں استحصالی طبقات کے مفادات حائل ہیں۔ میں اس ملک کی اکثریت یعنی محنت کش اور غریب عوام کی خوشحالی اور ترقی چاہتا ہوں۔ جب کہ آپ کی حکومت کو مٹھی بھر جاگیرداروں اور اجارہ داروں کے مفادات عزیز ہیں۔ میں ساری دنیا کے مزدور اور محنت کشوں کے اتحاد کا علمبردار ہوں۔ جبکہ آپ کی حکومت استحصالی طبقات کے عالمی سرغنے امریکی سامراج کی ایجنٹ ہے۔ میں آزادی کا متمنی ہوں۔ جب کہ آپ کی حکومت ملک کو امریکی سامراج کا اڈہ بنا کر اسے غلامی میں دھکیل چکی ہے۔ میں دنیا بھر میں امن کا خواہاں ہوں۔ جب کہ آپ کی حکومت جنگی جنون میں مبتلا ہے۔ دراصل آپ کی حکومت اور میرے درمیان سماج کے نشوونما کے سوال پر بنیادی تضاد ہے۔ جب ہی تو آپ کی حکومت اور میرے درمیان جنگ جاری ہے۔

جناب والا۔ آپ کی حکومت میری مخالف اس لئے ہے کہ میں محنت کش عوام کی سیاست کرتا ہوں۔ میں اس ملک کا محب وطن شہری ہوں۔ میں نہ صرف یہ چاہتا ہوں کہ اس ملک کی ترقی ہو۔ بلکہ اس کے لئے عملی طور پر کوشاں ہوں کہ یہاں کے محنت کش عوام کو مصائب سے چھٹکارا ملے، اور حقیقی معنوں میں خوشحالی آئے۔ میری یہ کوشش اور سوچ نہ صرف

آج کے نوجوانوں کی سوچ ہے۔ بلکہ یہ اس ملک کے ساڑھے آٹھ کروڑ عوام کی امنگوں اور خواہشوں کی ترجمان ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس ملک کا مستقبل اور عوام کی خوشحالی کا راز ایک ایسے معاشرے میں مضمر ہے۔ جہاں پر کسی طرح کا استحصال نہ ہو۔ تاریخ نے یہ بات طے کر دی ہے کہ ایسا معاشرہ مزدور طبقہ اپنے اتحادیوں کے ساتھ مل کر ہی طے کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ میرے جیسے کئی نوجوان اور عوام کا وہ حصّہ جو حقیقی جمہوریت چاہتا ہے اور استحصال سے چھٹکارا چاہتا ہے۔ روز بروز محنت کشوں کی طرف کھنچا چلا آ رہا ہے۔ میری ہر سوچ اور عمل عوام دوست ہے اور ترقی کی جانب آگے بڑھا ہوا قدم ہے۔ جو ملک میں خوشحالی اور سلامتی کی ضامن ہے۔

مجھ پر الزام ہے کہ میں تخریب کار ہوں۔

اس الزام کی مضحکہ خیزی اس ہی سے ظاہر ہے کہ یہ الزام اس ٹولہ کی جانب سے لگایا جا رہا ہے جس نے نصف سے زیادہ ملک کو اپنے اقتدار کی ہوس اور سامراجی خواہشات کی بھینٹ چڑھایا۔ میں ایک ایسے طبقے کا نمائندہ ہوں جو تخلیق کار اور محنت کش ہے اور محنت کا ادارہ کارخانہ یا مل ہوتا ہے۔ جو پیداوار دیتا ہے۔

جناب۔ کسی طبقہ، آبادی یا گروہ کے مفادات کا تعین اس کی معاشی یا پیداواری سرگرمی سے ہوتا ہے۔ اس کے مطابق اس کا مزاج بنتا ہے۔ مزدور اور کسان دولت پیدا کرتے ہیں اور دوسرے تمام طبقات اس سے مستفید ہوتے ہیں۔ یہ مزدور کی تخلیق اور پیداوار ہی ہے کہ جس کی بدولت سے ملکوں کی ترقی اور خوشحالی ہوتی ہے آج آپ سوویت یونین، امریکہ اور جاپان کی جو ترقی دیکھ رہے ہیں، وہ سب وہاں کے مزدوروں کی پیداواری اور تخلیقی صلاحیتوں کا نتیجہ ہے۔ کوئی بھی روپیہ پیسہ، سرمایہ یا کچا مال تب تک مٹی کا ڈھیر ہے جب تک انسانی محنت اسے جلا نہ بخشے۔

جناب۔ ہم ملک کی ترقی چاہتے ہیں۔ جب کہ آپ کی حکومت ترقی کی راہ میں رُکاوٹ بنی ہوئی ہے۔ چونکہ آپ کی حکومت ترقی کی مخالف ہے۔ اس لئے

اور ایسی تمام قوتوں کی مخالف ہے۔ جو ترقی چاہتے ہیں۔ غیر یقینی اور غیر مستحکم سیاسی حالات کی وجہ سے نجی سرمایہ کاری کی شرح صفر کے برابر ہو گئی ہے۔ نیم جاگیردارانہ اور نیم سرمایہ دارانہ نظام پر مبنی ملکی معیشت کو عالمی سامراجی حکمتِ عملی کے تابع کر دیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے زرعی شعبے میں فرسودہ آلات پیداوار کی برقراری کے ذریعے جاگیرداروں کی گرفت کی مضبوطی اور خام مال وافرادی قوت کی بے دریغ برآمد جاری ہے۔ اسی حکمتِ عملی کے تحت ملک کی معاشی پالیسی ایسی بنائی گئی ہے جس میں صرف بڑے سرمایہ دار ہی کا گزر ہو سکتا ہے۔ نجی سرمایہ کاری کی کمی اور پبلک سیکٹر میں نئی صنعت کا اضافہ نہ ہونے، پبلک سیکٹر کو تقویت دینے کے بجائے سامراجی سرمایہ کار کو کھلی چھوٹ دینے، قومیائی گئی صنعتوں کی واپسی اور پبلک سیکٹر میں ازکار رفتہ ریٹائرڈ فوجی افسروں کو بطور سربراہ مقرر کرنے کی وجہ سے ملک کی معاشی ترقی رُک گئی ہے جس سے بے روزگاری میں شدید اضافہ ہُوا ہے۔ اس بے روزگاری سے تنگ آکر ہمارا مزدور بیرونِ ملک روزگار کے لئے دھکے کھا رہا ہے۔ اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ تقریباً ڈیڑھ لاکھ مزدور ہر سال ملک کی تعمیر میں شریک ہونے کے بجائے روزگار کی تلاش میں بیرونِ ملک جاتے ہیں۔ ۱۹۷۹ء تک صرف مشرق وسطےٰ میں یہ تعداد بارہ لاکھ سے زیادہ ہو چکی تھی۔ جو ملک کی کل لیبر فورس کا ۲۰ فیصد بنتی ہے۔ لیکن ابھی کچھ عرصہ سے مزدوروں کی بیرونِ ملک روانگی میں کمی آئی ہے۔ جس کے نتیجہ میں بے روزگاری میں مزید اضافہ ہوا ہے۔ پہلے اِن کی بیرون ملک آمدنی سے افراطِ زر میں اضافہ ہوتا تھا۔ اَب زرِ مبادلہ کی کمی کی وجہ سے ادائیگیوں کے توازن میں مزید خسارہ ہو رہا ہے۔

ایک طرف بے روزگاری کا یہ عالم ہے اور دوسری طرف اشیاءِ صرف کی قیمتوں میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اس بات کا اعتراف خود اسٹیٹ بنک کی تازہ ترین سالانہ رپورٹ میں کیا گیا ہے۔ ایک سروے کے مطابق آٹے، شکر اور گھی کی قیمتوں میں گزشتہ تین سال میں دُگنا اضافہ ہوا ہے۔ جناب اگر یہ صنعتیں نجی

ملکیت میں ہوتیں تو شاید کوئی اور جواز ہوتا۔ لیکن پبلک سیکٹر میں ہونے کی وجہ سے اِس سے آپ کی حکومت کو بری الذمہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ضیاء ٹولہ کی عوام دشمن حکومت ہی ہے کہ جس نے قومیائی ہوئی صنعتوں کو سول اور فوجی نوکر شاہی کے حوالے کیا، تاکہ عوام دشمن قوتیں مضبوط ہو سکیں۔ اس طرح پبلک سیکٹر میں لگی ہوئی صنعتیں ابتری اور بدانتظامی کا شکار ہو گئیں۔ جمہوری اداروں کی عدم موجودگی کی بنا پر آپ کی حکومت پبلک سیکٹر کو عوام کے مفاد میں لانے کے بجائے عوام کا خون چوسنے کے لئے استعمال کرتی ہے۔ اور یوں مختلف مصنوعات کی قیمتیں اِن کی پیداواری لاگت کے بجائے نفع خوری کی بنیاد پر طے ہو رہی ہیں۔ سیمنٹ ہی کی مثال لے لیجئے۔ سیمنٹ کی ہر بوری پر حکومت ٹیکس کے بہانے ۲۶ روپے فی بوری لے لیتی ہے۔ یہ سب کچھ آپ کی حکومت کی سوچی سمجھی سازش کا نتیجہ ہے۔ جس کا مقصد سامراجی معیشت کو گل کھلانے کا موقع فراہم کرنے اور پیداواری ذرائع پر قومی کنٹرول کے خلاف رائے عامہ کو گمراہ کرنا ہے۔

ہم مہنگائی کے خلاف ہیں اور مطالبہ کرتے ہیں کہ مزدوروں اور دیگر ملازمین کی تنخواہ کم از کم ایک تولہ سونے کے برابر کی جائے، تاکہ رشوت کی لعنت ختم ہو سکے اشیائے صرف کی قیمتوں اور تنخواہوں میں جو تناسب ہے۔ وہ بھی بہت خوفناک حقائق کو سامنے لاتا ہے۔ قیمتیں بڑھ رہی ہیں اور تنخواہیں گھٹ رہی ہیں۔

ی حکومت نے ملکی سرمایہ کاری کے دروازے بند کرنے کے بعد اب امریکی ... ں کو دعوت دی ہے کہ وہ معیشت میں سہارا دینے کے نام پر پاکستان میں ... لگا کر یہاں کے عوام کو لوٹیں۔ اس سلسلے میں امریکی ... یہ وفد پچھلے سال پاکستان کا دورہ کر کے گیا ہے۔ اس وفد کو ضیاء حکومت نے ملک کے مختلف صنعتی شعبے پیش کئے اور ایک نیا بنک کھولنے کی اجازت بھی دی ہے۔ امریکی سرمایہ کاروں کو پاکستان کی معاشی بدحالی پر اتنی ہمدردی کیوں ہو رہی ہے؟ کیا وہ ہمارے

ہمدرد ہیں ؟ دراصل بین الاقوامی کارپوریشنیں سامراجی مفادات کے تحت ترقی پذیر ممالک (لاطینی امریکہ، افریقہ اور ایشیا) میں اس لئے ڈیرہ ڈال رہی ہیں کہ ان ممالک میں اجرتیں کم ہیں۔ جبکہ وہاں خام مال نہایت ہی سستا ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ انہیں من مانے منافع کے حصول کی اجازت دی ہے۔ تاکہ پاکستان کو جتنا لوٹ سکیں لوٹ لیں۔ تاہم امریکہ اور دیگر سامراجی ممالک ترقی پذیر ممالک دوستی اور باہمی دلچسپی کے باوجود محض سطحی صنعتیں لگاتے ہیں۔ وہ بنیادی صنعتوں کی تکنیکی مہارت نہیں دیتے کیونکہ وہ نہیں چاہتے کہ ترقی پذیر ممالک خودکفیل ہوں۔ اور عالمی سامراج کے معاشی وسماجی چنگل سے آزادی حاصل کرلیں اس لئے اقتصادی آزادی اور ترقی کے حصول کے لئے سوشلسٹ ممالک سے تعلقات بہتر بنانا نہایت ضروری ہے۔

یہ سوویت یونین ہی ہے کہ جس نے پاکستان میں اسٹیل مل تعمیر کرکے دی۔ جو کسی بھی ملک کی ترقی میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے اور اسی سوشلسٹ حکومت نے ہمارے ملک میں گدو تھرمل بجلی پاور اسٹیشن لگایا جو کہ کئی سو میگاواٹ بجلی روزانہ پیدا کرتا ہے اور حال ہی میں روس کی حکومت نے چھ سو ٹریکٹر مہیا کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ سوویت یونین موجودہ حکومت کو اقتصادی شعبے میں زندگی کے مختلف شعبوں میں مدد کی پیشکش کرچکا ہے۔ لیکن سامراجی بیساکھیوں پر قائم آپ کی حکومت اس پیشکش پر ٹال مٹول سے کام لے رہی ہے۔ ہمارے ملک میں روسی امداد سے قائم کردہ گیارہ ریڈیو اسٹیشنوں سے سوویت حکومت کے خلاف مسلسل پروپیگنڈہ جاری ہے۔ جب کہ سامراج اس علاقہ میں خوشحالی، جمہوریت اور ترقی کی تحریکوں کو روکنے کے لئے اسلحہ دیتا ہے۔ اور ہمارے ملک کا استحصال کررہا ہے۔ اسی لئے تو غاصب حکمراں اس سے تعلقات بڑھا رہا ہے۔ امریکہ کی کوشش یہ ہے کہ یہاں پر صرف اتنی ترقی ہو جس سے امریکہ اور دیگر مغربی ممالک کے سرمایہ داروں کو محنت کی عالمی تقسیم کے تحت فائدہ پہنچے۔ جناب آپ کی حکومت کی یہ پالیسی سامراجیوں کے ہاتھوں ملک کو گروی رکھنے کی طرف ایک قدم ہے۔

جناب اس کے برعکس ہم یہ چاہتے ہیں کہ ملک میں زیادہ سے زیادہ صنعتیں قائم کی جائیں۔ ملکی معیشت کی بنیاد قرضوں کی معیشت اور سامراجی سرمایہ کے بجائے ملکی سرمایہ پر چلائی جائے۔ کیونکہ اس سے نہ صرف ہم سامراجی ملکوں کی طفیلی معیشت یعنی ان کو کچا، نیم تیار شدہ مال سپلائی کرنے اور تیار مال خریدنے والی مارکیٹ بن جاتے ہیں۔ بلکہ اس سے یہ بھی ہوتا ہے کہ غیر ملکی سرمایہ کا منافع ہر سال ملک سے باہر چلا جاتا ہے۔ اس کے برعکس ملکی سرمایہ کا منافع بھی مزید سرمایہ کاری کیلئے ملک کے اندر مزید صنعتیں کھولنے پر صرف ہوگا۔ اس لئے ہم غیر ملکی سرمائے کو قومیانے کا نعرہ دیتے ہیں اور اس غیر ملکی سرمایہ کو قومیانے اور ملکی سرمایہ کی ہمت افزائی کرنے پر معیشت پر کتنے صحت مندانہ اثرات پڑتے ہیں۔ اس کا اندازہ آپ کو ہندوستان کی معیشت اور دیگر مسلم ممالک کی مثالوں میں مل جائے گا۔

ہم بنیادی اور اہم صنعتوں کو قومیانے کے حق میں ہیں۔ جبکہ آپ کی حکومت قومی ضرورت کے تحت قومیائی گئی صنعتیں واپس سرمایہ داروں کو دے رہی ہے اور اس طرح سے ان صنعتوں کا منافع اور پیداوار ملک کی ترقی اور لوگوں کی خوشحالی میں استعمال ہونے کے بجائے چند نجی سرمایہ داروں کی جیبیں پھُلانے کے لئے استعمال ہو رہا ہے۔ اس سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ آپ کی حکومت بڑے اور بیرونی سرمایہ داروں کے مفاد میں صنعتوں کو نجی ملکیت میں دے رہی ہے۔

جناب! ہمارے ملک میں شاید ہی کوئی ایسا شعبہ رہ گیا ہو جہاں فوجی جرنیل قابض نہ ہوں۔ صنعتی شعبے میں قبضہ کے لئے فوجی فاؤنڈیشن کا قیام عمل میں آیا۔ ٹرانسپورٹ پر اجارہ داری بنانے کے لئے نیشنل لاجسٹک سیل قائم کیا گیا۔ انعام اور نیلام کے بہانے سے حاصل کی گئی بیشتر زمینوں پر تو فوجی جرنیل پہلے ہی سے قابض ہیں لیکن زرعی شعبہ پر اپنی اجارہ داری کو مزید بڑھانے کے لئے مختلف زراعتی، ڈیری، پولٹری فارم قائم کئے جا رہے ہیں۔ تعلیمی اداروں پر فوجی افسران کے بچوں کے لئے نشستیں مخصوص کر کے اعلیٰ تعلیمی اداروں میں فوجی افسران کی اجارہ داری قائم کر دی گئی

ہے اور یوں مستحق طلباء کی حق تلفی ہو رہی ہے۔ یہی حال سول ملازمتوں کا بھی ہے جہاں (آن ڈیوٹی فوجی افسران کی) خدمات مستعار لینے اور (ریٹائرڈ فوجی افسران کی) خدمات کو خراج تحسین پیش کرنے کے نام فوجی جرنیلوں کا قبضہ بڑھتا جا رہا ہے۔ ۳۰ اپریل ۱۹۸۲ء کو آپ ہی کے وزیر اطلاعات و نشریات نے آپ کی کٹھ پتلی مجلس شوریٰ کو بتایا کہ بیرون ممالک میں تعینات پاکستان کے ۴۲ سفیروں میں سے

۱۷ کا تعلق ہمارے ملک کی مسلح افواج سے ہے۔ ان ۱۷ سفیروں میں سے تین کا تعلق بحری و ہوائی فوج سے، جبکہ بقیہ ۱۴ کا تعلق بری فوج سے ہے۔ یوں لگتا ہے کہ پاکستان کے فوجی جرنیل وحشیانہ طریقہ سے عوام کو بتدریج فتح کر رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی دشمن جرنیلوں اور عوام کے درمیان جنگ جاری ہے۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ عوام کے مفادات کے علمبردار ہونے کی پاداش میں آج مجھے اور میرے ساتھیوں کو ملزم کی حیثیت سے عدالت کے اس کٹہرے میں لایا گیا ہے۔

جناب والا۔ ہمارے اور آپ کی حکومت کے درمیان عداوت کا ایک نکتہ جاگیرداری نظام بھی ہے۔ ہم ملک میں بڑے پیمانے پر زرعی اصلاحات چاہتے ہیں، جبکہ ضیاء ٹولے کی پالیسی یہ ہے کہ جاگیرداروں اور بڑے زمینداروں کا تحفظ کیا جائے۔ دراصل انعام و نیلام کے ذریعہ زمینیں حاصل کر کے فوجی نوکر شاہی نے زرعی شعبہ میں بھی اپنا مخصوص مفاد حاصل کر لیا ہے۔ یہی مفاد مسلح افواج کو جاگیرداروں اور زمینداروں کی طرفداری کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ چنانچہ جاگیرداروں اور زمینداروں کے خلاف کسانوں کے ... مطالبے کو بے دردی سے کچلا جا رہا ہے۔ کسانوں کی جدوجہد کو کچلنے اور ان پر مظالم کا سلسلہ صرف اسی فوجی حکومت میں نہیں، بلکہ اس سے قبل بھی ہوتا چلا آ رہا ہے۔ سابقہ مشرقی پاکستان (اب بنگلہ دیش) میں نورالامین کی وزارت کے دور میں کسانوں کی ایک تحریک چلی تو جس میں کسانوں کا مطالبہ تھا کہ انہیں بٹائی میں فصل کا تین چوتھائی حصہ دیا جائے۔ اس تحریک

کوسبتھاگا تحریک کہتے ہیں۔ اس تحریک کو بے دردی سے کچلا گیا۔ اس تحریک کی خاتون لیڈر لیلائے متراکو گرفتار کر کے اسلام کی نام لیوا حکومت نے اس کے ساتھ انتہائی غیرانسانی، غیراخلاقی اور شرمناک سلوک کیا۔ لیلائے آج بھی زندہ ہیں۔ لیکن اس بہیمانہ تشدد کی وجہ سے چلنے پھرنے سے معذور ہیں۔ اس کے علاوہ مائی بختاور جو کہ کسانوں کی ایک خاتون لیڈر تھیں انہیں بھی ضلع تھرپارکر کے "بنی سر" علاقہ میں گولی مار کر شہید کر دیا گیا۔

کہنے کو تو ہمارے ملک میں جاگیرداری نظام اپنی کلاسیکی شکل میں موجود نہیں ہے۔ لیکن بڑی بڑی زمینداریاں اب تک موجود ہیں۔ اور طریقہ پیداوار نہایت قدیم اور فرسودہ ہے۔ بڑی زمینداریوں کے خاتمے اور صنعتی ترقی کے مسائل ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ کیونکہ صنعتی ترقی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ بڑے پیمانے پر زرعی اصلاحات نہ کیئے جائیں۔ لیکن آپ کی حکومت اس مردہ اور فرسودہ نظام کو سر پر اٹھائے گھوم رہی ہے۔ اس کے برعکس ہم ہندوستان کی مثال دیکھیں جہاں پر بڑے پیمانے پر زرعی اصلاحات کی گئیں، جس کے نتیجہ میں وہاں کی صنعتی ترقی اتنے عروج پر پہنچ گئی ہے کہ وہ جہاز تک بنانے لگا ہے۔ یہ بات معاشیات کا ایک طالب علم بھی جانتا ہے کہ کسی ملکی مارکیٹ کے بغیر صنعتیں قائم نہیں کی جا سکتیں۔ اور ملکی مارکیٹ پیدا کرنے کے لیئے لوگوں کی قوت خرید حقیقی معنوں میں بڑھانا بہت ضروری ہے۔ ہمارے ایک عام آدمی کے پاس جتنا زیادہ پیسہ ہوگا وہ اتنی ہی زیادہ اشیائے صرف خریدے گا۔ جس سے پیداوار بڑھے گی اور مزید صنعتیں لگیں گی۔ لوگوں کو روزگار بھی ملے گا۔ اگر کسی زمیندار کے پاس دو سو ایکڑ زمین ہے تو وہ اپنی آمدنی میں زیادہ سے زیادہ تین ایکڑ آمدنی کے برابر بنیادی ضرورت کی چیزیں خریدے گا۔ جاگیردار اپنی جو چیزیں خریدتا ہے اس کا منافع بیرون ملک سرمایہ داروں کو ملتا ہے۔ اس کے مقابلے میں بے زمین کسان اگر چھوٹا مالک بن جائے تو وہ اپنی آمدنی میں سے بنیادی ضرورت کی چیزیں خریدے گا۔ یوں کہیئے کہ وہ کپڑوں کے دو جوڑوں کے بجائے چار جوڑے خریدے گا۔ ہمارے عام آدمی کی ضرورت کی چیزیں ملک ہی کی بنی ہوئی ہوتی ہیں اور اس کی قوت خرید

بڑھانے سے مارکیٹ کی پیدا وار بڑھتی ہے۔ زرعی اصلاحات کے بعد سامراجی پیداوار کا خریدار ہمارے ملک کا جاگیردار ہے۔ اگر رک جائے گی۔ اس سلسلہ میں جناب مسعود بھگوان کھدر پوشش کے مضمون کا تراشہ پیش خدمت ہے۔

(جوکہ "روزنامہ جنگ" ۲۸ نومبر ۱۹۸۲ء کی اشاعت میں شائع ہوا ہے۔

ہم پر الزام ہے کہ ہم ملک کی سالمیت کے خلاف ہیں۔

جناب ہمیں یہ بے بنیاد الزام لگا کر اس لئے بدنام کیا گیا ہے کہ آپ کی حکومت اپنے مکروہ عزائم پورے کر سکے، جس کی راہ میں مزدور طبقہ اور اُن رہنما کے رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ جب بھی کسی نے حکمرانوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی تو اُسے فوراً ملک کی سالمیت کا دشمن قرار دے دیا جاتا ہے جس طرح کسی کے منہ سے نکلا ہوا لفظ قانون نہیں ہو سکتا اسی طرح سے کسی کے ذاتی اور اقلیتی گروہ کے مفادات ملک کی سالمیت نہیں ہو سکتے۔ آپ کی حکومت سے ہمارا اختلاف پالیسیوں کا ہے۔ میرے خیال میں یہ الزام لگانے والے سیاست کی "ر۔ ت" سے بھی واقف نہیں؟ کہ ان کو یہ پتہ چلے کہ حکومت اور ریاست میں کیا فرق ہے۔ اگر یہ الزام اُن کی جہالت کا ثبوت نہیں تو پھر یہ بات واضح ہے کہ کچھ اور مفادات ہیں جن کو ملکی سالمیت کا نام دیا جا رہا ہے۔ میں مزدور طبقہ کا نمائندہ ہوں۔ اس لئے جانتا ہوں کہ محنت کش طبقہ کے مفادات کیا ہیں۔

ملک کا بڑا ہونا محنت کش طبقہ کے مفاد میں اس لئے ہے کہ اس کی گھی اشیاء کی مارکیٹ بڑی ہو اور خود اس کے کام کرنے کے مواقع زیادہ ہوں تاکہ اس کو اپنی قوت محنت کا بہتر معاوضہ مل سکے۔ پھر کیونکر وہ چاہے گا کہ ملک ٹکڑے ٹکڑے ہو اور اس کی پیداوار کی مارکیٹ اور روزگار کے مواقع کم ہوں، جس سے خود اُسے کم معاوضہ ملے اور بے روزگاری کا سامنا کرنا پڑے۔

حکمران اور استحصالی طبقے کو اپنا استحصال بغیر کسی رکاوٹ کے جاری رکھنے کے لئے اگر ملک بھی توڑنا پڑے تو وہ اس سے گریز نہیں کرتا۔ بنگال کا المیہ آپ کے سامنے ہے

کیا یہ بات اب بھی واضح نہیں ہوئی کہ ہمارا ملک کس طبقے اور کس کے مفاد میں توڑا۔

جناب والا! یہ مزدور طبقہ ہی تھا جس نے ملک کی سالمیت کے نام پر ملک کو توڑنے کی مخالفت کی اور اس کے خلاف بھرپور آواز اٹھائی۔ ہمارے ملک کے حکمراں یہاں کے عوام کو خوشحالی اور ترقی کی راہ پر گامزن کرنا تو کجا ان کو بنیادی حقوق اور شہری آزادیوں تک سے محروم رکھتے ہیں۔ وہ کسی طور پر عوام کو کوئی رعایت دینے کے لئے تیار نہیں۔ ہمارے ملک میں اس کے قیام سے لے کر اب تک تین مارشل لاء لگ چکے ہیں۔ یہ حکمراں نہیں چاہتے کہ یہاں پر کوئی ایسی حکومت قائم ہو جس سے ملک کی معاشی و مالی پالیسیاں ایسی بنیں، جو اس ملک کے اکثریتی عوام کے حق میں ہوں کالے قوانین مارشل لاء اور اس طرح کے کالے قوانین حکمراں طبقے کے ہتھکنڈے ہیں۔ جس سے وہ عوام کو ان کی جدوجہد سے روکتے ہیں۔ تاکہ کبھی عوام ان کے استحصالی نظام کا خاتمہ نہ کر دیں۔

جناب۔ ہم چاہتے ہیں کہ ملک میں بنیادی حقوق اور شہری آزادیاں ہوں تاکہ یہاں کے عوام پر حکمراں طبقے کی طرف سے جو زیادتیاں اور مظالم ہو رہے ہیں اس کا سدباب ہو سکے۔ ہم چاہتے ہیں کہ غیر مشروط طور پر انجمن سازی اور ہڑتال کا حق مزدوروں کو ملے تاکہ وہ اپنے لئے بہتر حالات کار اور بہتر اجرت حاصل کر سکیں۔ ملک میں جب بھی مارشل لاء یا دوسرے قوانین کا استعمال ہوا تو اس سے سب سے زیادہ نقصان مزدور طبقہ کو پہنچا۔ آپ کو یاد ہوگا ایوب خاں کے مارشل لاء میں منگھو پیر کے مزدور اپنے حق کے لئے اٹھے تو اس وقت کی فوجی حکومت نے ان نہتے مزدوروں کو گولیوں کا نشانہ بنایا تھا جس کے نتیجہ میں کئی مزدور شہید ہوئے۔ موجودہ حکومت کے زمانے میں ملتان کے مزدوروں پر فائرنگ کی گئی اور کئی مزدوروں کو شہید کیا گیا۔ پٹ فیڈر میں قبائلی سرداروں اور جاگیرداروں کی پشت پناہی کی گئی۔ جس سے کئی کسانوں کی جانیں ضائع ہوئیں سینکڑوں کی تعداد میں مزدور اور طالب علم رہنماؤں کو گرفتار کیا گیا اور انہیں تشدد کا نشانہ بنایا گیا اس دوران کے اہم ترین واقعات میں سے ایک ہمارے ساتھی عظیم محب وطن

طالب علم و کمیونسٹ رہنما نذیر عباسی کا بہیمانہ قتل ہے جو کہ ہمارے ساتھ گرفتار ہوئے تھے۔ انہیں فوجی درندوں نے ٹارچر کیمپ میں اذیتیں دے دے کر شہید کر دیا۔ اسی کے علاوہ جتنے مزدور چھانٹی، تالہ بندی اور لے آف کے ذریعہ مارشل لاء کے زمانے میں نکالے گئے۔ اتنے کبھی نہیں نکلے، یہ کوڑے اور لاٹھیاں کبھی کسی سرمایہ دار پر نہیں برسیں اور نہ ہی کبھی کسی سرمایہ دار کے خلاف کسی کالے قوانین کے تحت کارروائی کی۔ آج بھی کالے قوانین کی وجہ سے ٹریڈ یونین کو آزادانہ طور پر کام کرنے کا موقع نہیں دیا جا رہا ہے۔ پی آئی اے کی یونین پر باقاعدہ طور پر مارشل لاء ریگولیشن کے تحت پابندی عائد ہے اور سینکڑوں ملازموں کو نوکری سے برطرف کیا گیا ہے۔

آپ کی حکومت کی مزدور دشمنی کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ اس نے مزدوروں کے سرخ جھنڈے کے استعمال پر پابندی لگا دی ہے۔ آپ کی حکومت امریکی سازشیں اور اسلحہ (موت کا سامان) حاصل کرنے میں تو کوئی قباحت محسوس نہیں کرتی۔ لیکن شکاگو کے شہید مزدوروں کی یادگار سرخ جھنڈے پر جو کہ جدوجہد اور زندگی کی علامت ہے۔ اعتراض کرتی ہے۔ آپ کی حکومت میں صرف بلوچستان میں ایک درجن سے زائد مزدور یونینوں پر پابندی لگا دی گئی۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ آپ کی حکومت کی سرمایہ نوازی اس سے بھی ظاہر ہے کہ آپ کی حکومت نے مارشل لاء ریگولیشن کے تحت آجروں کو یہ حق بھی دیا ہے کہ وہ مزدوروں کو ٹھیکے پر رکھ سکتے ہیں۔ اس پر ملک کی کئی صنعتوں میں عملدرآمد بھی شروع ہو چکا ہے۔ جناب، یہ قانون مزدوروں کے خلاف ایک کھلی سازش ہے۔ تاکہ ان کو تمام قانونی واجبات اور حقوق سے محروم کیا جا سکے جو مستقل ملازم کا حق بنتے ہیں۔

جناب والا۔ آپ کی حکومت کے دور اقتدار کے ساڑھے پانچ سال کا عرصہ گزرنے کے بعد بھی لیبر پالیسی کا اعلان نہیں کیا گیا۔ دو مرتبہ سہ فریقی لیبر کانفرنس بلائی گئی۔ ان

کانفرنس میں شریک مزدور نمائندوں نے لیبر پالیسی میں جو ابتدائی تجاویز دیں آپ کی حکومت اِن کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ ان سب چیزوں کی روشنی میں آپ ہی بتائیں کہ آپ کی حکومت جو کام کر رہی ہے وہ اس ملک اور اس ملک کے اکثریتی عوام کے خلاف سازش نہیں تو اور کیا ہے،

میں آپ کی توجہ اپنے بدنصیب ملک کے مصائب و آلام کی طرف دلانا چاہتا ہوں۔ جس کی ذمہ داری بنیادی طور پر آپ کی حکومت پر عائد ہوتی ہے۔ ہمارے ملک میں دس لاکھ ایسے خاندان ہیں جن کے پاس زمین کا ایک ٹکڑا بھی نہیں۔ جبکہ دوسری طرف تین ہزار خاندان کے پاس قابل کاشت زمین کا پچاس فیصد ہے — ۲۲ لاکھ خاندان کسان ہیں جو کہ بٹائی پر زمینداروں کے پاس کام کرتے ہیں۔ ان خاندانوں کی کل آبادی ایک کروڑ ۳۲ لاکھ سے بھی زیادہ بنتی ہے۔ ایک طرف فی کس سالانہ آمدنی اقوام متحدہ کی مقرر کردہ غربت کی کم از کم حد یعنی ۲۰۰ ڈالر سالانہ سے کم ہے۔ تو دوسری طرف ساڑھے آٹھ کروڑ لوگوں میں سے چھ لاکھ افراد ایسے ہیں جن کی سالانہ آمدنی بارہ ہزار سالانہ سے اوپر بنتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پچاس فیصد سے زیادہ قومی آمدنی صرف ۲۰ فیصد لوگوں کے تصرف میں ہے گزشتہ دس سالوں میں بیروزگاری کی شرح تیرہ فیصد رہی۔ اگرچہ لوگوں کو بیرون ملک بھیج کر اس شرح کو کسی حد تک کم کرنے کی کوشش کی گئی۔ زرعی شعبے میں کم اُجرت والے مزدوروں کی تعداد ۲۰ لاکھ ہے گھر کی سہولتیں بھی گنتی کے چند افراد کے پاس ہیں اس کا اندازہ مندرجہ ذیل اعداد و شمار سے لگایا جاسکتا ہے۔

(۱) ملک میں پچاس فیصد مکانات ایک کرہ پر مشتمل ہیں جس میں اوسطاً چھ آدمی رہتے ہیں۔ (۲) تیس فیصد گھر دو کمروں والے ہیں۔ (۳) گیارہ فیصد گھر تین کمروں پر مشتمل ہیں جبکہ آٹھ فیصد تین سے زائد کمروں والے ہیں۔ (۴) آبادی کے دو تہائی سے زیادہ حصّہ کے پاس بجلی نہیں ہے اور اس سائنسی دور میں بھی وہ تاریکی میں ڈوبا

رہتا ہے۔ جبکہ کراچی کے علاقہ دھوراجی میں ایک ممتاز صنعت کار کی کوٹھی میں صرف بچاس لاکھ کی بتیاں جگمگا رہی ہیں۔ (۵) چھ فیصد کے پاس ایندھن کے لئے سوئی گیس ہے۔ (۶) بائیس فیصد کے پاس فلیش سسٹم ہے (۷) جبکہ ستائیس فیصد کے پاس رفع حاجت کی جگہ نہیں۔

گزشتہ پانچ سال کے عرصہ میں تنخواہوں میں تقریباً گیارہ فیصد اضافہ ہوا ہے۔ جبکہ مہنگائی میں دو سو فیصد کا اضافہ ہوا۔ غیر ملکی تجارت میں ہمارے ملک کو پانچ سال میں ایک سو سات ارب پچھتر کروڑ ستر لاکھ روپے کا خسارہ ہوا۔ جو کہ ہمارے سالانہ بجٹ کا تقریباً ڈیڑھ گنا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ہر پانچ سال بعد اپنے قومی وسائل کا ڈیڑھ گنا ضائع کر رہے ہیں۔ طبی سہولتوں کا یہ عالم ہے کہ سات ہزار افراد پر ایک ڈاکٹر ہے۔ یہ شرح ملک کے تمام کوالیفائیڈ ڈاکٹروں کی کل تعداد ملا کر بنتی ہے۔ جبکہ اس میں وہ کئی ہزار ڈاکٹر بھی شامل ہیں جو کہ بیرون ملک کام کر رہے ہیں۔ ہر دس میں سے ایک پاکستانی بچہ جنم لیتے ہی مر جاتا ہے۔ پاکستان کو تقریباً ایک ارب پچاس کروڑ ڈالر امداد ملتی ہے جس میں سے ایک ارب بیس کروڑ ڈالر ہم قرضوں کی ادائیگی کی صورت میں واپس کر دیتے ہیں۔ اس طرح سے ہمارے پاس صرف بیس فیصد رقم بچتی ہے۔ پاکستان میں انجینئروں کی تعداد بہت کم ہے۔ یعنی ایک لاکھ آدمی پر دس انجینئر ہیں۔ جبکہ اقوام متحدہ کی سفارشات کے مطابق ایک لاکھ آبادی پر کم از کم ایک سو چالیس سائنسداں و انجینئر ہونے چاہئیں۔

غیر ملکی قرضوں کی مد میں آپ حکومت کے بیان کردہ اعداد و شمار کے مطابق ہم کو دو کھرب ۲۹ ارب ۶۳ کروڑ روپے حاصل ہوئے جس سے ادا اور ہر سال کی قسطوں کی ادائیگی کے بعد بھی ہم کو ایک کھرب ۱۹ ارب ۳۵ کروڑ روپے ادا کرنا ہے یہ اعداد و شمار دسمبر ۱۹۸۱ء تک کے ہیں۔ ان قرضوں پر ہم نے ۷۸-۱۹۷۷ء میں

۳۷ کروڑ ۴۰ لاکھ ڈالر سود ادا کیا جو کہ ۸۲ - ۸۱ میں بڑھ کر ۷۲ کروڑ ۸۰ لاکھ ڈالر ہو گیا یعنی یہ صرف سود کی رقم کی مد میں چار سال کے عرصہ میں رقم دُگنی ہو گئی۔ ۱۹۷۷ء سے ۱۹۸۱ء تک ہماری ملکی پیداوار میں اضافہ ۱۶ء ۰ ۴ فیصد ہوا جبکہ اس کے مقابلے میں قرضوں کی رقم میں ۸۰ فیصد اضافہ ہوا۔

سرکاری اعداد و شمار کے مطابق پاکستان کو امداد دینے والے کنسورشیم نے پاکستان کو افغان پناہ گزین کے لئے ۳۲ کروڑ ڈالر منظور کیے ہیں۔ افغان مہاجرین کی محض غذائی ضروریات پر ۵۵ کروڑ ڈالر خرچ آتا ہے۔ چنانچہ افغان مہاجرین پر ہمیں سالانہ ۳ ارب ۲۰ کروڑ روپے اپنے وسائل سے خرچ کرنے پڑتے ہیں (جنگ ۱۳ جون ۸۲ء) ۱۹۸۱ء کے سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ۱۹۸۱ء میں ارتکاب جرائم کی پونے دو لاکھ وارداتیں ہوئیں یہ تعداد ۱۹۸۰ء کی نسبت سے ۱۳ ہزار کے لگ بھگ زیادہ ہے۔ (جنگ ۲۰ جولائی ۸۲ء) ہمارے ملک میں سڑکوں کی کم از کم ضروریات کا صرف ۲۰ فیصد سڑکیں ہیں۔ ملک کے ۱۹۸۳ء - ۱۹۸۲ء کے بجٹ میں دفاع کے لئے ۲۲ ارب ۹ کروڑ ۳۰ لاکھ روپے کی رقم رکھی گئی ہے۔ جبکہ ۴۸ - ۱۹۴۷ء میں دفاعی خرچ صرف ایک کروڑ ۱۴ لاکھ روپے اور ۵۴ - ۱۹۵۳ء میں ۶۵ کروڑ ۳۰ لاکھ روپے تھا۔

آپ کی حکومت نے مطلق العنان فوجی آمریت قائم کر رکھی ہے جبکہ ہم جمہوریت چاہتے ہیں۔ ضیاء الحق نے مسلسل سیاسی سرگرمیوں پر پابندی لگائے ہوئے ہے اور انتخابات کی بات سے مُکر گیا ہے۔ حالانکہ اس نے ہماری مسلح افواج اور قوم سے جو وعدہ اقتدار سنبھالتے وقت کیا تھا۔ وہ یہ نہیں تھا جس کی وہ ابھی بات کر رہا ہے۔ بلکہ ضیاء الحق نے ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو کہا تھا کہ "میرا واحد مقصد آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کرانا ہے جو اس اکتوبر میں ہوں گے۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ میں اس پروگرام سے انحراف نہیں کروں گا۔ آئندہ تین مہینوں کے دوران اپنی تمام صلاحیتیں چیف مارشل لاء

ایڈمنسٹریٹر کے طور پر کسی دوسری چیز پر صرف نہیں کروں گا۔"

آئین سے غداری کر کے اور سول حکومت کی اطاعت کے حلف کو پامال کر کے اقتدار پر غاصبانہ قبضہ کر لینے والے اس بے ضمیر جنرل نے آگے چل کر اپنے عمل سے ثابت کر دیا ہے کہ وہ صریحاً جھوٹ بول رہا تھا اور قرآنی آیت کا محض اس لئے استعمال کر رہا تھا کہ لوگ اس کے جھوٹ کو سچ مان لیں۔ ضیاء نے مسلح افواج کے جوانوں اور عوام دونوں سے غداری کی ہے۔ ضیاء کی اس غداری سے ہمارا فوجی ادارہ تباہ ہو رہا ہے۔ اور فوجیوں کے حقوق غصب کرنے، دھوکہ دہی اور وعدہ خلافی کا درس دیا جا رہا ہے۔

جناب صرف اتنا ہی نہیں کہ آپ کی حکومت نے انتخابات کرانے سے انکار کر دیا ہے۔ بلکہ سیاسی سرگرمیوں پر بندش اور مارشل لاء کو مسلسل جاری رکھ کر ملک میں شدید بحران پیدا کر دیا ہے۔ پہلے تو سیاستدانوں کے احتساب کی مہم شروع کی گئی۔ یہ تماشہ پہلی مرتبہ دیکھنے میں آیا کہ نوکر مالک کا احتساب کرے۔ ضیاء ٹولہ سیاستدانوں پر تو الزام تراشیاں کر رہا ہے لیکن کیا کبھی اس نے بھی اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھا ہے کہ کہیں وہ خود تو احتساب کے قابل نہیں؟ ضیاء نے حلف کو توڑ کر کیا اختیارات سے تجاوز نہیں کیا۔؟ لیکن اب وہ دن دور نہیں جب عوام غاصب ضیاء اور اُس کے ٹولے سے حساب لیں گے۔

ضیاء الحق اپنے اقتدار کو طول دینے کے لئے اسلام کا سہارا لے رہا ہے اور کئی مرتبہ اسلام کا سہارا لے رہا ہے، اور کئی مرتبہ یہ بات سرعام کہہ چکا ہے کہ وہ تب تک نہیں جائے گا جب تک اسلام نافذ نہیں ہو جاتا۔ مجھے اسلام کی پوری تاریخ میں ایسا حکمران نظر نہیں آیا جس نے کبھی یہ کہا ہو۔ گویا پاکستان کے ساڑھے آٹھ کروڑ عوام مسلمان نہیں رہے جیسے ضیاء کو خدائی فوجدار بنا دیا گیا ہو کہ جاؤ پاکستان کے عوام کو مسلمان

بناؤ۔ جنرل ضیاء کا یہ دعویٰ کہ وہ اسلامی نظام کا واحد ذمہ دار ہے۔ بذات خود غیر اسلامی ہے۔ یہی دیکھئے کہ عوام نے اُسے اپنی سرحدوں کی حفاظت کا فرض سونپا تو وہ خود عوام پر فوج کشی کئے بیٹھا ہے عوام کے جذبات سے کھیل رہا ہے اور اس طرح عوام کے مفاد سے غداری کر رہا ہے۔ درحقیقت امریکی سامراج کا مقرر کردہ یہ فوجدار بہروپیا بن کر خود کو خدائی فوجدار کہلا رہا ہے اور سامراجیوں کے مفاد میں کام کر رہا ہے۔

ہمیں کہا جا رہا ہے کہ مضاربہ اسلامی طریقہ ہے لیکن تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ مضاربہ قرون وسطیٰ میں ایک تجارتی آرگنائزیشن کے طور پر پہلے بھی تھا اور عرب کے علاوہ دیگر کئی ملکوں میں بھی رائج تھا۔ اس طرح سے مضاربہ اسلام سے پہلے کا ہے۔ دراصل ہمارے کئی مسائل کا علاج دقیانوسی طریقوں میں ڈھونڈ کر اسے اسلامی ہونے کا دعویٰ کر کے پیش کیا جا رہا ہے۔ ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہیں کہ ہمارے حکمرانوں کے نزدیک اسلام کی حیثیت صرف اتنی ہے کہ اس کو مارشل لاء کے ظالمانہ قوانین، استحصالی نظام کے تحفظ اور "آہنی کمپنی" کی مشہوری کے طور پر استعمال کیا جائے۔

جناب والا! آپ کی حکومت ملک کو ایک ایسی ملّا ریاست میں تبدیل کر رہی ہے جس کا وجود نہ صرف اس جدید دور سے مطابقت نہیں رکھتا بلکہ اس میں خود ہمارے عوام اور ملک کی بقاء کو بھی خطرہ لاحق ہے۔ ریاست کا یہ تصور صرف جماعت اسلامی کے نام نہاد سیاسی فلسفے میں ہی ملتا ہے۔ جب کہ باقی تمام پارٹیوں کے پاس یہ فلسفہ سرے سے موجود نہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ تصور بانئ پاکستان کے بنائے اصولوں کے صریحاً منافی ہے۔ بانئ پاکستان نے ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء کو دستور ساز اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

"آپ آزاد ہیں کہ آپ مندروں میں، مسجدوں یا عبادت کی کسی بھی جگہ جائیں آپ کسی بھی مذہب یا عقیدے سے تعلق رکھتے ہوں۔ اس ریاست کا کوئی تعلق نہیں"

لیکن ضیاءالحق کی ریاست کا تعلق ایک خاص فرقے سے بنتا ہے۔ جس کے تحت دوسرے تمام فرقوں کو ریاست سے لاتعلق بنایا جارہا ہے۔ ۲۱ مارچ ۱۹۴۸ء کو ڈھاکہ میں تقریر کرتے ہوئے بانی پاکستان نے کہا تھا۔

" اس میں غلطی کی کوئی گنجائش نہیں کہ پاکستان ملّا ریاست یا اس جیسی کوئی شکل نہیں ":

ضیاءالحق ملک کے سیاسی نظام کے لئے مختلف نسخے تجویز کرتا ہے۔ کسی زمانے میں اس نے متناسب نمائندگی کا نسخہ تجویز کیا تھا۔ جس کو عوام نے واضح طور پر مسترد کردیا تھا لیکن شاید یہ نسخہ اب بھی زیر غور ہے۔ کیونکہ ابھی پچھلے دنوں جماعت اسلامی کے امیر میاں طفیل محمد نے ملک کے بحران کے لیے جو شرائط پیش کی ہیں۔ ان میں متناسب نمائندگی کا راگ الاپنے کا مقصد یہ ہے کہ عوام میں جڑیں اور طاقت نہ رکھنے والی پارٹیاں بھی اسمبلی تک اپنی رسائی حاصل کرلیں۔ اسی لئے تو متناسب نمائندگی کا طریقہ انتخاب ضیاءالحق کے لئے عین اسلامی اور بالغ رائے دہی غیر اسلامی ہے۔

متناسب نمائندگی کا طریقہ ترکی اور سری لنکا کے علاوہ جرمنی اور کچھ یورپی ممالک میں بھی رائج رہا ہے۔ یورپی ممالک میں جہاں یہ طریقہ رائج ہے۔ وہاں اُسے بتدریج تبدیل کیا جارہا ہے۔ شاید ترکی کی مثال کو سامنے رکھ کر جنرل ضیاء نے "ہمارے سیاسی امراض" کے لئے یہ نسخہ تجویز کیا ہے۔ لیکن ترکی میں جو سیاسی اور معاشی عدم استحکام ہے وہ بھی ہمارے سامنے ہے۔ وہاں آئے دن مارشل لاء لگتے ہیں۔ عوامی ادارے تباہ ہیں جس سے معیشت تباہ ہو کر رہ گئی ہے۔ دہشت گردوں کا دور دورہ ہے، زرمبادلہ کا واحد ذریعہ ان مزدوروں کی آمدنی ہے جو بیرون ملک سے کما کر اپنے وطن کو بھیجتے ہیں، جہاں افراطِ زر کی شرح دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔ جہاں کے ایک وزیر اعظم کو بھی ہمارے بدنصیب ملک کی طرح شہید کیا گیا اور جہاں فوج کو حکومت میں مداخلت

کرنے کا حق حاصل ہے۔ یہ ہے ترکی کے معاشی و سیاسی استحکام کی حالت زار!
جب بھی جنرل ضیاء اور میاں طفیل پاکستان میں فوج کے آئینی کردار اور متناسب نمائندگی کے طریقہ انتخاب کا راگ الاپتے ہیں تو ترکی کے خوفناک حالات ہی کا تصور سامنے آتا ہے ترکی سے آپ کی حکومت کی اصل مماثلت یہی ہے کہ دونوں اپنے آپ کو امریکی سامراج کے ہاتھ بیچ چکے ہیں دونوں افغانستان اور خلیج میں امریکی کھیل کھیلنے کے لئے بالکل تیار ہیں۔ (جیساکہ محترم ارشاد احمد حقانی نے اپنے ایک مضمون میں اس کا ذکر کیا ہے اس کے لئے میں اخبار جنگ ۲۵ر دسمبر ۱۹۸۲ء کے شمارے کا وہ حصہ پیش کرتا ہوں۔ (ضمیمہ "ب")

آج کل جنرل ضیاء مختلف دورے کرتا پھر رہا ہے۔ یہ صدر سوہارتو اور اسی قبیل کے دوسرے ڈکٹیٹروں سے طولِ اقتدار کے نسخے پوچھتا پھر رہا ہے۔

فوج کے آئینی کردار پر بحث کے دوران بنگلہ دیش کے حالات پر ذکر بے محل نہ ہوگا بنگلہ دیش میں بھی فوج نے وہاں کے منتخب وزیر اعظم کو قتل کیا اور اقتدار پر قابض ہوگئی۔ پہلے بنگلہ دیش کے چیف آف اسٹاف جنرل ارشاد نے واضح طور پر یہ الٹی میٹم دیا تھا کہ "فوج کو حکومت میں حصہ دو ورنہ انجام کے لئے تیار ہو جاؤ"۔ اب وہ منتخب صدر کو معزول کرکے مسندِ اقتدار پر براجمان ہے۔

گویا فوجی مفادات (امریکی مفادات) کے تحفظ اور پھیلاؤ کے لئے فوج کا اقتدار میں ہونا لازمی ہے۔ کیا یہ بات اسلامی اصولوں کے مطابق ہے؟ یا یہ کہ جمہوری دنیا میں کوئی ایسا مسلمہ دستور بھی ہے جس کی رو سے سول انتظامیہ اور آئینی کاروبار میں لازمی طور پر فوج کا بھی دخل ہو؟

فوج کے خفیہ اداروں نے پوچھ گچھ کے دوران مجھ سے افغان انقلاب اور ایرانی انقلاب کے بارے میں ایسے سوالات کئے جس سے یہ عیاں ہوگیا کہ آپ کی حکومت اس علاقے میں امریکی چوکیدار کا کردار ادا کر رہی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ایک ترقی پسند

اور غیر جانبدار ملک کے طور پر حب الوطنی کا یہی تقاضہ ہے کہ جہاں کہیں مزدوروں ، کسانوں کی تحریک آگے بڑھے، سامراج اور اس کے حواری پیچھے ہٹیں تو آپ کی حکومت کو خوشی ہونی چاہیئے ۔ آج افغانستان میں زرعی اصلاحات نافذ کر کے زمین کسانوں میں تقسیم کر دی گئی ہے۔ عورتوں کی خرید و فروخت پر پابندی لگا دی گئی اور سود خوری بند کر دی گئی ہے۔ تو آپ کی حکومت کو تکلیف پہنچ رہی ہے اور اس کو یہ سب چیزیں غیر اسلامی نظر آ رہی ہے۔ گویا اس افغان انقلاب سے قبل ظاہر شاہ کی شاہی حکومت اور داؤد خاں کی آمریت عین اسلامی تھی کہ جس کے دور میں سود کا کاروبار عام تھا، عورتوں کی خرید و فروخت پر کوئی روک ٹوک نہیں تھی اور جاگیرداروں کو کھلی چھوٹ تھی کہ وہ کسانوں سے جس طرح کا سلوک کرنا چاہیں کریں۔

اسی طرح سعودی عرب میں شاہ خالد کی اور شاہ فہد کی حکومت انھیں شہنشاہیت نہیں بلکہ عین اسلامی حکومت نظر آتی ہے۔ جب کہ ایران میں آیت اللہ خمینی کی قیادت میں سامراج دشمن جمہوری انقلاب آیا تھا تو ضیاء ٹولہ اس کا ساتھ دینے کے بجائے اس کے خلاف مختلف سازشیں کرنے کا مرتکب ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ انقلاب ایران کے ساتھ ہمارے تعلقات بھی کشیدہ ہیں۔ اصل قصہ یہ ہے کہ ایرانی انقلاب سامراج دشمن تھا۔ اس لئے وہ ضیاء ٹولہ کو اسلامی نظر نہ آیا۔ جب کہ افغان بھگوڑوں کی حرکتیں سامراجی مفادات سے مطابقت رکھتی ہیں اس لئے ضیاء ٹولہ کو وہ عین اسلامی نظر آتی ہیں۔ ضیاء ٹولہ ان افغان سود خوروں ، جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی پشت پناہی کر رہا ہے، جو افغان عوام کے عتاب سے بچنے کے لئے پاکستان بھاگ آئے۔ اب یہ ٹولہ انھیں ہتھیار دے کر نہ صرف افغانستان میں گڑبڑ پھیلانے کی کوشش کر رہا ہے، بلکہ بقول گورنر سرحد کے کہ "سرحد میں عوام کی آواز کو دبانے کے لئے بھی ان کی مدد لی جا رہی ہے"۔ ضیاء کا نام نہاد

اسلام سامراجی مفادات کے تابع ہے۔ یہ اسلام محمدؐ عربی کا نہیں، بلکہ بنیاگان کا اسلام ہے۔

آپ کی حکومت افغانستان کے مسئلہ پر جو کچھ کر رہی ہے۔ وہ دراصل اس علاقہ میں سامراجیوں کی طرف سے دیئے گئے اس نئے کردار کا حصہ ہے جس کے تحت علاقے میں کھنچاؤ کی صورت حال برقرار رکھنا ہے تاکہ امریکہ کو مشرق وسطےٰ میں سستا تیل حاصل کرنے کے لئے فوجیں اور ہتھیار رکھنے کا جواز مل سکے اور وقت آنے پر پاکستان امریکیوں کی مدد کر سکے۔ اس طرح پاکستان کی امریکی حکمتِ عملی میں شرکت کی وجہ سے اس خطہ کی مجموعی صورتحال بدل چکی ہے۔ اب پاکستان کی سیاست اس کے حوالے کے بغیر نہیں دیکھی جا سکتی۔

شاہ ایران کے بعد خلیج کا علاقہ (جس کو کارٹر امریکی مفادات کا اہم علاقہ قرار دے چکا تھا) قومی آزادی کی تحریکوں اور سامراج دشمن تحریکوں کی وجہ سے خطرے میں پڑ گیا تو امریکہ نے ضیاء الحق کے ذریعہ پاکستان کو خلیج کا نیا چوکیدار مقرر کر دیا۔ امریکہ کے نزدیک پاکستان کی اہمیت اس لئے بھی بڑھ گئی ہے کہ وہ خلیج کے ساتھ ساتھ برصغیر اور مغربی ایشیا میں بھی امریکہ کے کام آرہا ہے۔ یوں پاکستان اس خطے میں امریکی مفادات کا محور بنا ہوا ہے اسی لئے ایران، بھارت اور افغانستان پاکستان سے بدگمان ہیں اور پاکستان کی سرگرمیوں کو تشویش کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان ہی وجوہات پر بھارت ضیاء الحق کی عدم جارحیت کی پیش کش کا مثبت جواب دینے سے قاصر ہے۔

جناب والا! حکمران ٹولہ امریکی کھیل کھیلنے کو تیار ہو گیا ہے۔ اور کروڑوں روپے کے ہتھیار حاصل کر کے امریکی امداد لے کر اور سامراجی آمروں کے لئے اڈے دے کر مکمل طور پر امریکی حکمتِ عملی میں چلا گیا ہے۔ یہ ٹولہ کئی سالوں کے تجربے اور نقصانات کے بعد اختیار کی گئی غیر جانبداری کی خارجہ پالیسی کو خیرباد کہہ کر ایک بار پھر بدنامِ زمانہ سامراجی بلاکوں کی طرف جا رہا ہے۔ جناب والا ضیاء، راؤ فرمان علی اور سابق وزیر خارجہ آغا شاہی کی

مرتبہ اس بات کا اعادہ کر چکے ہیں کہ انہیں سوویت یونین کی ان یقین دہانیوں پر بھروسہ ہے کہ وہ جارحیت نہیں کرے گا۔ کرشن انڈیا کے نعرے کو چھوڑ کر عدم جارحیت کے معاہدے کی پیشکش کی جارہی ہے اور کہا جارہا ہے کہ مائی باپ آپ کا اور ہمارا مقابلہ کیا؟

تو پھر سوال یہ ہے کہ ہتھیار کیوں لئے جارہے ہیں؟ امریکہ کو ہماری سالمیت بحیثیت ایک مسلمان اور غیر جانبدار ملک کیسے پیاری ہو گئی ہے جس نے بقول آپ کے حکمرانوں کے کئی مرتبہ ہمیں دھوکہ دیا ہے۔ جو فلسطینی تحریک آزادی اور قومی آزادی کی دیگر تحریکوں کو دہشت پسند قرار دیتا ہے، ایران کے اسلامی انقلاب کا مخالف ہے اور آئے دن اس کے خلاف سازشیں کرتا رہتا ہے۔ عربوں کا کٹر دشمن ہے اور اسرائیل کی پشت پناہی کر رہا ہے عرب کاز کو نقصان پہنچانے کے لئے کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتا، قبلۂ اول اسی کے ایماء پر اسرائیل کے قبضہ میں ہے۔ وہ آج ایک دم ہمارا دوست کیسے ہو گیا؟ اس کے اور ہمارے مفادات ہم آہنگ کیسے ہو گئے؟

جناب والا! ۔ امریکی سامراج پوری دنیا میں قومی آزادی اور عوامی تحریکوں کو ختم کرنے اور [illegible] پابند رکھنے کی کوششیں کرتا ہے۔ اسی حکمت عملی کی خاطر امریکہ اور ناٹو نے نئی اسلحہ پالیسی مرتب کی ہے۔ اس کے تحت مختلف براعظموں میں امریکی فوج رکھی جارہی ہے۔ فوجی اڈے حاصل کئے جارہے ہیں۔ اور امریکہ کی [illegible] حکومتوں کو اسلحہ سے لیس کیا جارہا ہے تاکہ وہ انہیں اپنے خطے کی قومی آزادی کی تحریکوں کو روکنے اور اپنے ملک کے عوام کے خلاف استعمال کر سکیں۔ پاکستان کو بھی ناٹو کے اسی فیصلہ کے تحت ہتھیار مل رہے ہیں۔ لہٰذا یہ ہتھیار یقیناً اس ملک کے عوام پر استعمال ہو سکتے ہیں۔ پاکستان امریکی مفادات کا مکمل مرکز و محور بنا ہوا ہے۔ ہمارے ملک میں آج جو سیاسی و معاشی صورت حال پائی جاتی ہے۔ وہ دراصل امریکی مفادات کا مکمل مرکز و محور بننے ہی کا نتیجہ ہے۔ یہی وجہ ہے پاکستان

کے عوام کے خلاف دباؤ بے حد زیادہ ہے۔ چنانچہ ہم ایرانی اور افغانی عوام سے یکجہتی کا جتنا زیادہ اظہار کریں گے ہمارے ملک کی جمہوری تحریک اتنی ہی مضبوط بنے گی۔ اس مقصد کے لئے ہمیں دو اتحاد کرنے پڑیں گے۔ ایک ملک کے مظلوم طبقات کا اتحاد اور دوسرا اس علاقہ کی سامراج دشمن قوتوں سے اتحاد۔

ملک میں بڑھتے ہوئے سامراجی اثرات و مفادات کی وجہ سے سیاسی اقتصادی بحران شدید ہو گیا ہے۔ اور حکمران عوام سے کٹے ہوئے ہیں۔ موجودہ حکمران اپنے وجود کا ضامن سامراج کی بالادستی اور ملک میں سامراج کے وجود کو سمجھتے ہیں۔ وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہوئے نہیں ہیں۔ سیاسی عمل میں عوام کی براہِ راست شرکت کو روک کر محلاتی جوڑ توڑ کا عمل جاری ہے۔ اور سیاسی استحکام کا فقدان ہے۔ اس وجہ سے سیاسی پارٹیاں مضبوط اتحاد نہیں کر پا رہی ہیں۔ دوسری طرف ایک لمبے عرصے سے شہری آزادیاں اور سیاسی عمل میں تعطل کی وجہ سے اور آپ کی حکومت کی طرف سے عوام کی آواز کو دبانے کی وجہ سے عوام کے مختلف حصوں کو ملک گیر بنیادوں پر متحد کرنا مشکل ہو گیا ہے۔

اس صورت حال کی روشنی میں سماج کے مختلف سامراج دشمن گروہوں، تنظیموں اور کچلے ہوئے طبقات کا اتحاد ہی موثر بن سکتا ہے۔ ایم۔ آر۔ ڈی اپنے پروگرام میں سامراج دشمنی کے بنیادی نقطے کو نظرانداز کرنے کی بناء پر تحریک نہیں بن سکی ہے اور اس کی اپیل محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ دراصل عوام کے اقتدارِ اعلیٰ کی بحالی کے لئے خود جمہوری تحریک میں عوامی طبقات کی بالادستی ضروری ہو گئی ہے۔

ہم پر یہ الزام ہے کہ ہم نے نظریہ پاکستان کی مخالفت کی ہے۔

آخر نظریہ پاکستان سے آپ کی مراد کیا ہے؟ اس کی وضاحت حکومت کے کسی قانون میں موجود نہیں، کیونکہ سیاسی فلسفے کی تاریخ میں کسی ملک یا زمین کے خطے کے ساتھ نہ تو کوئی نظریہ قائم ہے اور نہ ہی اس سے پہچانا جاتا ہے میرے خیال میں جس طرح سورج کی کرنوں کا یا بچے کی مسکراہٹ کا کوئی دیس نہیں ہوتا۔ اگر نظریہ کسی زمین ہی سے بندھا رہتا تو عرب میں نازل ہوتے والا اسلام یہاں تک نہیں پہنچتا اور ہم اس خطہ میں جنم لینے والے نظریہ کے لحاظ سے اب تک سکھ ہی رہتے۔

ملک کی سیاسی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ نظریہ پاکستان کی اصطلاح پہلی مرتبہ ایوب خاں کے زمانے میں کسی بل پر بحث کے دوران جماعت اسلامی کے ایک ممبر نے استعمال کی تھی۔ بعد میں یحییٰ خاں نے اُسے کسی حد تک لیگل فریم ورک آرڈر میں جگہ دی۔ اور اب ضیاء الحق اس کا ڈھنڈورہ پیٹ رہا ہے۔ اس سے صرف ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے کہ فوجی آمر اپنے اقتدار اور مفادات کے لئے ایک ایسی جذباتی اور مبہم آڑ لے رہا ہے۔ جس کا حقیقی معنوں میں تحریک پاکستان سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ کسی ملک کا اگر نظریہ ہو سکتا ہے تو وہ وہاں کے اکثریتی عوام کا نظریہ ہو سکتا ہے۔ پاکستان کا نظریہ پاکستان کے محنت کشوں کا نظریہ ہوگا۔ جن کی ملک میں اکثریت ہے اور جن کا مفاد ملک کے مفاد سے ہی مطابقت رکھتا ہے، اور جو ملک کی ترقی اور خوشحالی چاہتے ہیں۔ اس لحاظ سے اس ملک کا نظریہ جمہوریت اور سامراج دشمنی ہے۔ میں نہ صرف اس نظریہ پر قائم بلکہ اس کے لئے اپنی جان کی بازی بھی لگانے کے لئے تیار ہوں۔

جناب یہ الزام مجھ پر مارشل لاء ریگولیشن ۱۸ کے تحت لگایا گیا ہے۔ یہ وہی دفعہ ہے جس میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ جو کوئی مارشل لاء کے مقاصد کی مخالفت کرے

گا۔۔۔۔۔۔۔۔ اب تو آپ کی حکومت میں ۹ ماہ وزیر رہنے والے جنرل ضیاء کے کٹر حامی پروفیسر غفور نے بھی کھُلم کھُلا یہ کہا ہے کہ "مارشل لاء کے مقاصد ذاتی اقتدار کو طول دینے کے علاوہ کچھ نہیں" (جنگ ۲۸ دسمبر ۱۹۸۲ء) ویسے ہم تو اس ریگولیشن کو بنیادی طور پر صرف اپنے مخالفین کو قید کرنے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ بہر حال میری گزارش ہے کہ آپ اپنی حکومت یا وکیل استغاثہ کو کہہ کر یہ وضاحت کرا دیں کہ مارشل لاء کے مقاصد کیا ہیں؟ ساڑھے پانچ سال بعد ہی سہی لیکن قوم کو یہ تو معلوم ہی ہونا چاہیئے کہ مارشل لاء کے کیا مقاصد ہیں۔؟ اب یہ ابہام بہت ہو گیا

بعض عقل کے اندھے حکام جو سوشلزم کو نظریۂ پاکستان کے خلاف گردانتے ہیں۔ اور قائداعظم کے اسلامی سوشلزم کے اعلان کو چھپاتے ہیں۔ وہ دراصل مسلمانوں کے افکار کے نظریاتی ارتقار سے بالکل بے خبر ہیں۔ وہ سلسلہ جو اسلام کے حضرت ابوذر غفاریؓ کی تشریح سے شروع ہوا شاہ ولی اللہ علیہ رحمۃ اور مولانا عبیداللہ سندھی سے ہوتا ہوا ہم تک پہنچا ہے۔ سوشلزم دراصل انسانی فکر کے اس ارتقاء کا نتیجہ ہے۔ علامہ اقبال اور ڈاکٹر علی شریعتی بھی اس سلسلہ کی کڑیاں ہیں میں اس کے ثبوت میں ایک جریدے ویو پوائنٹ کے ۲۳ اپریل ۱۹۸۲ء کے شمارے کے صفحہ ۱۰ اور ۱۱ پر شائع شدہ شورش عرفانی کا مضمون اور روزنامہ "امن" ۱۸ نومبر ۱۹۸۲ء کو شائع ہونے والا نام منصور صاحب کا مضمون پیش کرتا ہوں) موجودہ حکمران

جو آج کل اپنے نظریہ ضرورت کو بھی اسلام سے ثابت کرنے کی بھونڈی کوشش کر کے اسلام کو بدنام کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اس کے جواب میں جناب فاروق قریشی کا مضمون جو روزنامہ "جنگ" ۲۵ دسمبر ۱۹۸۲ء کے شمارے میں شائع ہوا ہے۔ اُسے بھی آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں (ضمیمہ۔ ج)

ہم پر یہ الزام ہے کہ ہم نے پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈیننس کی خلاف ورزی کی ہے

جناب میں صحافی ہوں اور ایک ایماندار صحافی کے طور جوزف پالٹرز کے اس قول سے متفق ہوں کہ:

"ہمیشہ مراعات یافتہ طبقوں کی مخالفت کرو اور غریبوں کے ساتھ ہمدردی سے پیش آؤ، عوام کی بہبود کے لئے اپنے کو وقف کرو اور برائی پر حملہ کرنے سے نہ ڈرو۔" جناب جیسے شاہ بھٹائی کا دکھ ان کا ذاتی دکھ نہ تھا۔ اقبال کا درد ان کا ذاتی درد نہ تھا اور جسٹس کیانی کا طنز ان کا ذاتی طنز نہیں تھا بلکہ پورے عوام کی طرف سے تھا۔ مقبول جرمن شاعر گوئٹے کے بقول "میری تخلیقات دراصل اجتماعی تخلیق ہیں گو کہ ان پر نام صرف گوئٹے کا ہے۔"

اس طرح میں نے جو کچھ کہا ہے وہ دراصل اسی دور کی ترجمانی کی ہے۔ گو کہ حکام شعور کو گرفتار کرنے میں نہ کبھی کامیاب ہوئے ہیں اور نہ کبھی ہوں گے۔

ہمارے ملک میں یوں تو ہر دور حکومت میں ذرائع ابلاغ پر حکمرانوں کا کنٹرول رہا ہے۔ اور محنت کشوں کی خبروں کا بائیکاٹ رہا ہے۔ پھر بھی ملکی خبریں پڑھنے اور سننے کو مل جایا کرتی تھیں، اور مزدوروں کی اکا دکا خبریں بھی چھپ جایا کرتی تھیں لیکن جب سے آپ کی حکومت آئی ہے اس نے ذرائع ابلاغ پر مکمل کنٹرول رکھا ہوا ہے۔ دو سال سے بھی زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے کہ ملک میں ذرائع ابلاغ پر باقاعدہ سنسرشپ نافذ ہے۔ اخبارات اور ریڈیو کا یہ حال ہے کہ کوئی سیاسی خبر پڑھنے اور سننے میں نہیں آتی۔ اگر اتفاق سے کوئی چیز چھپ بھی جائے تو وہ سامراج نواز سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے نمائندہ سیاستدانوں ہی کی چھپتی ہیں۔ ہمارے قومی اخبارات کو دیکھ کر یوں لگتا ہے کہ وہ کراچی یا لاہور سے نہیں بلکہ لندن یا واشنگٹن سے نکلتے ہیں۔ غیر ملکی خبریں بھی ایسی کہ لیڈی ڈائنا کی شادی اور اس کے بچے کی پیدائش کے لمحہ بہ لمحہ کی خبروں سے ہمارے ملک کے عوام کو آگاہ کیا

جاتا ہے اور اس کے بعد بھی اگر جگہ بچ جائے تو اُسے پڑوسی ممالک کو گالیاں دینے اور اُن سے تعلقات خراب کرنے والے مضامین سے سیاہ کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے. لیکن محنت کشوں کے اور ملکی مسائل کو نظر انداز کیا جاتا ہے. چنانچہ ان حالات میں اگر مزدور طبقہ اپنے محدود وسائل سے کوئی اخبار یا ہینڈ بل نکال کر لوگوں کو اپنے مسائل سے آگاہ کرنا چاہے تو حکمراں اُسے قطعاً برداشت نہیں کرتے۔ وہ اتنی سختیاں اور ایسے حربے استعمال کرتے ہیں کہ محنت کش طبقات اپنی بات عوام تک نہ پہنچا سکیں۔ یہ تو آپ کے علم میں ہوگا کہ لاہور سے شائع ہونے والا روزنامہ امروز اور ہفت روزہ "لیل و نہار" کو حکومت نے اس لئے اپنے قبضہ میں لے لیا تھا کہ ان میں محنت کشوں کے حالات، مسائل اور جد و جہد سے متعلق خبریں چھپ جایا کرتی تھیں۔ اسی طرح سے کوئٹہ سے شائع ہونے والا ہفت روزہ سنگت بھی محنت کشوں کی امنگوں کا ترجمان تھا۔ میں بھی اس میں کام کرتا تھا. لیکن اسی وقت کی حکومت نے اس کی اشاعت میں طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالیں۔ اس کے ایڈیٹر اور اسٹاف کے دوسرے لوگوں کے وارنٹ گرفتاری جاری کئے گئے اور پبلیشر کو پولیس گرفتار کر کے لے گئی اور ہم پر تشدد کیا گیا اس طرح سے یہ اخبار اپنی اشاعت جاری نہ رکھ سکا اور بند ہو گیا۔ خیر بقول فیض کہ

متاعِ لوح و قلم چھن گئی تو کیا غم ہے
کہ خونِ دل میں ڈبو لی ہیں انگلیاں میں نے

جناب صحافت وہ پارلیمان ہے جس کا اجلاس مسلسل جاری رہتا ہے۔ اور جن قوموں کی پارلیمان کے اجلاس جاری رہتے ہیں وہ کسی بھی میدان میں نہیں ہارتیں۔ دوسری جنگِ عظیم میں برطانیہ کے جنگ جیتنے کی ایک وجہ یہ تھی کہ اس کی اسمبلی کا

اجلاس مسلسل جاری رہا۔ ہٹلر یہ جنگ اس لیئے ہار گیا تھا کہ اس نے اپنے آپ کو واحد خدائی فوجدار سمجھ لیا تھا۔

مجھ پر وہ حکومت قابلِ اعتراض مواد کی اشاعت کا الزام لگا رہی ہے جو خود صحیح اور حقیقی خبروں سے ڈرتی ہے۔ آخر پریس پر یہ سنسر شپ کیوں ہے؟ ذہنی نشوونما معاشرہ کی سماجی و ثقافتی ترقی کو تیز کرنے اور انتخابات کی فضا کو سازگار بنانے کے لئے اخبارات اور پریس کی آزادی بہت ضروری ہوتی ہے۔ لیکن ضیاء الحق نے اخبارات اور پریس کی آزادی کو دبانے کے لئے نہ صرف سنسر شپ لگا رکھا ہے بلکہ اس مقصد کے لئے اس نے اپنے دور حکومت میں سینکڑوں صحافیوں کو بیروزگار کیا۔ انہیں جیلوں میں ٹھونسا، ان کی پیٹھ پر کوڑے برسوائے اور پھر جو لوگ اس گھٹن کے خلاف کام کرتے ہیں۔ ان پر پریس اینڈ پبلی کیشنز آرڈیننس کا مقدمہ قائم کیا جاتا ہے۔ پہلے ضیاء ٹولہ خود اس قانون کا احترام کرنا سیکھے اور اُسے عوام کی خواہشات کے مطابق بنائے، پھر کہیں یہ الزامات لگائے۔ ورنہ تب تک یہ الزامات بدنیتی پر مبنی ہیں جو الزامات بدنیتی کے تحت لگائے جاتے ہیں۔ ان کا حقائق سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا

ضیاء ٹولہ نے اقتدار غصب کرنے کا جو نام نہاد قانونی جواز سپریم کورٹ آف پاکستان سے حاصل کیا تھا وہ بھی اب ختم ہو گیا ہے۔ سپریم کورٹ نے بیگم نصرت بھٹو کیس میں کہا تھا۔ اور یہ کہ یہ (چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر) اپنی تمام قوتیں ایسے حالات پیدا کرنے میں صرف کرے گا تاکہ ملک میں آزادانہ اور منصفانہ انتخابات ہو سکیں اور ملک میں آئین کے مطابق جمہوریت بحال ہو سکے"۔

جناب کون حکومت کرے اور کون نہ کرے، یہ طے کرنا آپ کا نہیں عوام کا کام

ہے۔ حکومت اور عدالتیں عوام کے لئے بنتی ہیں۔ عوام حکومتوں اور عدالتوں کے لئے نہیں ہوتے۔ اس کے باوجود سپریم کورٹ نے ضیاء ٹولہ کو "محدود مدت" کے لئے مشروط طور پر حکومت کرنے کا حق دیا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ضیاء ٹولہ بار بار انتخابات ملتوی کر کے مکمل طور پر ننگا ہو چکا ہے لہٰذا مجھ پر قانونی حکومت کی مخالفت کا الزام سرے سے ہی غلط ہے۔

ہم پر الزام ہے کہ ہم نے مختلف طبقات کے درمیان نفرت پھیلائی۔

یہ الزام سراسر جھوٹا ہے۔ کیونکہ ہم طبقاتی نفرت نہیں بلکہ طبقاتی شعور بڑھاتے ہیں اور طبقاتی کشمکش کو تیز کرتے ہیں کیونکہ ہماری نگاہ میں "سماجی امن" اور انسانی ترقی کا یہی قابل عمل راستہ ہے۔ مگر اس کے برعکس طبقاتی نفرت موجودہ حکمران پھیلاتے ہیں۔ یہ استحصالی طبقوں کی پشت پناہی کر کے، سرمایہ داروں، جاگیرداروں وڈیروں اور سرداروں کو محنت کشوں، کسانوں اور دوسرے مظلوم عوام پر جبر و استبداد جاری رکھنے کی شہ اور طاقت دیتے ہیں۔ اس طرح انہوں نے مظلوموں کے ہاتھ باندھ دیئے ہیں، ان کی زبانیں بند کر دی ہیں اور ظالموں کے ہاتھوں میں کوڑے دیئے ہیں۔ یہ تاریخ کے بڑھتے ہوئے دھارے کو بیڑیاں ڈال رہے ہیں۔ تاکہ معاشرہ گل سڑ جائے۔ اس لئے مجرم ہم نہیں تم ہی ہو۔ ہم محنت کش لوگ تو ایسے نصب العین کے لئے جدوجہد کرتے ہیں جس میں طبقات ہی ختم ہو جائیں تو طبقاتی منافرت کا وجود بھی نہ ہوگا۔

ہم پر مذہبی نفرت پھیلانے کا الزام ہے۔

یہ الزام بھی جھوٹا ہے۔ کیونکہ ہم مذہبی آہنگی، فرقہ وارانہ بھائی چارے اور عدل و انصاف پر مبنی، مساوات کا نظام قائم کرنے کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں

ہم ریاستی امور میں مذہبی اور فرقہ وارانہ مداخلت کے خلاف ہیں اور سیکولر جمہوریت کے حامی ہیں۔ (پاکستان کے بانی بھی ایسے ہی سیکولر جمہوریت کے داعی تھے) مگر یہ موجودہ حکمراں ہیں کہ مختلف فرقوں، طبقوں اور مذاہب کے خلاف نفرت پھیلاتے ہیں۔ اور عوام کی توجہ ان کے اصل مسائل سے ہٹاتے اور انہیں کمزور کرنے کے لئے مختلف فرقوں، طبقوں بلکہ قوموں کو بھی آپس میں لڑاتے رہتے ہیں۔ ہو بہو ان کے فرنگی آقا بھی یہی کرتے تھے۔ انہوں نے مذہب میں تفریق کی بناء پر کروڑوں عوام کو تیسرے درجہ کا شہری بنا کر رکھ دیا ہے۔ انہوں نے شیعہ سنی، احمدی سنی، ہندو مسلم، وہابی اور بریلوی کے نام پر فسادات کروائے اور کروا رہے ہیں۔ اسی لئے مجرم یہ خود ہیں ہم نہیں۔

ہم پر مسلح افواج کے خلاف نفرت پھیلانے کا بھی الزام ہے۔

ہم پاکستانی فوج کے خلاف نہیں بلکہ اس فوج پر چند مفاد پرست اور اہلِ ہوس جرنیلوں کی آمریت کے خلاف ہیں۔ یہ آپ کے حکمراں ہی ہیں کہ جنہوں نے پاکستانی افواج کو بھاڑے کا ٹٹو بنا کر رکھ دیا ہے۔ یہ فوج کو محض بھیڑ بکریاں بناتے کا جرم ہی نہیں کر رہے بلکہ انہوں نے پاکستان افواج کو وحشی درندوں کا روپ دے کر بنگلہ دیش اور ساری دنیا میں بدنام کر دیا ہے۔ انہوں نے بلوچستان کے نہتے عوام پر فوج کشی کر کے اور ملک بھر میں مارشل لاء نافذ کر کے فوج کو بدنام کیا ہے اور فوج کو اپنے ہی ملک کو فتح کرنے اور ملک کے نہتے مظلوم عوام پر جبر و تشدد کرنے کا حکم دے کر ذلیل و خوار کیا ہے۔ انہوں نے اپنے رجعت پسند اور سامراج کی دلال نوکر شاہی اور رجعتی ملاؤں کی شہ پر ملک کے سیاسی، سماجی و معاشی امور پر فوجی کنٹرول قائم کر کے ملک کو تباہی و بربادی کے گڑھے میں دھکیل رہے ہیں اور اس طرح سے

پاکستانی افواج کو رسوائے زمانہ کیا ہے۔ انہوں نے ایک مخصوص جرنیلی ٹولے کو اقتدار کو طول دینے کے لئے فوج کو اندھا دھند استعمال کیا ہے اور عوام کی نگاہوں میں گرا کر اسے عوام دشمن بنا دیا۔ انہوں نے اسرائیل کی شہ پر اور امریکہ کی پشت پناہی پر ۱۹۷۰ء میں اردن جا کر فلسطینی مجاہدین کا قتل عام کیا۔ ظفار، اومان اور سعودی عرب وغیرہ میں پاکستان کے بے روزگار نوجوانوں اور پاکستان کے سپوتوں کو کرائے کا فوجی بنا کر بھیجا اور ساری آزادی پسند دنیا اور عالم اسلام میں رسوا کیا اور اب ایک عرصہ سے افغانستان کے عوامی انقلاب اور حکومت کے خلاف بھی پاکستان کے فوجی جوانوں کو استعمال کر رہے ہیں۔ انہوں نے پاکستانی افواج کو عالمی سامراج کا چوکیدار بنا دیا ہے اور اس طرح ملک کی آزادی اور سلامتی ملک کو خطرے میں ڈال دیا ہے اس لئے ہم فوج کو ایک مخصوص ہوس پرست جرنیلی ٹولے کے جبر سے آزاد کر کے صحیح معنوں میں ایک جمہوری محب وطن فوج بنانے کے حق میں ہیں۔ ہم فوج کو اس کا جائز مقام یعنی ملک کی سرحدوں کی حفاظت کے لئے متعین کرنا چاہتے ہیں۔ فوج کو بدنام انہوں نے کیا ہے۔ مجرم ہم نہیں وہ ہیں۔

ہم پر الزام ہے کہ ہم قانون کے تحت قائم کی گئی حکومت کے خلاف بغاوت کے مرتکب ہوئے

قانون کے تحت قائم کی گئی حکومت کی بات بھی خوب ہے۔ آپ کی حکومت نے تو ہر قانون کو روند ڈالا ہے۔ پھر یہ کس منہ سے قانون کا نام لیتی ہے؟ آپ کی حکومت نے ملک کے آئین کو اور اس آئین کے تحت عوام کی منتخب حکومت کو بالجبر توڑا، اسمبلیاں توڑیں، تمام جمہوری ادارے اور تمام اخلاقی، مذہبی و سماجی

قوانین کو نفرت سے اپنی شیطانی طاقت کے بل پر ٹھوکر ماری۔ اب یہ قانون کے تحت کہاں سے ہو گئی۔؟

بھٹو شہید نے فوجی جرنیلوں کے بہت ہاتھ باندھے تھے اور اپنی جانب سے کمال کر دکھایا تھا۔ جب اس نے فوج کو آئین کے تحفظ کی قسم دلائی اور آئین میں آئین توڑنے والوں کو پھانسی دیئے جانے کی سزا رکھی (لیکن اس نے عوام کو اور محنت کشوں کو منظم نہ ہونے دیا اور نہ ہی جمہوریت کو مستحکم ہونے دیا) مگر شیطان صفت ریاکار کے ہاتھ کون باندھ سکتا ہے؟ اور یہ موجودہ حکمراں قانون کو کھا جانے والے ہی نہیں اس کے قاتل بھی ہیں !" قانون کے قاتل اور قانون بنانے والوں کے قاتل! اور ہم اس ملک میں قانون کی حکمرانی چاہتے ہیں اور قانون بنانے والے عوامی اداروں کی بحالی اور نشوونما کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔ اس لئے مجرم ہم نہیں موجودہ حکمراں اور سینئر جرنیلوں کا ٹولہ ہے!

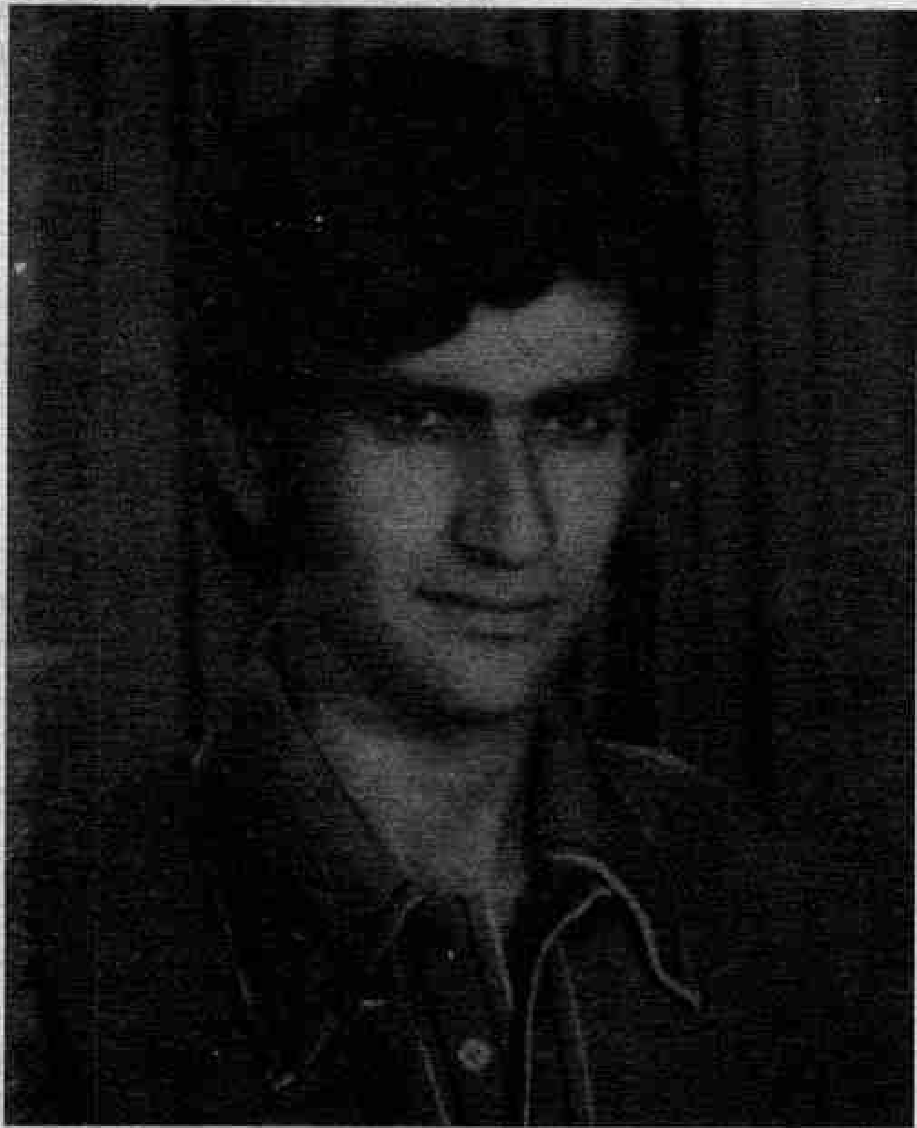
اگر غاصب فوجی ٹولہ، سامراج اور سامراج کی حکومت کے خلاف عوام کو جدوجہد پر آمادہ کرنا بغاوت ہے، تو پھر یہ الزام درست ہے — اور پھر ہم اس ملک کے ننانوے فیصد عوام باغی ہیں اور ایسی عوام دشمن حکومت کے خلاف بغاوت کرنا ہی درحقیقت حُب الوطنی ہے — سامراج کی گماشتہ اور عوام دشمن وغیر جمہوری حکومت کو الٹنے اور اس کی جگہ محب وطن عوامی حکومت قائم کرنے کی جدوجہد ہمارا مقصدِ حیات ہے۔ ہم اس بغاوت کے مرتکب ضرور ہوئے ہیں اور آئندہ بھی یہ جرم کرتے رہیں گے۔

اس ملک کے تمام جمہوریت پسند عناصر موجودہ غاصب فوجی حکومت کو الٹنا چاہتے ہیں اور سارے عوام طبقاتی منافرت ختم کرنا، مختلف فرقوں، مذہب

اور قوموں کے درمیان نفرت کے تمام اسباب کو ختم کرنا اور مسلح افواج کو اپنی غیر یلیتیہ ورانہ عوام دشمن سرگرمیوں سے آزاد کر کے یوں انہیں اپنے ہی عوام کے خلاف صف آرائی سے ہٹا کر مزید بدنامی اور رسوائی سے بچانا چاہتے ہیں۔ اس طرح سے ہمارے خلاف عائد کی گئی فردِ جرم محض ہمارے خلاف نہیں بلکہ درحقیقت تمام محبِ وطن عوام کے خلاف ہے۔

آپ کی حکومت کی جانب سے عوام کے خلاف عائد کردہ اس فردِ جرم کا فیصلہ آپ کی اس بند کمرے کی مارشل لاء کورٹ میں نہیں بلکہ ہماری دھرتی کی شاہراہوں پر ہوگا ــــ ہمارے عوام کی عدالت میں ہوگا ــــ آپ کی حکومت کو ہتھیاروں پر یقین ہے۔ جب کہ ہمیں عوام پر اعتماد ہے ــ

ایران کے سامراج دشمن انقلاب کو یاد رکھو ــ عوام ناقابلِ تسخیر ہوتے ہیں ــــ آپ کی حکومت امریکی سامراج کی ایجنٹ ہے ــ اور یوں عوام کی غدار ہے۔ ہم عظیم محب وطن ہیں۔ کیونکہ ہم غریب ، مظلوم اور محنت کش عوام کے نمائندے ہیں ہم تاریخ کے ہر دور میں مزدوروں اور کسانوں، طلباء اور صحافیوں، اساتذہ اور وکلاء دانشوروں اور خواتین کے حقوق کے لئے لڑتے رہے ہیں اور لڑتے رہیں گے۔ سامراجی ایجنٹوں اور ہمارے درمیان عوام کی فتح تک جنگ جاری رہے گی۔ فتح بالآخر عوام ہی کی ہوگی ــ جب کہ شکست ان غداروں کا مقدر بن چکی ہے ــــ سامراجی ایجنٹوں، عوام کے غداروں، موجودہ حکمرانوں کو آخر کار ایک نہ ایک دن تاریخ کے کباڑ خانے میں دفن ہونا ہی پڑے گا۔



شبیر شر

خصوصی فوجی عدالت کراچی کے سامنے

شبّیر شر

نام :- شبیر شر

ولد :- عبدالرزاق

جائے پیدائش : آبائی گاؤں سگھو فقیر تحصیل ٹھری میرواہ ضلع خیرپور۔

تعلیم :- ابتدائی تعلیم گاؤں سے حاصل کی انٹر جیل میں قید کے دوران کیا۔

مختصر حالات زندگی :-

شبیر شر نے ابتدائی تعلیم گاؤں سے حاصل کی پھر سیاست میں حصہ لیا اور گرفتار ہوگئے۔ قید میں انٹر پاس کیا۔ ٹی وی آرٹسٹ ہیں۔

سنہ ۱۹۸۰ء میں گرفتار ہوئے۔ غداری اور ملک دشمنی کا الزام لگایا گیا۔ اور سنہ ۸۳ء میں پانچ سال کی سزا دی گئی۔ تا حال جیل میں ہیں۔

شبّیر شر

جناب صدر اور اراکین عدالت

یہ ۲۹ جولائی ۱۹۸۰ء کا دن تھا جب میں نے اپنے آپ کو پہلی بار اتنا اہم سمجھا اتنا اہم کہ میں خود حیران رہ گیا تھا۔ اس قدر شاندار استقبال کسی عام آدمی کا نہیں ہو ہوسکتا تھا۔ کامریڈ جام ساقی سچ کہتا ہے کہ ہم اتنے ہی اہم ہیں جتنا حکومت ہمیں سمجھتی ہے۔

مجھے یہ تو پتہ نہیں کہ گرفتاریوں اور آزادیوں کا آپس میں کتنا گہرا رشتہ ہے لیکن ۲۰ جولائی کیوبا کا یوم آزادی ہے اور میں ۲۹ جولائی کو گرفتار کیا گیا۔ وہاں کیوبا کے عوام ابھی آزادی کا جشن مناکر اپنی تھکن دور نہیں کر پائے ہوں گے کہ یہاں مجھے گرفتار کر لیا گیا۔ وہ واقعی خوش تدبیر ہیں لیکن میں سوچتا رہا کہ بہرحال دو ملکوں میں کتنا بڑا تضاد ہے ایک جگہ سرخ پرچم بلندی پر اور آزاد فضاؤں میں لہرا رہے تھے اور دوسری طرف "سرخ پرچم" کو گرفتار کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اور مجھ پر اسے لہرانے کی فرد جرم عائد کر کے مجھے قید کر لیا گیا ہے۔ پس جناب ایک بہت اہم قیدی ہوں اس لئے نہیں کہ میرا نام کیا ہے اور نہ اس لئے کہ میں ملک کے کس حصے میں پلا بڑھا۔ بلکہ اس لئے کہ بین الاقوامی فکر کا حامل سرخ پرچم میری پہچان کا معیار مقرر ہوا ہے اور شاید اس لئے بھی کہ کہیں میری آزادی ملک کو بھی آزاد نہ کرالے۔ میں آپ کو ایک راز کی بات بتانا چاہتا ہوں

مجھے کوئی ایسی خوش فہمی نہیں تھی کہ میں اکیلے وہ سب کچھ کر جاؤں گا لیکن اگر حکومت اس طرح سمجھتی تھی تو پھر ٹھیک ہی سمجھتی ہو گی۔

شاید میں ملک کا اہم ترین آدمی ہوں۔ یا کسی اہم ترین کارواں کے ساتھ سفر کر رہا ہوں یا کوئی اہم سوچ مجھ پر اپنے رنگ کے عکس چھوڑ گئی ہو گی۔ یا پھر رنگوں کا بادشاہ سرخ رنگ، اپنا عکس ڈال گیا ہو گا بہر حال میری اہمیت کا کوئی تو سبب ضرور ہو گا۔

بھلا اتنے بڑے بڑے سرکاری دماغ بھولے تو نہیں ہوں گے!

جب مجھ پر گوریلا کارروائی ہوئی تب حکومت نے دیکھا کہ میں نے پھٹے کپڑے پہنے ہوئے تھے، پسینے میں شرابور تھا اور تلاشی کے بعد میرے پاس سے صرف ساڑھے تین سو روپے برآمد ہوئے تھے پھر بھی وہ مجھ سے خوف زدہ تھے۔ یہ بہر حال ایک اچھی علامت ہے کہ حکومت مفلس آدمی سے ڈرنے لگی ہے۔ لیکن شاید وہ اس حقیقت سے آگاہ نہیں تھے کہ میں ایک دولت مند یا شاید ملک کے چند امیر ترین لوگوں میں سے ایک ہوں۔ میں کسی غیر ملکی امداد کی بات نہیں کر رہا، میں اس دولت کا ذکر کر رہا ہوں جو میرے پاس میرے دل کی صورت میں موجود ہے، میرا دل جو ساری دنیا کے غریبوں کیلئے دھڑکتا ہے۔ میرا دل وہ تجوری ہے جو دنیا کے سارے احساسات کو اپنے اندر سمو سکتی ہے آپ کو شاید معلوم نہ ہو کہ جب کسی کا دل دنیا کے تمام محنت کشوں کے ساتھ ایک ہی سُر اور تال میں دھڑکنے لگتا ہے تو اس وقت خوف مر جاتا ہے اور بڑی بڑی عوام دشمن تو میں اس طرح تھر تھر کانپنے لگتی ہیں جیسے آج کی حکومت مجھ سے اور میرے ساتھیوں سے کانپ رہی ہے۔

تو جناب! میں آج کا اہم ترین شخص ہوں۔

مجھے یاد ہے کہ ملٹری آفیسر نے مجھے بازو سے پکڑتے ہوئے کہا تھا "بہت خوب" ایسا ہی جملہ ہم کرکٹ کے میدان میں چھکے لگتے وقت سنتے ہیں، یوں لگ رہا تھا

جیسے اس نے کشمیر کا کوئی مورچہ سر کر لیا ہو۔ جہاں تک میرا خیال ہے، اس موقع پر اس کو شرمندہ ہونا چاہیئے تھا، آخر اس نے کسی جنرل اروڑا یا مانک شا کو تو نہیں پکڑا تھا مجھے پکڑنا کونسی فخر کی بات تھی؟ ایک تو میں عام شہریوں کی طرح پر امن اور خالی ہاتھ تھا دوسرا میں سماج کا کوئی ناسور نہیں بلکہ ایک سماج سدھارک تھا۔ میرے خیال میں سماج کی اصلاح کرنے والوں کو اس طرح باندھنا اور انہیں جانوروں کی طرح گرم سلاخوں سے داغنا سماج کے ناسوروں ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ لیکن شاید اس سارے چکر میں ان کا قصور نہیں۔ وہ اپنے پرانے غصے عوام پر نکالنا چاہتے ہیں اور اپنی جنگی قیدی بننے والی خفت مٹانے کیلئے پاکستانی عوام کو پکڑ کر اور انہیں جنگی قیدی سمجھ کر اپنا دل خوش کر رہے ہیں۔

لیکن جناب! اگر ایک لاکھ فوجی ہتھیاروں سے مسلح ہونے کے باوجود ہتھیار ڈال کر آتے ہیں تو اس میں شبیر شر کا کیا قصور ہے؟

جناب! پھر اس نے اپنے ماتحت کی پیٹھ پر تھپکی دیتے ہوئے کہا "تم بڑے ذہین ہو!" میرے خیال میں وہ مڈل پاس بھی نہیں ہوگا لیکن اگر ہوگا بھی تو جناب! ذہین آدمی کی آنکھیں تو علم کی روشنی میں ہمیشہ آگے کی راہوں کو تلاش کرتی ہیں اور آگے بڑھنے والوں کو مزید آگے بڑھنے میں مدد دیتی ہیں۔ وہ تو روکنے والا ... ے تھا۔ ایسے آدمی کو دل پڑھا لکھا جاہل کہنے پر بھی آمادہ نہیں ہوتا۔ پھر بھی میں ان کا احسان مند ہوں کہ انہوں نے مجھے بتایا کہ میں بہت اہم آدمی ہوں۔

پھر اس نے مجھے کہا "ڈرامہ ختم ہو گیا" اس کا اشارہ شاید عوام کی تحریک کی جانب تھا۔ لیکن جناب! ڈرامے اور کہانی کے پلاٹوں اور ٹیکنیک کے بارے میں، میں ان سے زیادہ معلومات رکھتا ہوں، اس لئے کہ یہ فنکاروں اور اداکاروں کا کام ہے۔ اس کا ڈرامہ ختم ہو گیا ہوگا لیکن شیکسپیئر کی بے عزتی کرنے کا حق میں اس کو نہیں دے سکتا تھا

جس نے کہا تھا کہ "ساری دنیا ایک اسٹیج ہے جہاں ہر فرد اپنا اپنا کردار ادا کر کے چلا جاتا ہے" تو جناب! میں نے اس کو بتایا کہ "ڈرامہ ختم نہیں ہوا" لیکن اس ذہن آدمی نے اعتبار ہی نہیں کیا۔ پھر اس نے مجھے ایک عجیب خبر سنائی، اس نے مجھے بتایا کہ میں بہت دنوں سے روپوشش تھا۔ اس کی یہ بات میری سمجھ میں بالکل نہیں آئی میں بہت دیر تک سوچتا رہا کہ اگر مجھے روپوش ہونا ہوتا تو میرے وطن کا کوئی بھی گھر مجھے موت کے فرشتے سے بھی چھپا لیتا۔ آخر میں اتنا بیکار آدمی تو نہیں تھا یا میں ملک پر اچانک قبضہ کرنے والا مارشل لاء کا کوئی گینگ لیڈر تھا جو آدمیوں سے چھپتا پھر رہا ہوتا۔ میں نے اس افسر کو بتایا تھا "آپ بہت دیر سے آئے ہیں طبقاتی شعور پھیل چکا ہے اور اس کی ایک ادنیٰ سی مثال میں خود ہوں" وہ اس پر بھی ضد کرتا رہا کہ میں ہی ملک کی اعلیٰ ترین مثال ہوں۔ بہر حال خوشی کی بات ہے کہ اس کو طبقاتی شعور کی اہمیت کے بارے میں کچھ معلومات تھیں اگرچہ کم ہی سہی۔ شاید یہی سبب تھا کہ اس نے مجھے بتایا کہ میں ملک کا اہم ترین آدمی ہوں۔

میں نے اس کو یہ بھی بتایا تھا کہ مجھے پہلے سے ہی خبر تھی کہ وہ آئیں گے۔ میں نے کہا تھا "تھا جس کا انتظار وہ شاہکار آگیا" اس نے حیران ہو کر پوچھا تھا "کیسے"؟ شاید اس نے سمجھا کہ مجھے سرکاری رازوں کی خبر ہو چکی ہے۔ اس نے حیران ہو کر پوچھا تھا کہ اس کے باوجود ہم اُن کا انتظار کیوں کر رہے تھے۔ سچ یہ ہے کہ اس وقت مجھے اپنی ہنسی روکنی مشکل ہو گئی تھی۔ میں نے ہنسی روک کر اُسے بتایا "محترم! ہر قصے میں جادوگر، چڑیل اور کانا دیو تو ہوتے ہی ہیں" اس پر اس نے کہا تھا کہ وہ میرا دماغ درست کر دیگا، میرا جواب تھا "میں نہ صرف سرخ سوچ کا پرچارک ہوں بلکہ اگر موقع ملا تو آئندہ بھی بنا رہوں گا"، لیکن وہ بگڑ گیا غصے کے مارے اس کے منہ سے جھاگ بہنے لگا، لفظوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا پھر بھی اُس نے کہا "تم بڑے خطرناک آدمی ہو" میں صرف اتنا ہی کہہ سکا۔

"شاید تمہاری نظر میں ہر شریف آدمی خطرناک ہوتا ہے۔" پھر میری آنکھوں پر کالی پٹیاں باندھ دی گئیں اور میں نے شکر ادا کیا کہ اب میں شیطان کا چہرہ نہیں دیکھوں گا۔ لانڈھی جیل میں قیدی بچے خطرناک قیدی کیلئے۔ "ڈانڈرس" قیدی کا محاورہ استعمال کرتے ہیں۔ ان کے معصوم ذہنوں میں وہ لوگ ڈانڈرس ہوتے ہیں جن کی قامت پہلوانوں جیسی ہو، بڑی بڑی اور تاؤ دی ہوئی مونچھیں ہوں اور وہ کم سے کم دس پندرہ خون کرچکا ہو جب وہ اپنی زندگیاں "خطرے" میں ڈال کر ڈرتے ڈرتے مجھے دیکھنے آئے تو بڑے مایوس بھی ہوئے اور حیران بھی، کیونکہ میں نے نہ خون کئے تھے اور نہ بھولو پہلوان جتنا وزن رکھتا تھا اور نہ ہی میں نے اپنی مونچھوں پر تاؤ دے رکھا تھا۔ نہ ہی میری آواز میں شیروں جیسی گرج تھی۔ نہ میں نے اُن سے چرس مانگی اور نہ ہی کٹر۔ لیکن وہ یقین کرنے پر مجبور ہیں کہ میں بڑا ڈانڈارس قیدی ہوں۔ کیونکہ جیل انتظامیہ یوں کہہ کر اُن کو ہم سے دور رکھ رہی ہے۔ حکومت ہمیشہ حقائق کو عوام سے چھپا کر جھوٹ بولتی ہے اور اپنی رائے مسلط کرتی آئی ہے۔ بچے تو معصوم ہیں لیکن اس ملک کے عوام کو بھی یہی بتایا جاتا ہے کہ سیاسی لوگ ملک دشمن اور نہایت ڈانڈارس ہیں تو جناب! میں بڑا ڈانڈرس قیدی ہوں۔ پاکستان کے قانون کے مطابق خون کے مجرم کی دو سال کے اندر ضمانت ہو جاتی ہے، لیکن سیاسی مقدمے کے قیدیوں کیلئے یہ بات نہ ہونے والی ہے تو جناب! ایک طرف تو سیاسی قیدیوں کو سب ڈانڈارس سمجھتے ہیں دوسری طرف سرکاری حکمناموں میں آتا ہے کہ ان پر سختی کا مطلب ہے سات مہینے کال کوٹھڑی اس کو کہتے ہیں "بیٹا باپ سے بھی گورا" سندھی کہاوت ہے کہ "اونٹنی مارے دس تو اس کا بچہ مارے تیرہ" کا مورا شاہی کے چھتیس سال بہترین کارکردگی کی بہترین مثال" ہمارے ملک میں اور بھی بڑی عجیب باتیں ہوتی ہیں۔ (ویسے تو ہر بات عجیب ہے) مثلاً جب امریکہ سے ہماری حکومت کی یاری کڑھائی پر جلیبی کی طرح پکتی ہے تو ہمارے جنرلوں کیلئے امریکہ سے ہتھیار آتے ہیں اور پھر شیر شاہ کے لشکر مسکین آدمیوں کے سینے زمین تنگ کر دیتے ہیں۔ میں نے ایک کتاب میں پڑھا تھا کہ جب امریکی بیڑہ کراچی کے سمندر پر

پہنچتا ہے تو عوام کے اہم نمائندوں کو گرفتار کرکے اُن کو اذیتیں دی جاتی ہیں۔ ۱۹۵۲ء میں بھی یوں ہی ہوا تھا، امریکی بیڑہ پہنچنے کی شرط کے طور پر کامریڈ حیدر بخش جتوئی، سوبھو گیانچندانی، امام علی نازش اور پروفیسر جمال نقوی اور دوسرے رہنماؤں کو گرفتار کیا گیا تھا۔ تو جب جولائی ۱۹۸۳ء میں امریکی ساتواں بیڑہ کراچی کے سمندر میں پہنچا تو مجھے بڑی تشویش ہوئی کہ دیکھیں اب کونسے مجاہد پکڑے جاتے ہیں! کیا دیکھتا ہوں کہ میں خود ہی حراست میں ہوں۔ وہی جولائی کا مہینہ اور اور وہی سرخ پرچم کے خلاف کارروائی! واقعی میں بڑا ڈانڈرس ہوں۔

جناب! شبیر نام کے کتنے ہی نوجوان ملک میں ہوں گے۔ ریڈیو اور ٹی وی کے فنکاروں کی ملک میں کمی نہیں ہے، لیکن پھر بھی مکنی ہاتھ نے گرفتاری کے پھولوں کا ہار بھی میری گردن میں ڈالا ہے۔ تو میں جو اس وقت تک بوکھلایا ہوا تھا، سمجھتا ہوں کہ اتنی بڑی اہمیت کا سبب یہی ہے کہ میں بھی اُس قافلے کا مسافر ہوں جس میں ساری دنیا کے مظلوم لوگ ہر جگہ شامل ہو رہے ہیں۔ کامریڈ کاسترو بھی اس قافلے کے رہنماؤں میں سے ایک ہیں۔ ہمارے دیہات میں کچھ بوڑھے پیار سے اُسے کامریڈ بلوچ کہہ کر بلاتے ہیں۔ ہمارے فوجی جنرلوں کی آقا امریکی حکومت بھی کامریڈ "بلوچ" سے ڈر کر اُس کو دنیا کا ڈانڈرس ترین آدمی کہتی ہے۔ اس بدصورت حال میں حکومت کو مجھ جیسے لوگ نہایت ہی ڈانڈرس لگتے ہیں۔ جب مجھے گرفتار کرتے وقت اتنے ہتھیار بند سپاہی اور فوجی کمانڈوز تھے کہ یہ بڑی فوجی کارروائی لگ رہی تھی ہماری فوج کو گھروں پر حملہ کرنے کیلئے خاص ٹریننگ ملی ہوئی ہے۔ اس لئے وہ ہمیشہ "آپریشن فیئرپلے" کرتے ہیں۔ پھر ایک دوسرے کو شاباش دے کر مٹھائیاں بانٹتے ہیں۔ مجھے دیر کورٹ میں پتا چلا کہ میرے اُوپر فوج کے خلاف نفرت پھیلانے کا الزام ہے۔

جناب! اگر میری گرفتاری سے شہروں میں فوجیوں کے خلاف محبت کے پھول کھلنے کے بجائے نفرت کی چنگاریاں بھڑک پڑی ہیں تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟ میرے خیال میں یہ مقدمہ ان پر چلنا چاہیئے جنہوں نے مجھے شہریوں کی مرضی کے خلاف گرفتار کرکے فوجی

سپاہیوں کے خلاف نفرت پھیلانے کی کوشش کی ہے۔ آخر شہریوں کی بھی کوئی رائے ہے حکومت کو اُس کی قدر کرنی چاہیئے۔

جناب! پھر فوجی پھادنیاں تھیں، بند اندھیری کھولیاں اور میرا جسم ہاتھوں اور پیروں سمیت زنجیروں سے بندھا ہوا۔ کبھی الٹا لٹکاتے تھے کبھی سیدھا اور کبھی مارتے پیٹتے تھے نہ سگریٹ نہ پانی اور روٹی اُس وقت تک نہیں ملتی تھی۔ جب تک ڈاکٹر چیک نہ کرلے چاہے دن کی جگہ رات ہوجائے۔ اُنہوں نے میرا بہت اچھا "خیر مقدم" کیا۔ میں اُن کے احسانات کبھی نہیں بھلاؤں گا۔ انہوں نے اپنی اسلام پسندی کا اظہار بے جگری سے تشدد کرکے کیا، سپاہیوں کو صرف مار پیٹ کی اجازت تھی بولنے کی نہیں اس لیئے کہ کہیں وہ بھی مجھ سے نہ مل جائیں بات یہاں ختم نہیں ہوئی مجھے حیرت اُس وقت ہوئی جب میں نے دیکھا کہ ہر دو گھنٹے کے بعد اُن کی ڈیوٹی تبدیل ہو جاتی۔ جناب! حضرت عیسٰی کو فقط صرف تین دن صلیب پر لٹکایا گیا تھا لیکن میں اور میرے ساتھی پورے آٹھ مہینے تک بے انتہا جسمانی اور ذہنی اذیتوں کی صلیب پر لٹکے ہوئے تھے، ہوسکتا ہے کہ اُس کا دو میں سے کوئی ایک سبب ہو یا تو ہم حضرت عیسٰی سے بھی اہم آدمی ہیں یا اُس سے بہت زیادہ (اُوپر والے حساب کے مطابق اسی گنا زیادہ) ڈانڈرس انسان ہیں یا ہمارے دشمن اسی گنا زیادہ کمینے ہیں۔

میں اپنے اور اپنے ساتھیوں پر ہونے والے تشدد کی تفصیل دہرانا نہیں چاہتا کہ آپ کا جی متلا جائے، مجھے ڈر ہے کہ آپ وحشت میں کہیں متلی نہ کرنے لگیں، میں آپ کے سامنے صرف ایک بات دہرانا چاہتا ہوں کہ وہ ۸ راگست ۱۹۸۰ء کی ایک صبح تھی جب کامریڈ نذیر عباسی شہید کو بھیڑیوں کے گھیرے سے نکالا گیا زنجیر بکف جوان رعنا کی آنکھوں پر سیاہ پٹی باندھ دی گئی، اُس کا پروقار وجود زنجیروں سے چھن کر نہ جانے کہاں چلا گیا۔

جناب! پھر مجھے بتایا گیا کہ اُس سے محنت کشوں کیلئے جینے کے جرم میں انتقام لیا گیا ہے۔ پھر پتہ چلا کہ جب اُس کا بے جان جسم دفن کیا گیا اُس وقت اس کے جسم پر کاٹنے کے

نشانات تھے اور سینے میں دل نہیں تھا۔ ان بھیڑیوں نے کامریڈ نشہید کا دل نکال لیا تھا اور اُسے اپنے وحشی دانتوں میں بھنبھوڑا تھا! آپ کو پتہ نہیں ان کمینوں نے اُس گلاب جیسے دل کو لوہے کے پنجوں سے اور دانتوں سے کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کیا ہے جس میں محبت کا سورج جلتا تھا، ہمت کے پہاڑ ایستادہ تھے، جوش کے بے انت طوفان اٹھتے تھے، یہ دل کروڑوں انسانوں کے لئے دھڑکتا تھا۔ اور ان گنت دل اس کے ساتھ ساتھ دھڑکتے تھے اتنا پیارا انسان! اور اس پر تہمت لگائی گئی کہ "وہ ملک کا خوفناک ترین آدمی تھا"

شرم! شرم!۔

جناب! موت سے لے کر بار بار موت اور ہر گھڑی، ہر پل چلا، چلا کر موت کی دھمکیاں یا اُن سے بچنے کیلئے ساتھیوں سے غداری! میرے لئے یہی دو راستے چھوڑے گئے۔ لیکن میں نے خودکشی کی بجائے شہادت کا راستہ سوچا۔ شاید اسی وقت کے لئے شاعروں کے سرتاج شاہ عبداللطیف بھٹائی نے کہا ہے۔

دوسرے قیدی آرام سے ہیں لیکن ہم قید میں بھی چپ نہیں ہیں ہمارے جسم پر اپنے لوگوں سے وعدے کی تولر لٹک رہی ہے ـــــ (بھٹائی)

مجھے زندہ موت کی دعوت دینے کیلئے اسلام آباد اور لاہور سے لے کر سارے ملک کے بدترین دماغ میرے پاس ٹھہرے ہوئے تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ میرے پاس کوئی بہت اہم اطلاعات ہیں جو اُنہوں نے معلوم کرنا چاہیں۔ لیکن جناب! میرے پاس تو کچھ تھا ہی نہیں۔ لیکن سوچنے کی بات یہ ہے اگر میرے پاس ایسی کوئی خاص اطلاعات ہوتیں بھی تو بھی میں اُنہیں کیسے دے دیتا؟ میرے خیال میں ایک تو وہ پاکستان میں امریکی جاسوس تھے اور دوسرے جناب! میں بڑا ڈانڈرس آدمی ہوں کوئی لیموں نہیں جس سے رس نچوڑ لیا جاتا جناب! اخباروں میں جب کوئی خبر چھپتی ہے تو اسے اہمیت کے مطابق جگہ ملتی ہے۔ لیکن ہمارے ملک پر امریکی ڈالروں سے گوشت پر پلتے ہوئے آدم خور بھیڑیوں کا راج ہے۔ انہوں نے شہریوں کو بے حساب مسئلوں کے جال میں لپیٹ لیا ہے یا پنجروں میں قید کر لیا ہے اور ہر دفعہ ان

کی شہہ رگ کاٹ کر، خون پی کر پھر خون پینے کیلئے دوبارہ "ٹانکے لگا دیتے ہیں۔ میرا اشارہ ملک میں بار بار مارشل لاء لگانے کی طرف ہے۔ پتہ نہیں کیوں آج مجھے سائنس فکشن پر مبنی فلم "بندروں کا سیارہ" یاد آرہی ہے۔ جس میں انسان کو "حیوان" سمجھا جاتا ہے اور بندر کو اشرف المخلوقات۔ لیکن ہمارا ملک تو جیسے بھیڑیوں کا سیارہ ہو کر رہ گیا ہے۔ لیکن اس سے زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ ان بھیڑیوں کا خیال ہے کہ میں اُن سے بھی زیادہ ڈانڈرس جانور ہوں۔

مجھے سمری آف ایویڈنس کیلئے ایک فوجی افسر کے سامنے آٹھ ماہ تک دن رات مسلسل چوبیس گھنٹے کھولی میں بند رکھنے کے بعد لایا گیا تھا اور اس دوران وکیل تو دور کی بات ہے مجھے اپنے رشتہ داروں تک سے ملنے نہیں دیا گیا۔ میرا خیال تھا کہ مجھے ان حق تلفیوں کے خلاف سول کورٹ میں فریاد داخل کرنے کا موقعہ ملے گا اور اگر وہ موقع نہ ملا تو دفاع کا موقع ضرور ملے گا۔ لیکن جناب! یہاں بھی فوجی کارروائی ہوئی، وہ بھی جیل کے لک اپ میں، ایک بند کمرے میں، بغیر وکیل کے اور کارروائی نوٹ کرنے کی اجازت کے بغیر۔ کمال یہ ہے کہ مدعی بھی فوجی پکڑنے والے بھی فوجی، تشدد اور تفتیش کرنے والے بھی فوجی اور مقدمہ چلانے والے بھی وہی ٹوپیوں والے وہ صرف ایک غلطی کر گئے کہ جوابدہی کے معاملے میں ان سے ناانصافی ہو گئی۔ اس کو کہتے ہیں کہ کرے کوئی بھرے کوئی ایسے شاندار انصاف کی مثال دنیا میں کہیں اور شاید ہی مل سکے۔ بیچاری ہائی کورٹ آنکھیں پھاڑ کر دیکھتی رہ گئی اور بیچارے جسٹس نگرگوٹے بیجر کے سامنے بالکل بے بس یتیم ہو کر رہ گئے۔ خوف کے مارے وہ کچھ پوچھ بھی نہ سکے۔

لیکن جناب! ایف ۱۶ اور ایٹمی ہتھیاروں سے لیس یہ حکومت۔ اگر خائف ہوئی ہے تو بس میرے جیسے ایک بیروزگار، بے اختیار شخص سے۔ اور کیوں نہ ہوتی آخر میں بھی تو بہت ڈانڈرس آدمی ہوں۔ پہلے تو مجھے یقین نہیں آرہا تھا کہ میں کتنا ڈانڈرس ہوں۔ پھر میں نے ڈانڈرس کامریڈ جام ساقی کو کیس میں داخل ہوتے دیکھا۔ وہ بھی تشدد برداشت کر کر کے ڈانڈرس ہو گیا ہے اور پھر دوسرے ساتھیوں کو دیکھا اُسی راستے سے سفر کر کے آنے والے اور ڈانڈرس بنتے ہوئے لوگوں کو۔ اور اب مجھے تو یہ مقدمہ ڈانڈرس قیدیوں کا تاریخی مقدمہ لگ رہا ہے۔

کورٹ کے صدر اور اراکین!

ایک ڈرامائی آدمی کو قید میں ڈالے رکھنے کے بعد سرکاری سطح پر جو دوسری سازشیں کی گئیں اُن میں سے ایک سازش ہمیں جلا وطن کرنے کی بھی تھی۔ مارچ ۱۹۸۱ء میں ایک منصوبہ بنایا گیا کہ کسی طرح مجھے اور میرے ساتھیوں کو زبردستی ہاتھ پاؤں باندھ کر ہائی جیکروں کے مطالبے کے بہانے ملک سے باہر نکال دیا جائے۔ میرے اور میرے ساتھیوں کے صاف انکار پر حکومت کے اہلکاروں نے زبردستی ہمارے ہاتھ پاؤں باندھ کر اور ہمیں اوندھا کر کے تصویریں بنائیں۔ ہماری بھرپور مزاحمت، ان کا کیمرہ توڑ ڈالا تھا، ظاہر ہے کہ قید خانے میں ہم اس سے زیادہ کیا کر سکتے تھے، ویسے بھی ہم ذہنی جنگ لڑنے کے حامی ہیں، لیکن اگر دوسرے جھگڑا کرنا چاہتے ہوں تو پھر دو ہاتھ ہر ایک کے پاس ہوتے ہیں۔ پھر مجھے پتہ چلا کہ بی، بی، سی سے بھی بہت کچھ نشر کیا جاتا تھا کہ کمیونسٹوں نے جیل میں پھڈا ڈالا ہے۔ پھر ہماری ڈرپوک حکومت نے ہم سے تحریری طور پر پوچھا تھا کہ کیا ہم کابل یا دمشق جانے کیلئے تیار ہیں؟ تب جناب! ہم نے انہیں جواب دیا کہ پہلے تو ہمیں جیل سے رہا کر دو اور پھر بات کرو۔ دوسرے محب وطن پاکستانیوں کو زبردستی جلا وطن کرنے کی بجائے کچھ فوجی جنرلوں کو گرفتار کر کے اور باندھ کر باہر بھیج دو۔ تاکہ سب لوگوں کی جان چھوٹے لیکن حکومت نے دونوں مطالبے نہیں مانے، خاص طور پر دوسرا، جناب! وہ کچھ جنرلوں کے مفاد میں ساری قوم کو جلا وطن کر سکتے ہیں لیکن کچھ گندی مچھلیوں (جنرلوں) کو قوم اور ملک کی بقا کیلئے جلا وطن اور قربان نہیں کر سکتے۔ جناب! یہ بھی جہاز کے پاکستانی مسافروں کی خوش قسمتی تھی کہ جہاز میں تین امریکی اسمگلر موجود تھے۔ اگر وہ نہ ہوتے تو حکومت پاکستان جہاز کے تمام مسافروں کو بھی مروانے کیلئے بڑی خوشی سے تیار تھی۔ وہ صرف یہ اعلان کرتی کہ ملک کے وقار کیلئے ضروری ہے کہ ڈیڑھ سو مسافر تو کیا، ملک کے آٹھ کروڑ انسان بھی ایک دھماکے سے اڑائے جا سکتے ہیں۔ لیکن حکومت کی اس بدنصیبی کو کیا کہیے کہ آقاؤں کے تین افراد بھی اس جال میں پھنس گئے تھے۔ ایک طرف وہ ہائی جیکروں کے مطالبے کی آڑ میں ہمیں جلا وطن کرنے کے درپے تھے تو دوسری طرف جب میں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ لبنان میں فلسطینی

بھائیوں کی عملی جدوجہد میں شرکت کیلئے بیروت نہ بھیجے جانے کا مطالبہ کیا تو حکومت نے یہ کہہ کر ہمارا مطالبہ رد کیا کہ ایسا ممکن نہیں ہے۔

جناب! ہم نے زندہ بچ کر آجانے کی صورت میں واپس آکر مقدمہ لڑنے کا وعدہ کیا تھا اس سے زیادہ بہتر ضمانت کوئی نہیں ہو سکتی تھی، لیکن حکومت کا وہی انکار قائم رہا۔ حکومت خود اپنی جوابدہی کیلئے تیار نہیں تو اُسے دوسرے پر کیسے یقین آسکتا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ اگر میں اسرائیل کی طرف سے لڑنے کی پیشکش کر دیتا تو حکومت نہ صرف مجھے وہاں بھیجتی بلکہ مقدمہ بھی ختم کر دیتی۔ فلسطین سے جنرل ضیا کو پرانا بغض ہے اور فلسطینی سرزمین پر ضیا کی چلائی ہوئی گولیوں کے نشان اب بھی اُن فلسطینیوں کے جسموں پر تازہ ہیں جو ستمبر ۱۹۷۰ء والے اُس کے آپریشن فیئر میں زندہ بچے تھے۔ میں جانتا ہوں کہ نہ صرف جنرل ضیا بلکہ اُس کے رفقا کار بھی فلسطین کی فتح نہیں چاہتے اور شاید اسی لئے وہ پاکستان سے فوج اور رضا کار بھیجنے کیلئے تیار نہیں ہو رہے تھے اور پھر مجھ جیسے آدمی؟ نہیں! نہیں!

جناب میں بڑا ڈانڈرس آدمی ہوں اور اسرائیلی آقاؤں کے خلاف بہت خطرناک ثابت ہوتا میں حکومت کا شکر گزار بھی ہوں کہ اُس نے ہمیں مختلف حالتوں اور تجربوں سے گذار کر اپنے آپ کو پرکھنے کا موقع دیا۔ جب ہمیں پہلی مرتبہ لانڈھی جیل سے سینٹرل جیل منتقل کیا گیا تب مجھے بہت حیرت انگیز اور خوشگوار احساس ہوا۔ میں نے دیکھا کہ دوسرے سیاسی کارکن ہمیں خود سے بہتر کارکن سمجھتے ہیں۔ اُنہوں نے ہماری سیاست اور حکومت کے تشدد کو برداشت کرنے والے امتحان کو قدر اور رشک کی نگاہوں سے دیکھا ہے۔ حکومت نے مجھے ہی آئینہ بنا کر دوسرے سیاسی کارکنوں کو اپنا عکس دکھایا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اپنا عکس دیکھ کر اپنے آپ کو زیادہ بہتر بنانے کی کوشش کریں گے، مجھے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ہم کسی نہ سر کئے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھنے والے پہلے فرد جیسے ہیں، جو پہاڑوں کی خالی جگہوں اور سوراخوں میں کیلیں گاڑتا ہے اور کمند ڈال کر پیر جمانے کی جگہ بناتا، پیچھے آنے والوں کیلئے راستہ بناتا جاتا ہے۔ ہم نے بڑی ڈانڈرس چوٹی سر کرنے

کا فیصلہ کیا ہے۔ کیونکہ آدم خوروں کو نابود کرنے کا یہی راستہ ہے۔

جناب صدر اور کورٹ کے ممبر صاحبان!

پھر حکومت نے دیکھا کہ سینٹرل جیل کراچی کے دوسرے سیاسی کارکن پہاڑ کی چوٹی سر کرنے کیلئے ہمارے بنائے ہوئے راستے اختیار کرنے کیلئے بے چین ہوگئے۔ تب ہمیں سینٹرل جیل کراچی بدر کرکے دوبارہ لانڈھی جیل بھیجا گیا۔ کیوں؟ آخر جیل میں دوسرے بھی تو بڑے نام والے سیاستدان موجود تھے۔ شاید فقط اس لئے کہ دوسرے سیاسی کارکن اپنے آپ کو بہتر بنانے لگے تھے۔ حکومت نے یقیناً اُن کی سوچوں کو پرکھ لیا ہوگا کہ اُن کا وجود خطرے میں پڑ گیا ہے۔

تو جناب! میں ڈانڈرس پہاڑ کی چوٹی کو سر کرنے والے قافلے کا ڈانڈرس مسافر ہوں۔ پھر کیس شروع ہوا، سرکار نے مجھے مرضی والا بچاؤ کا وکیل نہ دیا۔ اس کے باوجود کہ اُس قانون کے ماہر کا تعلق فوج سے تھا۔ فوجی وکیل پر میں نے اعتبار کیا لیکن سرکار نے نہیں۔ نہ صرف وکیل پر۔ بلکہ مجھے تو سارے فوجی سپاہیوں پر اعتبار ہے۔ کیونکہ وہ بھی مجھ جیسے میرے ہی ملک کے کسانوں، مزدوروں کے چہیتے ہیں۔

لیکن جناب! جنرلوں کو تو امریکہ کے ہتھیار بنانے والے کارخانوں نے تیار کیا ہے میں اُن پر اعتبار ہرگز نہیں کرسکتا، آپ خود ہی دیکھیں! ہمارے کیس کے ایک نوجوان کامریڈ نذیر عباسی شہید کے دو قاتل جنرلوں میں سے ایک جنرل منیا نے تو ہمارے کیس کی تفتیش شروع ہونے سے پہلے ہی ہدایات جاری کردی تھیں کہ ہمیں سخت سزائیں دی جائیں یعنی کورٹ کے بننے سے پہلے ہی سزا تجویز ہوچکی ہے اور دوسرا قاتل جنرل ایس، ایم عباسی نے ہمارے خلاف یہ خصوصی فوجی عدالت بنائی ہے۔ دوسری طرف اُن کے ہی حکم سے پریس پر پابندی لگادی گئی ہے۔ ایک آدھ مرتبہ جب اخبارات میں خبر چھپی تو اخبارات کے ٹیلیفون بجنے لگے۔ شور و ہنگامہ برپا ہوگیا۔ جیسے سرکاری راز فاش کردیئے گئے ہوں۔ ایک مرتبہ اُس ہی عدالت کے باہر فوٹو گرافر پہنچ گیا تو اس کو بھی تفتیش کیلئے

روکا گیا اور پھر لمبے عرصے تک اخبار پر پابندی عائد کر دی گئی۔ آخر سرکار اپنے ہی ہتھیاروں سے اتنا کیوں ڈرتی ہے؟ شاید اس لئے کہ اس نے اس سے پہلے جو بھی ہتھیار عوام کے خلاف اٹھایا ہے اس نے اُن کی ہی جڑیں اُکھاڑی ہیں۔ مثال کے طور پر ڈنگھی بلدیاتی اداروں میں عوام دوست نمائندوں کا جیتنا اور غیر نمائندہ مجلس شوریٰ میں انتخابات کے مطالبے اعلیٰ عدالتوں میں ججوں کی استعفائیں اور اخباروں میں تنقید یہ سب کچھ کوئی اتفاقی حادثات تو نہیں، جناب! یہ سب کچھ عوام کی نفرت، جوش اور شکست نہ کھانے والے رد عمل کا اظہار ہے۔ یہ آخر ہونا ہے کہ وہ اپنے خلاف ہر اُٹھتے ہوئے ہتھیار کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ شاید اسی ڈر سے حکومت راستوں پر گولیوں کے ہتھیاروں سے ہچکچا رہی ہے کہ شاید۔۔۔ خیر مجھے اس کا بھی یقین ہے سرکار یہ غلطی ضرور کرے گی۔ پھر بھلے خود اُن کے ہی تختے نکل جائیں۔ یہ اُن کی مجبوری ہے اور تاریخ کا مقرر کردہ ایک قدم بھی ہے۔

جناب! میں یہ سب کچھ اس لئے نہیں بتا رہا ہوں کہ میں کتنا ڈانڈرس آدمی ہوں لیکن اس لئے کہ حالتیں بہت ڈانڈرس ہو گئی ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ لوگ ہمارے بارے میں خبریں سننے کے پیاسے ہیں وہ کہتے ہیں کہ حکمران نہ صرف آدمیوں کی قوت سے بلکہ اُن کے خیالات سے بھی ڈرے ہوئے ہیں اور وہ ہماری طرف سرخ سلام اس لئے بھیجتے ہیں کہ ہم ساری دنیا کے محنت کشوں کی طرح خود اُن کے بھی ترجمان ہیں تو میں ڈانڈرس ہوں یا نہیں لیکن خود عوام بہت ڈانڈرس ہیں۔ لیکن اگر واقعی میں ڈانڈرس ہوں تو مجھے عوام کی عدالت میں آخری فیصلے کیلئے کیوں نہیں بھیجا جاتا؟ شاید اس لئے کہ ڈانڈرس عوام اپنا اعتماد مجھ پر دکھا چکی ہے۔

کورٹ کے صدر اور ممبر صاحبان!

انہوں نے مجھے اعتماد کا قرب دیکر بڑا مان دیا ہے۔ میں تو ایک معمولی انسان ہوں۔ کچھ زیادہ جانتا بھی نہیں، نہ کوئی اتنی صلاحیتیں ہیں۔ لیکن جن ساتھیوں کے ساتھ ہوں وہ ہی عظیم ہیں۔ اُن کی طرف سے عوام کی طرف سے بھی بے انتہا خلوص اور سچائی کی تسبیح میں

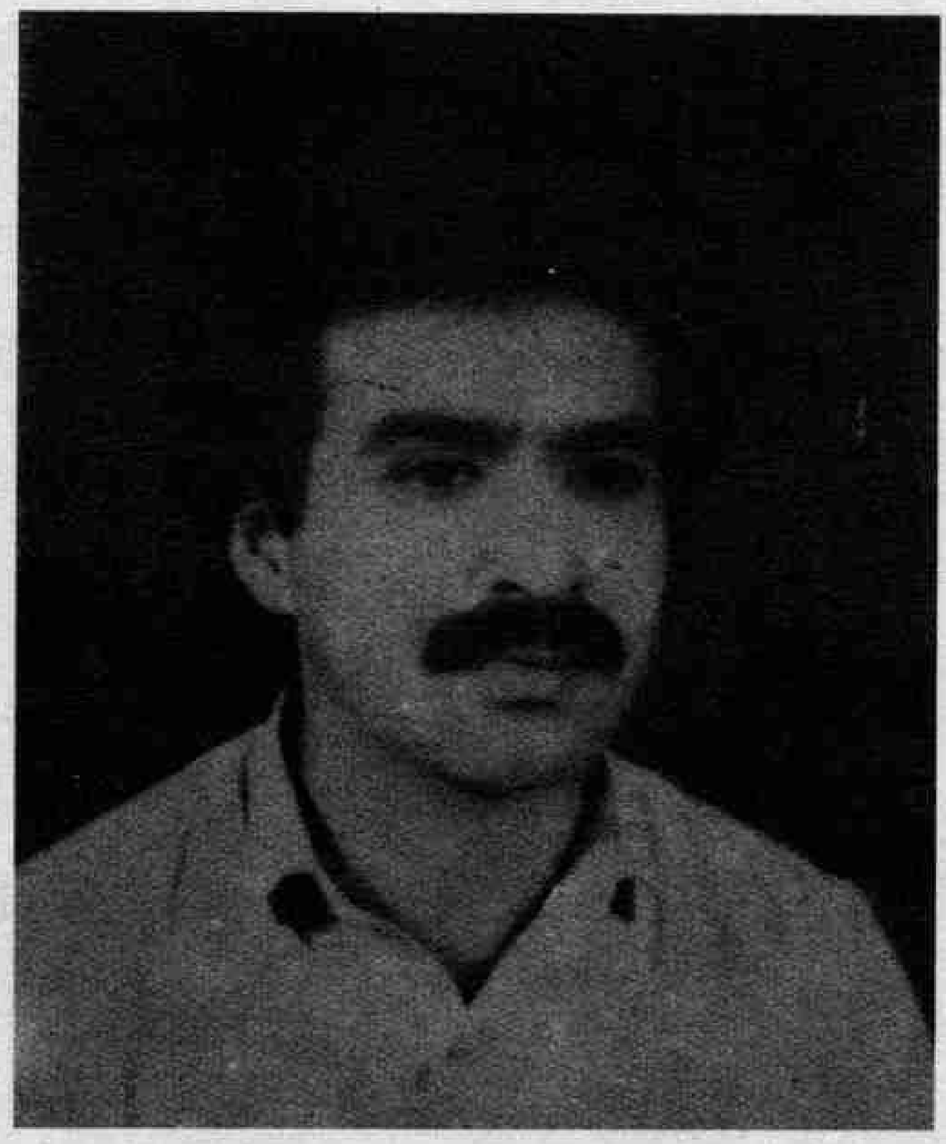
ملا ہوا قرب اور یکجہتی ہی ہم کو ڈانڈرس کہلاتی ہے۔ شاید آپ کو یہ جستجو ہو کہ میں ان پتھریلے رستوں پر کیوں چلنے لگا ہوں؟

تو جناب! بات کچھ یوں ہوئی کہ سکھر کے ایک فوجی افسر نے یا باسائیں اور کیمپ کے سارے مکینوں کو بلا کر ڈرایا اور دھمکیاں دیں تھیں، میرے گھر کی عورتوں کی بے عزتی کی تھی جس کی وجہ سے میرے اندر انتقام کی آگ بھڑک اٹھی تھی۔ اسی دوران میری ملاقات انقلابی رہنما کامریڈ جام ساقی سے ہوئی میں نے اُن کو اپنی انتقام لینے والی خواہش بتائی اُس فوجی افسر کا نام بتایا جس سے میں بدلہ لینے کیلئے بیچین تھا مگر کامریڈ نے مجھے سمجھایا کہ اس معاشرے میں اُس جیسے نجانے کتنے ہیں تم کس کس سے انتقام لوگے؟ اس نے نذیر عباسی کی شادی کے فوراً بعد گرفتاری کا بھی ذکر کیا جس کے نتیجہ میں اُس کی والدہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ اُس وقت مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ کامریڈ جام ساقی آدمیوں سے سے بدلہ لینے کے بجائے معاشرے کو بدلنے کی ضرورت کی بات کرتے ہیں اور اس بات کا مجھ پر اتنا گہرا اثر ہوا کہ یہ اُنہی الفاظ کا نتیجہ ہے کہ آج میں ایک خونی قاتل کے بجائے ذمہ دار سیاسی کارکن ہوں۔ لیکن اس کو کیا کہیئے کہ حکومت مجھے انہی اسباب کی وجہ سے ڈانڈرس سمجھنے لگی ہے۔

شبیر شر

کے،ایم،سی کمپلیکس کراچی۔

تاریخ ۱ر جنوری ۱۹۸۳ء



امرلال

امرلال

ولد : ٹھاکر داس

جائے پیدائش : پنو عاقل ضلع سکھر

تعلیم: ایم اے اقتصادیات کے فائنل ائیر کے طالبعلم نومبر ۱۹۸۰ء میں گرفتار ہوئے
اُس وقت وہ این ایس ایف کے قائمقام صدر تھے۔

خصوصی فوجی عدالت کراچی کے سامنے

امرلال

جناب صدر اور معزز اراکین عدالت

۱۔ آج ۸ جنوری ہے اور میں اس عظیم دن کے تعلق سے فخر محسوس کر رہا ہوں کہ آج کے دن اس عدالت میں اپنا بیان ریکارڈ کروا رہا ہوں۔ ۸ جنوری جو پاکستان کی طلبہ تحریک کا تاریخی اور یادگار دن ہے۔ ۸ جنوری نہ صرف جنوری ۱۹۵۳ء کی طلبہ تحریک کے شہیدوں کا دن ہے بلکہ ڈیموکریٹک اسٹوڈنٹس فیڈریشن (پاکستان) کا جنم دن بھی ہے۔ اس موقع پر میں جنوری تحریک کے شہیدوں کو سرخ سلام پیش کرتا ہوں جنہوں نے اپنی جان کا نذرانہ دیکر پاکستان کی طلبہ تحریک کو نئی زندگی بخشی۔ میں سرخ سلام پیش کرتا ہوں ڈی ایس ایف کے بانی شہید نذیر عباسی کو جس کی انقلابی روح نے موت کو گلے لگایا لیکن سامراجی ایجنٹوں اور طلبہ اور عوام دشمنوں کے گندے عزائم کے آگے جھکنا گوارا نہ کیا۔

۲۔ نذیر عباسی کو سامراجی ایجنٹوں اور عوام و طلبہ دشمنوں نے یہ سوچ کر شہید کردیا کہ اس طرح نذیر عباسی کی سوچ اور اسکی تحریک رک جائیگی۔ لیکن ایسا نہیں ہوا نذیر عباسی کی جدوجہد آج بھی جاری ہے۔ اسکی تحریک آج بھی آگے بڑھ رہی ہے اور اس کے خیالات کی روشنی آج پہلے سے زیادہ منور ہے۔ نذیر عباسی کا لہو آج اسکی فکر، اسکی جدوجہد اور تحریک کی رگوں میں دوڑ رہا ہے۔

۳۔ ہماری تحریک کوئی فانی جسم نہیں ہے جسکا سر الگ کردیا جائے تو وہ سر

جائے گا نہیں۔ ہماری تحریک ایک زندہ نظام ہے جو آگے بڑھتی رہتی ہے اور خود کو سزا دیتی رہتی ہے۔ جو اپنے زخموں کو خود بھرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اور مسلسل اپنی شکل تبدیل کرتی رہتی ہے۔"

۴۔ ہماری تحریک کے رہنما لکڑی کی تراشی ہوئی مورتیاں نہیں ہیں جو دھاگوں کی حرکت پر ناچتی ہیں۔ ہماری تحریک کے رہنما زندہ شجر ہیں جو شاخیں نکالتے ہیں اور پھل دیتے ہیں اور جن کی جڑیں عوام میں ہیں جتنے پھل توڑے جائیں اتنے ہی زیادہ پھل اور آئیں گے۔

۵۔ جس کی جڑیں عوام میں ہوں، جن سے زیادہ زرخیز زمین کوئی اور نہیں اور جس کو انقلاب کی گرمی مل جائے اس کے پھلوں کا شمار نا ممکن ہے۔

جب بیج پودے کی شکل اختیار کرلے اور زندگی کی نبضیں چلنے لگیں تو کوئی طاقت اس عمل کو الٹ نہیں سکتی۔

۶۔ اگر کوئی لیڈر یہ سمجھتا ہے کہ اس کے سکم دینے سے ترقی کا عمل رک جائے گا تو وہ احمق ہے تحریک کا قافلہ اسے شاہراہ سے اتار کر آگے بڑھ جائے گا۔ بہت سے لیڈر تحریکوں کو روکنا چاہتے ہیں اور بہت سے ایسے بھی ہیں جو غداری کرتے ہیں لیکن تحریکیں نہیں رکتیں اور بہت سے لیڈر جدوجہد میں مر جاتے ہیں اور عوام کے ذہنوں میں ہیرو بن جاتے ہیں

۷۔ ہم نہ رائیگاں جیتے ہیں نہ رائیگاں موت مرتے ہیں۔ ہم جانے والوں کی جگہ پر کرتے ہیں اور تحریک کے آگے بڑھنے کے عمل میں خود کو ختم کر رہے ہیں۔

۸۔ پاکستان کے نوجوانوں کا عظیم ہیرو نذیر عباسی شہید نے جو الفاظ سامراجی قاتلوں کے سامنے کہے تھے میں انہیں دہراتا ہوں۔

میں پاکستان کا نوجوان ہوں
میری زندگی ایک گیت ہے

میری موت جدوجہد کی پکار ہے

۹۔ تمام دنیا کے لوگ امن آزادی خوشحالی اور بھائی چارگی کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں کیونکہ تاریخ نے اس جدوجہد کو ناگزیر بنا دیا ہے۔ سیکڑوں ہزاروں نوجوانوں نے اس جدوجہد میں اپنی جانیں دی ہیں اور تشدد اور بہیمیت کے آگے جھکنے سے انکار کیا ہے میں ان کا حصہ بننے کی ترجیح دیتا ہوں اور آج ان کی صف میں کھڑا ہوں۔

۱۰۔ عرصہ تک غیر انسانی سلوک، تشدد، مارپیٹ اور دباؤ برداشت کرتے رہنے کے بعد مجھے آج اس عدالت میں پیش کیا گیا ہے کہ میں اپنے اوپر لگائے گئے الزامات کا جواب دوں۔ الزام یہ ہے کہ میں غاصب فوجی جنتا کیخلاف پروپیگنڈہ کرتا ہوں جس نے عوام کے منتخب نمائندوں کا تختہ لوٹ کر اقتدار پر غیر قانونی قبضہ کر لیا۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ میں عوام، عوام کی حکومت اور عوام کے اقتدار اعلیٰ پر یقین رکھتا ہوں۔ میں صاف صاف کہتا ہوں کہ موجودہ حکومت نے امریکی سامراج اور استحصالی طبقات کی شہ پر عوام کے اقتدار اعلیٰ پر غاصبانہ قبضہ کیا ہے اسی لئے موجودہ حکومت کے مخالفین کو مخالف پاکستان قرار نہیں دیا جا سکتا اور نہ ہی انہیں تخریبی سرگرمیوں کا ملزم گردانا جا سکتا ہے۔ میں اسے اپنی عزت سمجھتا ہوں کہ میں عوام کے کیمپ میں ہوں اور عوام دشمن طاقتوں کی مخالفت کرتا ہوں یہ بحیثیت شہری اور طالب علم میرا پیدائشی حق ہے۔ ہر طبقاتی سماج میں دو طاقتیں ہوتی ہیں ایک حکمران طبقہ اور دوسرے استحصال کا شکار عوام۔ اپنے متضاد مفادات کی وجہ سے دونوں ایک دوسرے کے باغی ہوتے ہیں ہمارے معاشرہ میں بھی ایسا ہی ہے۔ یہ عوام کی جنگ ہے عوام دشمن طاقتوں کیخلاف اس لئے یہ ایک سیاسی جنگ ہے۔ سیاسی جنگوں کا فیصلہ سڑکوں پر ہوتا ہے فوجی عدالتوں میں نہیں اور ہمیشہ اس کا فیصلہ عوام کے حق میں اور عوام دشمنوں کیخلاف ہوتا ہے۔ تمام سیاسی تحریکیں اسکا ثبوت ہیں۔ یہ مقدمہ بھی سیاسی ہے لہٰذا میں پھر اعلان کرتا ہوں کہ میں عوام کیساتھ ہوں۔ عوام کے دوستوں کو اپنا دوست سمجھتا ہوں اور عوام دشمنوں کو اپنا دشمن۔ مجھے افسوس ہوتا ہے۔ ان

لوگوں پر جو تشدد اور استحصال کے آلہ کار بن گئے ہیں اور جلد ہی اپنا سب کچھ کھو دیں گے۔

۱۱۔ مارشل لاء حکومت یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہی ہے کہ میں نے دفعہ ڈبلیو پی پی سی ۱۲۴ کے تحت اپنے مبینہ جرم کا اعتراف کر لیا ہے۔ وہ اس سے زیادہ جھوٹ بھی بول سکتے ہیں لیکن نہیں، اس عدالت کے علم میں لانے کیلئے اور اپنی طلبہ برادری اور عوام کے سامنے صاف صاف لفظوں میں کہتا ہوں کہ یہ ایک اور جھوٹا الزام ہے۔ عوام کی جدوجہد میں شرکت جرم نہیں ہے اور اس کے علاوہ میرا کوئی جرم نہیں ہے نہ میں نے تسلیم کیا ہے مجرم تو سامراج کے ایجنٹ ہیں جو عوام دشمن کیمپ میں ہیں۔

۱۲۔ یہ برطانوی ورثہ ہے کہ محب وطن لوگوں پر سازش اشتعال انگیزی اور تخریب کاری کے الزامات لگائے جائیں۔ ہمارے حکمرانوں نے اس ذلیل ورثہ کو سینے سے لگا رکھا ہے سوویت روس کے انقلاب کے دوران ہندستان سے کچھ نوجوان، انقلابی فکروعمل کی تلاش میں روس گئے تھے۔ یہ جب واپس آئے تو برطانوی حکومت نے ان پر متعدد سازش کیس قائم کر دیے جس میں تاشقند سازش کیس، پشاور سازش کیس اور میرٹھ سازش کیس بہت مشہور رہیں۔ یہ نوجوان آزادی کی جنگ کے سپاہی تھے جیسے آج ہم میں جو امریکی سامراج کے نیم نوآبادیاتی نظام کیخلاف اپنی آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں، شوکت عثمانی، فیروزالدین منصور، بھگت سنگھ۔ حمید کالانی آزادی کی جنگ کے اولین صف کے سپاہی تھے۔ پاکستان بننے کے بعد اس روایت کو لیلا میترا۔ نواب نوروز خاں اور ان کے بیٹوں نے جاری رکھا۔ جانبازی کی روایت کا یہ تسلسل حسن ناصر، نذیر عباسی۔ حمید بلوچ اور دوسرے شہیدوں سے آملتا ہے جنہیں مارشل لاء حکومت کے ظلم وجبر کا اور مارشل لاء کی حمایتی نازی تنظیم جماعت اسلامی کی غنڈہ گردی کا شکار ہونا پڑا۔ انقلابی جدوجہد کی آخری کڑیوں پر لالہ اسد، انیس چودھری۔ عنایت مسیح۔ سعید خان، شوکت چیمہ اور قدیر عابد کا نام لکھا ہے۔ عظیم لوگ وہی ہیں جو تاریخ کے صفحوں پر ان مٹ نقوش ثبت کر جاتے ہیں۔

۱۳-ان سب لوگوں کا جرم یہ تھا کہ برطانوی سامراج سے آزادی کے بعد وہ امریکی سامراج کے غلبہ کیخلاف عوام کے اقتدار اعلیٰ کیلئے جنگ کر رہے تھے۔ آج عوام دشمن فوجی جنتا، اپنے پیشرووں کی طرح، طلبہ سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ سیاست میں حصہ نہ لیں۔ یہ فوجی جنتا چاہتی ہے کہ نوجوانوں نے جس نیم نوآبادیاتی غلامی میں آنکھ کھولی ہے اس کا تختہ نہ الٹ سکیں اور نہ ہی خوشحالی کی بنیادوں پر نئے پاکستان کی تعمیر کر سکیں، طلبہ نوجوان نسل کا وہ خوش قسمت حصہ ہیں جو تعلیم سے مسلح ہیں۔ یہ ان کا تاریخی فرض ہے کہ آئندہ نسل کو ایک بہتر دنیا بہم کریں حکومت کو ہر نسل کا ترقی کا یہ عمل پسند نہیں۔ اگر موجودہ حکومت لوگوں کو ہمیشہ کے لئے انکے حقوق سے محروم کرنے کی طاقت رکھتی تو وہ یہ بھی کر گذرتی۔

۱۴- فوجی جنتا نہ صرف طلبہ کو بلکہ سماج کے دوسرے طبقوں کو بھی سیاست سے دور رکھنا چاہتی ہے۔ یہ اسکی واضح پالیسی ہے۔ طلبہ سیاست میں حصہ نہ لیں کیونکہ وہ طالب علم ہیں۔ مزدور طبقہ سیاست نہ کرے کیونکہ وہ مزدور ہے۔ کسان اس لئے سیاست نہ کریں کہ وہ کسان ہیں خواتین سیاست نہ کریں کیونکہ وہ خواتین ہیں پولیس اور فوج کے سپاہی۔ سرکاری ملازمین کوئی بھی سیاست نہ کرے۔ فوجی جنتا ۸ کروڑ عوام کے لئے سیاست کو شجر ممنوعہ قرار دیتی ہے۔ سیاست صرف فوجی جنرلوں۔ تجارتی سرمایہ داروں۔ جاگیرداروں اور سامراجی ایجنٹوں کا حصہ ہے۔ سیاست کا مقصد عوام کے مسائل کا حل تلاش کرنا ہے اسی لئے عوام دشمن فوجی جنتا، عوام کی سیاست سے نفرت کرتی ہے تاکہ ملک سامراجی غلبہ اور غلامی کا شکار رہے۔

۱۵- طلبہ اس قوم کے بیٹے اور بیٹیاں ہیں جو زیادہ ذمہ دار ہیں کیونکہ انہیں ان تعلیمی اداروں میں تعلیم ملی ہے جو عوام کے خون پسینہ کی کمائی پر چلتے ہیں، انہیں یہ تعلیم اس لئے نہیں ملتی ہے کہ وہ عیاشی کی زندگی گذاریں اور اعلیٰ عہدے حاصل کرکے نوکر شاہی کا حصہ بن جائیں۔ سماج طلبہ کی تعلیم کی مشقت اس لئے برداشت کرتا ہے کہ وہ سماج کی خدمت کریں اور عوام کے حقوق کیلئے جد وجہد کریں۔ مجھے فخر ہے

کہ میرے ملک کے طلبہ میں ذمہ داریوں کا بھرپور احساس موجود ہے اور یہ کہ میرا شمار بھی ان ذمہ دار طلباء میں ہوتا ہے . . .

۱۶۔ تاریخ اور معروضی حالات، عوام کی جدوجہد کی سمت اور مقاصد کو ترقی کی جانب رکھتے ہیں۔ حقائق کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ہم اپنے ملک کے بے پناہ مسائل کو حل کرنے میں سنجیدہ ہیں تو حقائق کو سمجھنا ضروری ہے۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ مسائل کو حل کرنے کی طرف پہلا قدم مارشل لاء کا خاتمہ اور عوام کے اقتدار اعلیٰ کی بحالی ہے۔ مارشل لاء عوام کے مفادات کیخلاف مسلط ہے نہ اس کا کوئی اخلاقی جواز ہے نہ مادی بنیاد، اس کے باوجود بھی اس کے مسلط رہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اپنی غذا اور اسلحہ سامراج سے حاصل کرتا ہے جس کا یہ نمائندہ ہے۔ اس کی بنیادیں ۱۹۵۴ء کے امریکی سامراج سے کئے ہوئے معاہدوں میں ہیں۔ اسی دن سے عوام کے حقوق کو کچلنے کی روایت پڑی یہاں تک کہ امریکی سامراج اور اس کے حواریوں کے مفاد میں ملک کو دو ٹکڑے کر دیا گیا۔

۱۷۔ بھٹو حکومت پہلی پاکستانی حکومت تھی جس نے سامراج کے جال سے نکلنے کی کوشش کی جس کے نتیجہ میں بھٹو کو قتل کر دیا گیا، اس کا جرم یہ تھا کہ اس نے بڑی صنعتوں اور بنکوں کو جو ملک میں اجارہ داری کی بنیاد تھے، قومی ملکیت بنا لیا۔ ملکی معیشت کو اپنے پیروں پر کھڑا کرنے کے لئے اسٹیل ملز قائم کی۔ میٹرک تک تعلیم مفت کر دی۔ دیہی آبادی کی اکثریت کے مفاد میں زرعی اصلاحات کیں۔ چونکہ یہ تمام اصلاحات سامراج سے چھٹکارے کے لئے کافی نہیں تھیں اس لئے ہم مطالبہ کر رہے تھے کہ سامراج اور اس کے حواریوں کا غلبہ ختم کیا جائے۔ بھٹو کو مارنے میں سامراج کی کامیابی کی وجہ یہ تھی کہ بھٹو نے محنت کش عوام کو اپنی تنظیمیں مضبوط کرنے کا پورا موقع نہیں دیا جس کے نتیجہ میں بھٹو کا محنت کش عوام سے اتحاد باقی نہیں رہا اور محنت کش عوام بھٹو کے حق میں اپنی طاقت استعمال نہیں کر سکے۔

۱۸۔ یہ ناقابل تردید حقیقت ہے کہ فوجی جنتا کی حکومت سامراج کی مدد کے سہارے

زندہ ہے جواسے اپنے عوام کو کچلنے کیلئے جدید ترین ہتھیار فراہم کرتا ہے۔ لیکن یہ بھی اتنی ہی ناقابل تردید بات ہے کہ اس فوجی آمریت کو پاکستان کے دلیر عوام کے ہاتھوں شکست ہوگی اور کوئی طاقت اسے بچا نہیں سکے گی یہ بیسویں صدی ہے اور لینن نے اسے انقلابوں کی صدی قرار دیا ہے یہ عوام کے ابھار، استحصال کے خاتمہ کی صدی ہے۔ یہ امن عالم اور سوشلزم کی صدی ہے وہ دن دور نہیں جب سامراج، جو ابھی تک طاقتور دکھائی دیتا ہے، گلوٹین پر کھڑا نظر آئیگا۔ سامراجی طاقتیں دن بدن کمزور ہو رہی ہیں ایران انقلاب، شاہ ایران کی جلا وطنی۔ ساوک کا خاتمہ اسکی واضح مثالیں ہیں۔

۱۹۔ گذشتہ چند برسوں میں اہم اور مثبت تبدیلیاں آئی ہیں جن سے اس علاقہ میں سامراجی گرفت کمزور ہوئی ہے۔ ایران کا مخالف سامراج جمہوری انقلاب مضبوط ہو رہا ہے۔ ثور انقلاب۔ افغانستان کا قومی جمہوری انقلاب، سوشلسٹ کیمپ کی مدد سے طاقتور ہو رہا ہے ان دو انقلابوں اور ہندوستان کی غیر جانبداری کی پالیسی نے سامراج کے لئے اس علاقہ کے دروازے بند کر دیے ہیں حالانکہ چینی توسیع پسندوں نے سامراج کی کھلی مدد کی ہے لیکن یہ مدد بھی سامراج کی جڑیں اکھڑنے سے نہیں بچا سکتی۔ انتہائی جدوجہد کے بعد سامراج اس علاقہ سے صرف چار ملکوں۔ ترکی پاکستان اسرائیل اور سعودی عرب کو نئے سامراجی دفاعی معاہدہ میں شامل کر سکا ہے۔ ڈیگو گارشیا کا سامراجی اڈہ خطرہ میں ہے کیونکہ مارشیس کے ترقی پسندوں نے اس بنیاد پر اپنے ملک کا الیکشن جیتا ہے کہ وہ برطانیہ اور امریکہ سے اپنے علاقہ واپس لیں گے اور جو کوئی یہ سمجھتا ہے کہ پاکستان کے عوام اپنے حقوق واپس نہ لیں گے وہ اندھے کنویں میں رہتا ہے۔ عوام کا سیلاب سامراج کے بنائے ہوئے بند کو توڑ کر روز بروز آگے بڑھ رہا ہے۔

۲۰۔ پاکستان بننے کے بعد اس کی تاریخی ضروریات کو نظر انداز کیا گیا اور پورے ملک پر اردو مسلط کر دی گئی۔ قومیتوں کی زبانوں کو دبایا گیا جس کے نتیجے میں بے اطمینانی پھیلی۔ اس وقت طلباء نے اس پالیسی کے خلاف شاندار مظاہرے کئے۔ حکومت نے

زبان کے مسئلہ کو ایک سنجیدہ مسئلہ سمجھنے کے بجائے، لفرت پھیلانے کے لئے استعمال کیا۔
ہم جانتے ہیں کہ ہر بچہ کو اپنی مادری زبان میں تعلیم پانے کا حق ہے اس کے بغیر ملک سے جہالت دور نہیں ہو سکتی۔ ہم طالب علموں نے اس کے لئے آواز اٹھائی ۱۹۵۲ء میں بنگال میں ہم نے اس کے لئے جدوجہد کی۔ قربانیاں دیں اور حکومت سے بنگالی زبان کی حیثیت تسلیم کرائی۔ سندھی زبان کا حق بڑی حد تک ۱۹۷۳ء میں تسلیم کرایا گیا۔ لیکن بلوچی، پشتو اور پنجابی کو قومی زبان بنانے کی جدوجہد جاری ہے اور فتح تک جاری رہے گی۔

۲۱-۸ جنوری ۱۹۵۳ء طلبہ تحریک میں ایک سنگ میل تھا۔ کراچی کے طلبہ نے ڈیموکریٹک اسٹوڈنٹس کے پرچم تلے اس تحریک کا آغاز کیا تھا جس میں عام تعلیم۔ فیسوں میں کمی، روزگار کی ضمانت اور دوسرے مطالبات پر جدوجہد کی گئی۔ حکومت نے اسکو طاقت سے کچلنا چاہا اور متعدد طالب علموں نے اپنی جانیں تحریک کی نذر کیں۔ آخرکار ناظم الدین حکومت کو طلبا کے آگے جھکنا پڑا۔ یہ طلبا کی اہم سیاسی فتح تھی۔ اس وقت طلبہ کو یہ احساس ہوا کہ ان کے مسائل کے حل کے لئے پورے ملک کی طلبہ تنظیموں کا اتحاد ناگزیر ہے لہذا ۱۹۵۴ء میں پورے ملک کے ترقی پسند طلبا کے کنونشن میں آل پاکستان اسٹوڈنٹ آرگنائزیشن (APSO) کا قیام عمل میں آیا۔ اسی دوران جگتو فرنٹ نے بنگال کی مسلم لیگی حکومت کو عبرتناک شکست دی۔ سندھ کے ہاریوں نے کامریڈ حیدر بخش جتوئی کی رہنمائی میں اپنے حقوق کی جنگ لڑی اور سندھ اسمبلی کو (Tenancy Act) پاس کرنا پڑا۔ حکمران طبقے عوام کی ان پے در پے کامیابیوں سے خوفزدہ ہو گئے اور عوام کو کچلنے کے لئے امریکی سامراج کے دفاعی معاہدوں کا طوق گلے میں ڈال لیا امریکی سامراج کی شہ پر پاکستان کمیونسٹ پارٹی پر پابندی لگی اور تمام ترقی پسند تنظیموں کو جن میں طلبہ تنظیمیں۔ ہاری تحریک۔ مزدور آرگنائزیشن، خواتین کی انجمنیں، دانشوروں کے اور ادبی ادارے سب پر پابندی لگا دی گئی، ون یونٹ کے نام پہ ملک کو قومیتوں کا جیل خانہ بنا دیا گیا۔

۲۲۔ ان سب کے باوجود اور طلبہ نے این ایس ایف کی رہنمائی میں قومی جمہوری حقوق

کیلئے اپنی جدوجہد جاری رکھی ۱۹۵۸ء میں طلبہ نے مارشل لاء کیخلاف مزاحمت میں اہم کردار ادا کیا اس وقت بھی ان پر سازش، بغاوت، تخریبی سرگرمیوں، فوج کیخلاف نفرت پھیلانے اور عوام میں طبقاتی نفرت پیدا کرنے کے الزامات لگائے گئے تھے، آج بھی یہی الزامات لگائے جا رہے ہیں صرف اس فرق کیساتھ کہ آج امن کی تحریک زیادہ منظم اور مضبوط ہے اور عوام کا شعور آگے بڑھا ہوا ہے۔ اس وقت سیکڑوں، ہزاروں لوگوں کو جیلوں میں بند کیا گیا تھا۔ تعلیم کا حق چھینا جا رہا تھا۔ مزدور طبقہ کے عظیم لیڈر حسن ناصر کو لاہور کے قلعہ میں شہید کر دیا گیا تھا۔ اس وقت بھی طلبہ نے اپنی جدوجہد جاری رکھی۔

۲۳۔ کامریڈ حسن ناصر کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ غربت جہالت اور بیروزگاری کے خاتمہ کیلئے جدوجہد کر رہا تھا۔ اگر یہ جرم ہے تو میں اعلان کرتا ہوں کہ ہم نے ہر دور اور ہر زمانے میں اس جرم کا ارتکاب کیا اور اس وقت تک کرتے رہیں گے جب تک کہ امن آزادی خوشحالی اور عوامی حکومت کے حصول تک فتح نہیں ہو جاتی۔

۲۴۔ ۱۹۶۰ء میں چین نے سوشلسٹ کیمپ سے علیحدگی اختیار کر کے جارحانہ قوم پرستی کا راستہ اختیار کر لیا۔ انٹی سوویت نعروں کیساتھ چین نے عالمی سامراج سے دوستی استوار کی ادھر پاکستان نے سامراج کی شہ پر ہندوستان دشمنی کا راستہ اختیار کیا پاکستان کے ترقی پسند گروپ بھی گروہوں میں تقسیم ہو گیا۔ اسی دوران این ایس ایف میں کچھ چین نواز طلبہ نے جبلپور کے ہندو مسلم فساد کے خلاف مظاہرہ کیا اور مذہبی فرقہ بندی کی رو میں بہہ گئے۔ نتیجتاً این ایس ایف بھی دو گروہوں میں تقسیم ہو گئی۔

۲۵۔ این ایس ایف کے اس چین نواز طلبہ گروپ نے ہمیشہ طلباء تحریک کو نقصان پہنچایا۔ انہوں نے نذیر عباسی شہید ایکشن کمیٹی کی تحریک کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کی، افغانستان کے قومی جمہوری انقلاب کے خلاف کھڑے ہوئے اور ہر دفعہ طلبہ کے اتحاد کی مخالفت کی۔ کیونکہ وہ اس بات سے ڈرتے تھے کہ طلباء کا اتحاد عوام کی تحریک کا راستہ نہ بن جائے جو انقلاب کی راہ ہموار کر دے اس لئے یہ گروپ ہمیشہ عوام دشمن کردار ادا کرتے رہے۔

۲۶۔ طلبہ عوام کا اگوان دستہ ہیں اور ہمیشہ عوام کی جمہوری امنگوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ یہ ہمیشہ جدوجہد میں رہتے ہیں۔ ۱۹۶۷ء میں سندھ کے نوجوان سڑکوں پر نکل آئے جن کے مطالبے یہ تھے کہ ون یونٹ ختم کیا جائے۔ صوبائی خود مختاری دیجائے۔ بالغ رائے دہی کی بنیاد پر الیکشن کرائے جائیں۔ قومی جمہوری حقوق بحال کئے جائیں۔ کرایوں میں ۵۰ پچاس فیصد کمی کی جائے اور مادری زبان میں مفت لازمی تعلیم دیجائے

ایوب آمریت نے ان کو غدار اور پاکستان دشمن کہا اور طاقت سے کچلنے کی کوشش کی۔ اس وقت نوجوانوں کے ساتھ عام تعلیم یافتہ اور محب وطن طاقتوں نے مل کر شاگرد ہاری مزدور رابطہ کمیٹی کے پلیٹ فارم سے جدوجہد کی فیلڈ مارشل ایوب خان بھاگ کھڑا ہوا اور جاتے جاتے اقتدار ایک اور جنرل کو دے گیا، اس جدوجہد نے پہلی بار ملک کی تمام جمہوری اور باشعور طاقتوں کو ایک پلیٹ فارم پر متحد کر دیا جسکو شروع کرنے کا اعزاز طلباء کو حاصل تھا۔ کیا اس عدالت کے خیال میں ایوب خان کی آمریت کا عوام کی تحریک کے ذریعہ تختہ الٹنا جرم تھا؟ اگر نہیں، تو آج میرا جرم کیا ہے؟ ایوب کی آمریت ختم کرنے اور ون یونٹ توڑنے کیلئے چاروں صوبوں کی طلبہ یونینیں سندھ نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن، بلوچ اسٹوڈنٹس فیڈریشن، پختون اسٹوڈنٹس فیڈریشن اور پنجاب اسٹوڈنٹس فیڈریشن ایک پلیٹ فارم پر پاکستان فیڈرل یونین آف اسٹوڈنٹس (PFUS) کے پرچم تلے جمع ہو گئیں۔ عوام کے دباؤ نے حکومت کو مجبور کر دیا کہ ون یونٹ ختم کیا جائے اور ایک فرد ایک ووٹ کا اصول بحال کیا جائے۔

۲۷۔ جنرل یحییٰ نے عام انتخابات کرائے جسمیں بنگال سے شیخ مجیب نے چھ پوائنٹ یعنی سوشلزم اور سیکولرزم کی بنیاد پر اور سندھ اور پنجاب سے پیپلز پارٹی نے سوشلزم کے نعرہ پر اکثریت حاصل کی۔ بلوچستان اور سرحد میں نیشنل عوامی پارٹی نے قومی جمہوری انقلاب کے ذریعہ سوشلزم لانے کی بنیاد پر اکثریت حاصل کی۔ پورے ملک کے عوام نے اس طرح جمہوریت، سوشلزم اور سیکولرزم کے حق میں فیصلہ دیدیا۔ ہماری تاریخ یہ ہے کہ

برسرِ اقتدار طبقہ نے کبھی بھی انتخابات کے نتائج کو تسلیم نہیں کیا، اس مرتبہ بھی ایسا ہی ہوا۔ شیخ مجیب کو غدار قرار دیکر گرفتار کر لیا گیا اور بنگال میں فوجی آپریشن شروع کر دیا گیا جس میں تقریباً تیس لاکھ بنگالیوں کا قتلِ عام کیا گیا۔ اس وقت کامریڈ جام ساقی نے جو سندھ این ایس ایف کے بانی صدر تھے (یہ اب ڈی ایس ایف میں ضم ہو چکی ہے) کہا کہ بنگال کا فوجی مسئلہ ایک سیاسی مسئلہ ہے۔ اسے سیاسی طور پر حل کیا جانا چاہیئے۔ یہ پہلی آواز تھی جو قومی ایکشن کیخلاف مغربی پاکستان سے اٹھی۔ میں حکمرانوں سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا ان تلخ حقائق سے انہوں نے کوئی سبق حاصل کیا؟

۲۸۔ طلباء نے پہلے منتخب وزیراعظم بھٹو کے دور میں بھی اپنا کردار ادا کیا، ہم نے حکومت کے تمام مثبت اقدامات کو خوش آمدید کہا اور تمام سامراج نواز رجعت پسند تنظیموں اور محاذوں کیخلاف مزاحمت کی۔ ہم اس وقت بھی سرگرم تھے اور ہمارا نعرہ تھا کہ "چہرے نہیں سماج کو بدلو"

۲۹۔ میں یہ واضح طور پر بتانا چاہتا ہوں کہ اس وقت صرف ہم نے پی ایف یو ایس نے سامراجی ایجنٹ پی این اے کی مخالفت کی تھی اور تاریخ نے ہمارے فیصلہ کی توثیق کی ہے پی این اے کی پشت پر ضیاء ٹولہ تھا جس نے سازش سے عوام کا اقتدارِ اعلیٰ غصب کیا اور مارشل لاء نافذ کیا۔ مارشل لاء عوام کے خلاف اعلانِ جنگ ہے اسی لئے میں اور میرے دوست عوام کے سپاہیوں کی حیثیت سے آج پابجولاں کھڑے ہیں۔ میں پر زور طریقہ پر واضح کر دوں کہ مجھے اپنی ذات کی نمائندگی کرنے پر نہیں پکڑا گیا بلکہ پورے ملک کے نوجوانوں اور عوام کی نمائندگی کا ملزم گردانا گیا ہے اور مجھے فخر ہے کہ میں نے سیاہ تہہ خانوں میں قید کاٹی ہے۔

۳۰۔ بھٹو حکومت کے خاتمے کے بعد جب ضیاء ٹولہ امریکی سامراج کے ایجنٹ کی حیثیت سے اقتدار میں آیا طلبہ نے اسی وقت آنے والے خطرہ کو بھانپ لیا تھا اسی لئے ملک کی چاروں صوبائی تنظیموں نے متحد ہو کر ڈیموکریٹک اسٹوڈنٹس فیڈریشن قائم

کی تاکہ سامراجی خطرہ کیخلاف لڑا جائے۔

۴۱۔ پاکستانی طلباء اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ وہ انسانیت اور طلبہ کی عالمی برادری کا حصہ ہیں اور پورے دنیا کے انسانوں کا اس وقت سب سے بڑا مسئلہ امن ہے، امن نہ ہوگا تو زندگی بھی نہ ہوگی۔ طلبہ اور نوجوانوں کو اس مسئلہ سے علیحدہ نہیں رکھا جاسکتا اس لئے تمام دنیا کے خصوصاً یورپ اور امریکہ کے طالبعلم امن کی تحریک میں آگے ہیں ڈیموکریٹک اسٹوڈنٹس فیڈریشن امن آزادی اور خوشحالی کی تحریک میں اپنا کردار ادا کرتی ہے آئی یو ایس کے ساتھ شانہ بشانہ ملا کر اور ڈبلیو ایف ڈی وائی کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر قدم سے قدم ملا کر ہم بین الاقوامی طلبہ تنظیم اور نوجوانوں کی تحریک کا حصہ ہیں۔

۴۲۔ ملکی خوشحالی کا انحصار معاشی خوشحالی پر ہوتا ہے۔ سیاسی مفادات و تضادات کے پیچھے ہمیشہ سماج میں طبقوں کے معاشی مفادات ہوتے ہیں۔ ہماری موجودہ معاشی صورتحال کی بنیاد استحصال پر ہے اور مارشل لاء حکومت اسے قائم رکھنا چاہتی ہے جبکہ عوام اس استحصال کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ جنرل ضیاء نے کراچی کے سرمایہ داروں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا "مارشل لاء اس وقت تک قائم رہے گا۔ جب تک سرمایہ کو تحفظ درکار ہے"۔ کسانوں اور مزدوروں کے حقوق اس مارشل لاء نے اس حد تک غصب کیئے ہیں کہ محنت کشوں کا ایک تہائی حصہ مکمل بیروزگار ہے اور اگر جزوی روزگار کے اعداد و شمار بھی شامل کر لیئے جائیں تو یہ تعداد نصف تک جا پہنچتی ہے۔ مہنگائی تنخواہوں سے ۳۵ فیصد زیادہ ہے افراطِ زر کی شرح ۳۰ فیصد ہے۔ عوام کی قوت خرید روز بروز کم ہوتی جارہی ہے۔ پنجاب سب سے خوشحال صوبہ سمجھا جاتا ہے لیکن وہاں بھی لوگوں کو پروٹین کی مقدار غذا میں ۹۵ فیصد سے زیادہ نہیں ملتی۔ جنرل ضیاء نے اپنی بجٹ تقریر میں یہ کہا کہ ہمارے ملک میں بنگال ۱۹۴۱ء جیسے قحط کے حالات نہیں ہیں لیکن وہ تھر کے صحرا کو بھول گئے جہاں ہمیشہ قحط رہتا ہے وہ یہ بھی بھول گئے کہ ہماری بیشتر آبادی کو ۹۸ کے سفارش کردہ کم سے کم معیار کی غذائیت سے بھی کم غذائیت ملتی ہے۔ حکومت اور زخموں پر نمک۔

چھڑکتی ہے جب یہ الزام لگاتی ہے کہ لوگ محنت نہیں کرتے۔ وہ یہ بھول جاتی ہے کہ حکمران طبقہ کی عیاشیوں میں جو دولت صرف ہوتی ہے وہ انہی مزدوروں کسانوں کی محنت سے پیدا ہوتی ہے۔

۴۳۔ اس حکومت کا سب سے گندہ کارنامہ یہ ہے کہ اس نے عوام دشمن حکمران طبقات کو نئی زندگی دی ہے۔ اس کے لئے بجٹ کا ۸۵ فیصد حصہ فوج اور بیوروکریسی پر خرچ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ہمارے وسائل کا ایک تہائی حصہ سامراجی قرضوں کے سود میں چلا جاتا ہے۔ یہ قرضے بڑھتے جاتے ہیں اور ہماری معیشت کو مزید تباہی کی طرف دھکیل رہے ہیں۔ ہماری معاشی پالیسیوں کا تعین عالمی بنک اور آئی ایم ایف کرتے ہیں جو امریکی صدر کی پالیسیوں کے تابع ہیں، اور جن کا زور معیشتِ صارف اور پرائیویٹ سیکٹر پر رہتا ہے۔ یہ حکومت چونکہ عالمی سرمایہ داری اور بین الاقوامی کارپوریشنز کے مفادات کی نگران ہے۔ اس لئے اسے قطعی یہ فکر نہیں ہے عالمی سامراجی پالیسیاں ہمارے ملک کو اور تیسری دنیا کے ممالک کو کس طرح تباہ کر رہی ہیں۔

۴۴۔ بھٹو حکومت نے کچھ زرعی اصلاحات کیں۔ کچھ زمین ہاریوں میں تقسیم کی گئی زمیندار کو بیج اور کھاد فراہم کرنے کا پابند کیا گیا، ساڑھے دس لاکھ کسانوں کو اپنے مکان بنانے کے لئے چھوٹے چھوٹے پلاٹ دیئے گئے۔ لیبر اصلاحات سے روزگار کا کچھ تحفظ ہوا۔ بڑی اجارہ داریاں کمزور ہوئیں جس سے چھوٹے سرمایہ کو آگے بڑھنے کا موقع ملا، عورتوں کو کچھ حقوق ملے اور میٹرک تک تعلیم مفت کی گئی۔ انہی وجوہات کی بنا پر بھٹو حکومت اور پیپلز پارٹی کی جڑیں عوام میں پھیل گئیں۔ موجودہ حکومت نے ۴۶ مرتبہ ایسے اقدامات کئے جس سے عوام میں پیپلز پارٹی کی مقبولیت ختم ہو جائے لیکن ہر بار اسے ناکامی ہوئی، فوجی جنتا نے موجودہ بجٹ میں تعلیم، ویلفیئر اور دیہی امداد کے پروگراموں میں بڑی حد تک کٹوتی کی ہے۔ تعلیم پر بجٹ کا ۱۰۷۰ فیصد خرچ ہو رہا ہے جبکہ UNESCO کی سفارش

کم سے کم ۴ فیصد کی ہے۔ تعلیم کے برخلاف، فوج پولیس اور تشدد کے دوسرے ذرائع پر بجٹ کے اخراجات میں بڑا اضافہ کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مارشل لا حکومت عوام کی خوشحالی و ترقی نہیں بلکہ عوام کو کچلنا اور دبائے رکھنا چاہتی ہے۔ عوام کا کوئی حصہ بھی اس صورتحال سے خوش نہیں ہے اور یقین رکھتا ہے کہ جب تک عوام دشمن طبقات سے آزادی حاصل نہیں ہوگی ملک میں ترقی اور خوشحالی کے راستے بند رہیں گے۔

۳۵۔ ظاہر ہے کہ جو حکومت عوام کے شعور سے خوفزدہ ہو اور انہیں کچلنے میں زیادہ سرگرم ہے وہ عوام کی تعلیم اور بھلائی کے بارے میں کیا سوچ سکتی ہے۔ ہمارے ملک میں پانچ ہزار سائنسداں ہیں جبکہ ہندوستان میں یہ تعداد ہم سے بیس گنا زیادہ ہے ہمارے یہاں سات ہزار آدمیوں پر ایک ڈاکٹر ہے جبکہ مغربی ممالک میں سات ہزار آدمیوں پر ۱۴ ڈاکٹر ہیں یعنی ہمیں ۱۴ گنا ڈاکٹر چاہیئے ہیں۔ حکومت نے ڈاکٹر بڑھانے کے بجائے میڈیکل کالجوں میں سیٹیں کم کر دیں تاکہ جن ڈاکٹروں کو ہاؤس جاب نہیں ملتا وہ نئے ہسپتالوں کا اور پرانے ہسپتالوں میں توسیع کا مطالبہ نہ کریں۔ لیکن جب حکومت کو سیٹیں کم کرنے میں ناکامی ہوئی تو اس نے ہاؤس جاب کی شرط ہی ختم کر دی جس سے ڈاکٹروں کی طبی مہارت کم ہو گئی۔ حکومت اربوں روپیہ ۱۶ ایف خریدنے پر خرچ کر سکتی ہے لیکن اس سے کہیں کم رقم ڈاکٹروں، انجینئروں اور ٹیکنیشنز کی تعلیم پر خرچ نہیں کر سکتی۔

۳۶۔ تعلیم کی طرف فوجی جنتا کا رویہ ظالمانہ ہے۔ نئے یونیورسٹی آرڈیننس کے ذریعہ اس نے وی۔ سی کو آمرانہ اختیارات دے دیئے ہیں کہ وہ کسی بھی طالبعلم کے خلاف کسی بھی وقت کوئی بھی قدم اٹھا سکتا ہے۔ تعلیمی اداروں میں برائے نام اضافہ ہوا ہے لیکن تعلیم کا معیار بد سے بد تر ہو گیا ہے۔ تعلیم کے وفاقی سیکرٹری نے کوئٹہ ورکشاپ میں تقریر کرتے ہوئے بتایا کہ پورے ملک میں ریاضی کا صرف ایک پروفیسر ہے اور کراچی یونیورسٹی کے Ph.D اساتذہ کی ۷۰ فیصد تعداد حکومت کی اجازت سے

بیرونی ممالک میں ملازمتیں کر رہی ہے۔ اس طرح حکومت ایک پتھر سے کئی چڑیاں مارنے کا حربہ آزما رہی ہے ایک طرف ملک میں اساتذہ کی قلت کے ذریعہ معیار تعلیم گھٹانا۔ ان اساتذہ کی تنخواہیں بچانا اور ان اساتذہ کے ذریعہ زرمبادلہ کمانا۔

۳۷۔ تعلیم کے بارے میں اس حکومت کا رویہ اس سے ظاہر ہے کہ نوجوانوں میں تعلیم کی شرح صرف ۲۰ فیصد ہے اور اس میں سے بھی ۱۲ فیصد سیکنڈری جماعتوں اور صرف ۲ فیصد یونیورسٹی تک پہنچتے ہیں۔ اس شرح میں مدتوں سے کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ ۱۹۷۵ء سے اب تک تعلیمی اور لٹریچر کتابوں کی اشاعت سال بہ سال گھٹ رہی ہے حکومت یہ چاہتی ہے کہ تعلیم کی حد صرف قرآن پاک تک رکھی جائے اور ہر شخص حافظ قرآن ہو اور بس۔ تمام لائبریریوں اور تعلیمی اداروں کو جلا دیا جائے۔ یہ فطری بات ہے۔ کہ کوئی شخص اس حکومت سے یہ توقع نہیں کر سکتا کہ وہ عورتوں کو ان کے حقوق خصوصاً تعلیمی حقوق دیگی کیونکہ یہ حکومت عورتوں کو ڈاکٹر انجینیر پروفیسر یا کھلاڑی ہونے کے قابل ہی نہیں سمجھتی بلکہ عورتوں کو چادر اور چار دیواری کے نام پر گھروں میں بند کرنا چاہتی ہے تاکہ ملک کی نصف سے زیادہ آبادی کو دوسرے درجہ کا شہری بنائے رکھے اور ملک کو پسماندہ رکھ سکے۔

۳۸۔ یہ توقع کرنا کہ فوجی جنتا عوام کے جمہوری حقوق از خود دیدیگی احمقوں کی جنت میں رہنا ہے ۵ جولائی ۱۹۷۷ء سے جب سے ضیاء ٹولہ اقتدار میں آیا ہے یہ مسلسل عوام کے حقوق غصب کر رہی ہے۔ اس نے عدلیہ کو بے بس کر دیا تحریر و تقریر و اجتماع کی آزادی کا نام و نشان نہ چھوڑا۔ پریس کو پابند کر دیا۔ یہی سلوک طلبا کے حقوق کیساتھ کیا۔ نہ صرف طلبا مزدور اور دوسرے محب وطن طبقات کے حقوق غصب کئے گئے۔ بلکہ مختلف قومیتوں کے حقوق پر منظم ڈاکہ زنی کی گئی۔

۳۹۔ پاکستان مختلف قومیتوں کا وطن ہے اگر کوئی شخص شتر مرغ کی طرح ریت میں سر چھپا کر اس کے برخلاف سمجھے تو اس سے قومیتیں ختم نہیں ہو جائیں گی۔ فوجی جنتا

نے قومیتوں کے حقوق کو کچلا ہے۔ قومیتوں کے حقوق بھی مختلف طبقات کے حقوق کی طرح جمہوری تحریک کا حصہ ہیں۔

۴۰۔ یہ فوجی جنتا سامراج کی پروردہ اور اس کے اشاروں پر ناچتی ہے اور سامراج کبھی پاکستان کے عوام کے مفادات کی پروا نہیں کرتا یہی وجہ ہے کہ فوجی جنتا پاکستان کی سرزمین کو سامراج اور چین کے ماؤ ٹولہ کی بھرپور اعانت سے، افغان انقلاب کیخلاف استعمال کر رہی ہے۔ افغانستان کا قومی جمہوری انقلاب تاریخی عمل کا حصہ ہے جو وقت کیساتھ مضبوط ہو رہا ہے اور اسے کمزور کرنے کی ہر سازش ناکام ہو رہی ہے۔ ثور انقلاب افغان عوام کی امنگوں کا ترجمان ہے جن کے لئے ۱۵ لاکھ ایکڑ زمین زمینداروں سے لیکر کسانوں میں تقسیم کی گئی تمام سود کا خاتمہ کر دیا گیا اور پچھلا سود معاف کر دیا گیا اور سود کے کاروبار کی سزائے موت مقرر کی گئی۔ افغان خواتین طلبہ، مزدور اور کسان تعلیمی اداروں میں اضافہ اور صنعتی ترقی پر مسرت کا اظہار کرتے ہیں۔ افغان انقلاب کی اصلاحات اور ترقی نے اس علاقے میں جو مثبت اثر ڈالا ہے اس سے سامراج خوفزدہ ہے جس نے افغانستان میں، پاکستان کی فوجی جنتا۔ جماعت اسلامی، جاگیرداروں کے نمائندے ظاہر شاہ اور افغانستان سے بھاگے ہوئے سود خوروں کی مدد سے مداخلت شروع کی ہوئی ہے، پاکستان کی حکومت نے خطرہ کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر متعدد بار افغان مسئلہ کے پرامن حل تلاش کرنے کا اعلان کیا لیکن ہر دفعہ سامراجی بلیک میلنگ اور دھمکیوں کی وجہ سے پیچھے ہٹ گیا۔ اب ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جنیوا مذاکرات افغان عوام کی فتح تک جاری رہیں گے۔

۴۱۔ پاکستانی عوام کا مفاد یہ ہے کہ فوجی جنرل افغانستان کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہ کریں۔ اس حکومت کا رویہ حفیظ اللہ امین کے ساتھ نیم دوستانہ تھا حالانکہ اس نے یہ اعلان کیا تھا کہ وہ بلوچستان اور سرحد کو افغانستان میں شامل کر کے عظیم تر افغانستان بنائے گا۔ موجودہ افغان حکومت کیساتھ اس کا رویہ دشمنی پر مبنی ہے حالانکہ ببرک کارمل

حکومت نے واضح اعلان کیا ہے کہ وہ سرحدوں میں کوئی تبدیلی نہیں چاہتی اور بلوچ، پٹھان اور دوسری قومیتوں کو اپنے مسائل پاکستان کی حدود کے اندر رہ کر حل کرنا چاہئیں۔ ببرک کارمل کے اس اعلان کے بعد ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ یہ حکومت دوستانہ رویہ اختیار کرتی لیکن ہوا یہ کہ فوجی جنتا افغانستان سے دشمنی اور ملک کی سالمیت سے کھیل رہی ہے اور ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کی طرف جارہی ہے جیسا کہ یحییٰ خان نے ۱۹۷۰ء میں کیا۔ چونکہ فوجی جنتا، ایران، افغانستان اور پاکستان کیخلاف سامراجی سازشوں میں مشغول ہے اس لئے تینوں ملکوں کے عوام کی جدوجہد ایک ہو گئی ہے۔ ان تینوں ہمسایہ ملکوں کے عوام متحد ہو کر سامراج سے آزادی حاصل کرینگے۔

۴۲۔ موجودہ حکومت خود کو اسلامی کہتی ہے۔ لیکن لوگوں کے شدید مطالبے کے باوجود بھی فلسطینیوں کے جہاد آزادی میں مدد کرنے اور امریکی ایجنٹ اسرائیل سے لڑنے کے لئے فوج کا کوئی دستہ نہیں بھیجا اور اس مطالبہ پر حکومت نے کان بند کر لئے۔ پاکستان کے عوام فلسطینیوں کے شانہ بشانہ لڑنے کے لئے جانے کو تیار تھے لیکن حکومت نے ایک آدمی کو بھی اجازت نہیں دی۔ میں نے اور میرے دوستوں کمال وارثی، نجیب سٹر، امداد چانڈیو، فقیر محمد منگریو، محمد خان سولنگی اور ان ہزاروں لوگوں نے جو قید میں ہیں یہ اپیل کی کہ ہمیں فلسطینی بھائیوں کی مدد کیلئے جانے دیا جائے، اور اگر ہم شہید نہ ہوئے تو واپس آکر اس مقدمے میں پیش ہونگے لیکن حکومت نے یہ اپیل مسترد کر دی بلکہ حکومت نے یہ کیا کہ فلسطینی بھائیوں کی ہمدردی میں جلوس اور مظاہرہ کر رہے تھے انہیں گرفتار کیا گیا اور ان پر تشدد کیا گیا۔ کچھ عرصہ پہلے جب فلسطینی طلبا کی انجمن GUPS اور سندھ NSF (جواب DSF ہے) نے ایرانی اور فلسطینی انقلاب کے بارے میں سندھ یونیورسٹی میں فلم دکھانا چاہی تو فوجی جنتا نے پابندی لگا دی۔ میں ان اسرائیلی اور امریکی طلبا کو سلام کرتا ہوں جنہوں نے فلسطینی عوام کیساتھ یکجہتی کا اظہار کیا۔

۴۳۔ ضیاء ٹولہ کی پالیسیاں عوام کیخلاف اور ملکی سالمیت کے لئے خطرناک ہیں

اس صورتحال میں طلبۂ خاموش تماشائی نہیں رہ سکتے اور ضیاء ٹولہ کو ملک کی سالمیت خطرہ میں ڈالنے کی اجازت نہیں دے سکتے، موجودہ حکومت یحییٰ خان کی طرح نظریاتی سرحدوں کا راگ الاپ رہی ہے تاکہ اپنے ملک دشمن عوام دشمن جرائم کو چھپا سکے لیکن ہمارے ملک کے طلبۂ ذہین اور ذمہ دار ہیں اور وہ سامراجی سازشیں اور فوجی ٹولے کے عزائم کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔

۴۴- ہم اور تم اسی سوسائٹی میں رہتے ہیں۔ تم سوسائٹی میں اصلاحات کرنے کی ڈینگیں مارتے ہو ہم بھی سوسائٹی میں تبدیلیاں لانے کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں تم خود کو محب وطن کہتے ہو ہم بھی خود کو محب وطن کہتے ہیں۔ پھر ہم میں اور تم میں فرق کیا ہے؟ فرق یہ ہے کہ ہم عوام کا شعور بلند کرنے کی جدوجہد کر رہے ہیں اور تم عوام کے شعور کو مسخ کرنے اسکی ترقی روکنے میں لگے ہو، ہم طبقاتی شعور پیدا کرتے ہیں اور تم طبقاتی نفرت۔ تم نے ریفرنڈم انتخابات کے نتائج سے انکار کیا ہم نے ہمیشہ عوام کے اقتدار اعلیٰ کی جدوجہد کی ہے تمہارے پاس مارشل لاء نافذ کرنے کا بہت تجربہ ہے اور ہمارے پاس مارشل لاء کی مخالفت کرنے کا، تمہیں ملک کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کا تجربہ ہے اور ہمیں اسکی سالمیت کے لئے لڑنے کا۔ تم مسلح تباہی پھیلانے والے لوگ ہو اور ہم نئے سماج کے پیامبر ہم جدوجہد کر رہے ہیں نہ صرف اپنے ملک کو بلکہ دنیا کو آزاد کرانے کی۔ تمام نوجوانوں اور طالب علموں کے حق کے لئے۔ ہم محب وطن ہیں کیونکہ صرف جمہوریت پسند اور ترقی پسندی محب وطن کہلائے جا سکتے ہیں۔ تمہاری منطق تو حیرت انگیز ہے۔ تم آئین سے غداری کرتے ہو اور فوجی بغاوتوں کے ذریعہ اقتدار میں آتے ہو اور ہم پر بغاوت کا الزام لگاتے ہو! یہ کیس صرف میرے یا میرے دوستوں کے خلاف نہیں۔ بلکہ پاکستان کے تمام محب وطن عوام کیخلاف ہے۔ تم جانتے ہو کہ عوام تمھارے خلاف ہیں۔ تم جانتے ہو کہ ہم عوام کی آواز ہیں۔ تم نے خود کو جنگی جنون میں مبتلا کر رکھا ہے جبکہ ہم ملک کی یکجہتی کے لئے لڑ رہے ہیں۔ تم قوم کو سامراج کی شہ پر علاقائی جھگڑوں میں

الجھاتے ہو جبکہ ہم سامراج سے آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ آج تم گدھوں کی طرح تباہی اور موت کی نشانی ہو جبکہ ہم نوجوان زندگی اور مستقبل کا نشان ہیں ہم ہو چی منہ کے وارث ہیں اور تم ہٹلر، شاہ ایران، ریگن اور پنوچیٹ کے، ہم سقراط کی سچ کی روایت اپنا فرض جانتے ہیں خواہ زہر کا پیالہ ہی ہمارا مقدر ہو۔ تم بندوق کی نال اور عوام کی امنگوں کے قتل عام میں یقین رکھتے ہو جبکہ ہم عوام کی طاقت پر یقین رکھتے ہو۔ آج رائے عامہ فیصلہ کن طاقت ہے فلسطینی مجاہدین کے لیے تمہاری حمایت کھوکھلے الفاظ پر مشتمل ہے جبکہ ہم عملی یکجہتی کا اظہار کرتے ہیں۔ ہم دنیا بھر کی اور خاص کر اس خطہ کی قومی آزادی کی تحریکوں کی حمایت کرتے ہیں جبکہ تم امریکی سامراج کے حاشیہ بردار ہو جو قومی آزادی کی تحریکوں کا دشمن اور اُن کے خلاف سازشوں کا سرغنہ ہے۔ تم جنگی جنون کو ہوا دینے ہو ہم امن چاہتے ہیں تم ہمارے خون پسینہ کی کمائی کو امریکی اسلحہ خریدنے پر صرف کرتے ہو جو ہمارے ہی خلاف استعمال ہوتا ہے جبکہ ہم اپنی معیشت کو مثبت پروگراموں مثلاً اسٹیل ملز، گدو تھرمل وغیرہ سے خود کفالتی بنانا چاہتے ہیں۔

۵۴ طالب علم برادری کے مسائل تعلیم شروع ہونے کے ساتھ ہی شروع ہو جاتے ہیں ملک کے ۸۰ فیصد اسکول جانے کی عمر کے بچے تعلیم کے حق سے محروم ہیں۔ ان کا وقت گندی نالیوں میں گذرتا ہے جبکہ میرے ملک کو ہزاروں سائنسدان، انجنیئر، ٹیکنیشن چاہئیں۔ ہمارے عوام کی فی کس آمدنی مغربی ممالک کی فی کس آمدنی کا چالیسواں حصہ ہے اور یہ فرق روز بروز بڑھ رہا ہے۔ پرائمری اسکولوں کی مقدار گھٹ رہی ہے۔ بیشتر اسکولوں میں اساتذہ نہیں ہیں اور ہوں بھی کیسے جب ان کی تنخواہیں چپراسیوں سے بھی کم ہیں۔ اگر کسی افسر کا تبادلہ ہوتا ہے تو حکومت انہیں ہر سہولت فراہم کرتی ہے لیکن کسی استاد کا تبادلہ ہوتا ہے تو اسے مکان کی سہولت بھی نہیں ملتی۔ بیشتر اسکولوں میں بیٹھنے کو چٹائی بھی میسر نہیں ہے پھر تعلیم بھی طبقاتی بنیادوں پر ہے بڑے لوگوں کے بچوں کے لیے پبلک اور پرائیوٹ اسکول ہیں جہاں بھاری فیسیں لی جاتی ہیں۔

۵۶۔ تعلیم ہمارے ملک میں بہت مہنگی ہے۔ فیسیں بہت ہی ہر سال اسی

کالج میں دوبارہ داخلہ لینا ہوتا ہے۔ ضیاء ٹولہ نے پھر پرائمری اسکولوں میں فیس چارج کرنا شروع کردی ہے۔ کتابیں کمیاب بھی ہیں اور مہنگی بھی، ہر سال کورس تبدیل ہوجاتا ہے دیہی طلبا کے لئے شہروں میں ہوسٹل کمیاب ہیں۔ تعلیم مہنگی ہونے کی وجہ سے بیشتر طلبا تعلیم کیساتھ ساتھ پارٹ ٹائم یا فل ٹائم جاب کرنے پر مجبور ہیں۔ اس وجہ سے ہم مستقل سستی تعلیم کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں ۔

۴۷۔ ہمارا تعلیمی نظام غیر سائنسی اور فرسودہ ہے۔ تعلیمی ماحول ازحد خراب ہے۔ حکومت اساتذہ پر تعلیمی معیار خراب کرنے کا الزام لگاتی ہے جبکہ اسکی ذمہ دار وہ خود ہے نصاب تعلیم طلبا کی ذہنی ترقی کے لئے کارآمد نہیں ہے۔ جدید سائنسی تعلیم نہ صرف کم ہے بلکہ ضیاء ٹولہ اسے اور بھی کم کررہا ہے حکومت کا سارا زور مذہبی تعلیم پر ہے تاکہ ہمارا نوجوان دوسرے ممالک کے مقابلہ میں احساس کمتری میں مبتلا رہے ۔

۴۸۔ دیہی علاقوں میں اسکولوں کی ضرورت کے مقابلہ میں صرف ۱۰ فیصد اسکول ہیں ان میں سے بھی کچھ صرف کاغذ پر ہیں۔ چھوٹے شہروں اور دیہاتوں کے اسکولوں میں کوئی فرنیچر نہیں ہے۔ کہیں کہیں اسکول کے لئے عمارت بھی نہیں ہے۔ سائنسی آلات کا تو ذکر ہی کیا۔ دیہاتوں میں ہائی اسکول اور مڈل اسکول بالکل نہیں ہیں جس کی وجہ سے طلبا کو میلوں پیدل چل کر جانا پڑتا ہے تعلقہ کی سطح پر کوئی کالج نہیں ہے۔ لڑکیوں کے اسکول تو تعلقہ میں بھی نہیں ہیں۔ تعلیمی اداروں کی کمی کی وجہ سے سیکڑوں بچے داخلوں سے محروم رہتے ہیں۔ دیہاتوں میں غیر ہموار معاشی ترقی اور محدود تعلیمی سہولتوں کی وجہ سے میڈیکل اور انجینئرنگ کالجوں میں کوٹہ سسٹم نافذ کیا گیا ہے۔ حکومت اس کوٹہ سسٹم کے مسئلہ پر بھی لوگوں میں نفرت کے بیج بوتی ہے کبھی کوٹہ سسٹم کی حمایت کرکے کبھی مخالفت کرکے۔ ہماری ضرورت یہ ہے کہ ہر طالبعلم کو جو میڈیکل یا انجینئرنگ وغیرہ میں داخلہ لینا چاہتا ہے، داخلہ ملنا چاہیئے تاکہ طلبا اور عوام میں اس مسئلہ پر پھوٹ نہ پڑے۔ تمام نوجوانوں اور شہریوں کو "تعلیم ہمارا حق ہے نہ کہ رعایت" کے نعرہ کے تحت

تعلیم ملنا چاہیئے اور یہ نعرہ تمام دنیا کے نوجوانوں اور طالب علموں کا نعرہ ہے جو IUS کے پرچم تلے جدوجہد کر رہے ہیں۔

۴۹۔ حکومت تعلیمی اداروں کو بند کرنے کا ہر موقع ڈھونڈتی ہے۔ امن عامہ کے نام پر طلبا کی سرگرمیوں پر پابندی لگاتی ہے ہر مہینہ طلبا سے ہوسٹل خالی کرائے جاتے ہیں تعلیمی اداروں کو مارشل لا کے دفاتر میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ سیکڑوں طلبا کو کالجوں سے ہر ہفتہ نکالدیا جاتا ہے۔ اسکولوں اور کالجوں میں پولیس اسٹیشن اور فوجی کیمپ بنا لیئے گئے ہیں حکومت کو سمجھنا چاہیئے کہ وہ کب تک یہ طریقہ استعمال کر سکتی ہے

۵۰۔ تشدد اور وحشی ہتھکنڈوں کا استعمال خود اس بات کا ثبوت ہے کہ جمہوری قوتیں پہلے سے زیادہ طاقتور ہیں۔ یہ حربے کب تک چلیں گے کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آج کا نوجوان ہی اس ملک کا مستقبل ہے، یہ ملک عوام سے ہے لوگوں کے مسائل کا حل جمہوریت میں ہے اور جمہوریت کی بنیاد جمہوری تعلیم ہی ہے۔ صرف امن اور جمہوری تعلیم ہی ملکی سالمیت کی ضمانت ہیں پاکستان غیر جانبدار ممالک (NAM) کا ممبر ہے اور NAM کے چیئرمین کے الفاظ یہ ہیں "اگر فوج عوام کی خدمت کرتی ہے تو تنخواہ اور سہولتوں کی حقدار ہے اور اگر اس میں ناکام ہوتی ہے تو اس کی بیرکس کو تعلیمی اداروں میں تبدیل کر دینا چاہیئے۔

۵۱۔ نہ صرف یہ کہ تعلیم جمہوری نہیں ہے بلکہ ہمارے تعلیمی ادارے بھی نوکر شاہی پولیس اور فوج کے کنٹرول میں ہیں۔ ہم جدوجہد کرتے رہے ہیں کہ تعلیمی اداروں کو آزاد اور خود مختار ہونا چاہیئے یا تو یہ عوام کے منتخب نمائندوں کے ہاتھ میں ہوں یا اساتذہ اور ماہرین تعلیم کے یہ ایک جائز مطالبہ ہے تعلیمی ترقی، ماہرین تعلیم سے وابستہ ہے۔ تعلیم بندوق کی نال کے زور پر نہیں ہوتی۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ حکومت تمام ملک خاص کر سندھ اور بلوچستان کے تعلیمی اداروں میں انتخاب کرا کر ذمہ داری یونینوں کو سونپ دے تاکہ طلبہ اپنے مسائل حل کر سکیں اور مستقبل کی جمہوری قیادت ابھر سکے۔

۵۲ - حکومت نے کھیل، مباحثے، مضمون نویسی کے مقابلے جیسی غیر نصابی سرگرمیاں فضول سمجھتے ہوئے نصاب سے خارج کردیں۔ بچوں کے کھیل کے میدانوں پر مارشل لاٹ کورٹس نے قبضہ کر لیا۔ تعلیم کے بجائے جہالت پھیلائی جارہی ہے۔ ہم جہالت کے خلاف جہاد کر رہے ہیں۔ نوجوانوں کے عالمی رہنما فیڈل کاسٹرو نے ہوانا میں تقریر کرتے ہوئے کہا "میں چاہتا ہوں کہ میں ہر نوجوان کو طالب علم کہہ کر پکاروں لیکن افسوس کہ نوجوانوں کی اکثریت علم کی روشنی سے محروم ہے"۔ اس پر بھی حکومت ایسا تعلیمی سسٹم نافذ کر رہی ہے جو ان کی معیشت کے لئے صرف فاضل پرزے پیدا کر سکے۔

۵۳ - اگر ہم جمہوری تعلیم حاصل ہونے کی رکاوٹوں کو نظر انداز کر دیں تب بھی یہ بات صاف ہے کہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد ہر طالب علم کو کسی نہ کسی شعبہ میں خدمات انجام دینی ہیں لہٰذا روزگار کی ضمانت ہر طالبعلم کا بنیادی حق ہے اور روزگار کی ضمانت کیلئے ہر طالب علم کی نظر سماجی نظام کی طرف اٹھتی ہے۔

۵۴ - نوجی جنتا علیحدہ خواتین یونیورسٹی کھولنے کی بات کرتی ہے جبکہ ماہرین تعلیم کا کہنا ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیمی علیحدگی سے متعدد سماجی مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے تمام مہذب ممالک میں مخلوط تعلیم کا رواج ہے۔ مارشل لاٗ حکومت مخلوط تعلیمی اداروں کیخلاف اسلام کے نام پر پروپیگنڈہ کرتی ہے اور نوجوانوں پر فحاشی اور جنسی جرائم کے الزام لگاتی ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ جنسی جرائم کی اصل وجہ معاشی اور سماجی مسائل ہیں۔ حکومت اصل حقائق کو جھوٹ کے پردے میں چھپانا چاہتی ہے جنسی جرائم کراچی سے لیکر دور دراز کے ان دیہاتوں میں موجود ہوتے ہیں، جہاں کوئی اسکول نہیں ہے اور دور دور تک مخلوط تعلیم کا رواج نہیں ہے دراصل اس اسلامی مارشل لاٗ حکومت کے دور میں جنسی جرائم کی تعداد بہت بڑھی ہے اگر ہم ان جرائم کی تہہ میں جو نفسیات ہے اسے دیکھیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ علیحدگی ہی ان کا بڑا سبب ہے۔ عام تعلیم اور مخلوط تعلیم ہی وہ حل ہے جو ان جرائم کو کم کر سکتا ہے

مخلوط تعلیم دونوں جنس کے افراد کو قریب لاتی ہے اور ایکدوسرے کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے اور دونوں کے درمیاں خلا کو کم کرتی ہے جس سے وہ ایکدوسرے کے لئے عجیب اور اجنبی نہیں رہتے پھر یہ کہ مخلوط تعلیم ایک دوستانہ مقابلہ کی فضا پیدا کرتی ہے جو تعلیمی معیار کو بڑھلنے میں مدد دیتی ہے ایک مثال کافی ہے۔ شیریں سومرو مخلوط تعلیمی کالج کی نہیں بلکہ گرلز میڈیکل کالج کی طالبہ تھی میجر کفایت اللہ جس نے اس پر مجرمانہ حملہ کیا جو اس وقت ملک کی نظریاتی سرحدوں کا دفاع کر رہا تھا وہ بھی کسی مخلوط تعلیمی ادارہ کا پڑھا ہوا نہیں تھا۔ لہذا یہ کہنا لغو ہے کہ مخلوط تعلیمی اداروں پر جنسی جرائم کی ذمہ داری آتی ہے ، اس کے ذمہ دار معاشی اور سماجی نظام ہیں اور سائنسی تعلیمی پالیسی اور سماجی ڈھانچہ کی تبدیلی ہی اس کا حل ہے ۔

۵۵۔ طالبعلم برادری اپنے اس تاریخی رول سے واقف ہے جو ان مسائل کے حل کرنے میں اسے دوسرے طبقات کے ساتھ مل کر ادا کرنا ہے۔ انہیں معلوم ہے کہ حکمران طبقے ان کے راستہ میں رکاوٹیں پیدا کریں گے ۔حکومت اتنی خوفزدہ ہے طلبا سے کہ ان کی آواز دبانے کے لئے وہ تعلیمی اداروں کو بند کر رہی ہے وہ ہر طلبا تحریک کو کسی بھی صورت میں کچلنے کی کوشش کرتی ہے۔ لیکن حکومت یہ نہیں جانتی کہ جب طلبہ کو تعلیمی اداروں سے پولیس کے ذریعہ نکالا جاتا ہے تو وہ ٹریڈ یونین میں پناہ لیتے ہیں کیونکہ طلبا جانتے ہیں کہ مزدور طبقہ ہی سماج کی تبدیلی کے لئے مستقل مزاجی سے لڑتا ہے اس طرح طلبا کی سیاست مزدور طبقہ کی سیاست میں ضم ہو جاتی ہے اور دونوں انقلابی طبقے متحد ہو جاتے ہیں۔ مزدور طبقہ طلبا کی تعلیم سے فائدہ اٹھاتا ہے اور طلبا مزدور طبقے کی مستقل مزاج طاقت سے۔ دوسری طرف وہ طلبا جو نکالے جانے پر دیہاتوں میں چلے جاتے ہیں۔ کسانوں میں جدوجہد کا شعور پھیلانے کا سبب بنتے ہیں یہ رشتہ جتنا گہرا ہوتا ہے جمہوری تحریک کا دھارا اتنا ہی مضبوط ہوتا ہے

۵۶ - تمام دنیا کے طالب علموں میں اپنی تاریخ خود بنانے کا رجحان غالب

ہے اور پاکستان کے طالب علم بھی کوئی استثنا نہیں ہیں، پیٹرس لومبا کے الفاظ میں "ہر گریجوئیٹ اپنے ملک کی اسمبلی کا ممبر ہے" ایشیا افریقہ اور لاطینی امریکہ کی قومی آزادی کی تحریکوں میں طلباؑ نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ طلباؑ نے ایوب اور یحییٰ کی آمریت کو ختم کرنے میں بھی بڑا حصہ لیا ہے۔

۵۷۔ سامراجی غلبہ اور نیم نوآبادیاتی استحصال ہمارے ملک میں طلباؑ کے مسائل کو شدید بنا رہے ہیں۔ پورا ملک فاقہ کشی بیروزگاری جہالت بیماریوں کی بدحالی اور مزدوروں کی چھانٹی کا شکار ہو رہا ہے، زندگی کی ہی ضمانت نہیں رہی تو روزگار کی کیا ضمانت تحریر تقریر پر بس۔ سیکھنے سکھانے کی آزادیاں مجروح ہیں یہ فضا طلباؑ اور ان کے والدین کے لئے گھٹن پیدا کر رہی ہے کیا اس حالت میں طلباؑ اور نوجوان خاموش بیٹھ سکتے ہیں ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ موجودہ مارشل لا حکومت اور حکمران طبقے ان مسائل کو حل نہیں کر سکتے۔ ان مسائل کو کمرشیل بنیادوں پر حل نہیں کیا جا سکتا۔ عوام کا شعور بڑھنا ان کیلئے موت ہے اور وہ خود اپنی موت کے پروانہ پر دستخط نہیں کر سکتے۔ ان مسائل کو صرف مزدور طبقہ کی حکومت جو سائنسی نظریاتی بنیادوں پر قائم ہو حل کر سکتی ہے۔ ہم اسی کیلئے جدوجہد کر رہے ہیں اور اس کے لئے جیلیں کاٹنا۔ ٹارچر کیمپوں سے گذرنا اور موت کو گلے لگانا کھیل سمجھتے ہیں طلباؑ اور نوجوان، قومی جمہوری معاشی، تہذیبی اور طبقاتی حقوق کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں، میں یہ واضح کر دوں کہ سندھ کے نوجوانوں میں حقوق کے مسئلہ پر تین رجحانات ہیں۔ ایک رجحان یہ ہے کہ صرف سندھی مزدور اور سندھی ہاری کو ہی منظم کیا جانا چاہیے سندھ کی آزادی کے لئے۔ کیونکہ پنجابی اور پٹھان ان کے دشمن ہیں، یہ دونوں رجحان جاگیردارانہ قوم پرستی اور درمیانہ طبقے کی قوم پرستی کے نمائندے ہیں اسی لئے رجعت پسند سیاست کا حصہ ہیں اور بورژوازی کو مضبوط کرنا چاہتے ہیں۔ تیسرا رجحان، انقلابی رہنما کامریڈ جام ساقی کے الفاظ میں یہ ہیں "ذات پات رنگ نسل یا قوم کی سامراجی غلبہ سے آزادی کی جدوجہد، مزدور طبقہ کی حکومت ان مسائل کا

واحد حل ہے اور قومیتوں کے مسائل جمہوری تحریک کا حصہ ہیں۔ قومی آزادی اور علیحدگی در علیحدہ اور متضاد رجحانات ہیں، قومی آزادی کی تحریک، سامراج سے آزادی کی جدوجہد ہے اور اندرونی طور پر استحصالی طبقات سے آزادی کی جدوجہد ہے۔ جبکہ علیحدگی (secession) کا نتیجہ سرحدوں کی تبدیلی میں اور سماجی نظام کو برقرار رکھنے میں نکلتا ہے۔ ہمیں کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ ہمارا ملک سامراج کے معاشی استحصال کا شکار ہے اور اس کے ایجنٹ حکمران طبقے نے قومی جبر قائم کیا ہے تاکہ تیزی سے بڑھتی ہوئی مزدور تحریک کو، قوموں کو تقسیم کرنے اور لڑانے کی پالیسی سے روکا جائے" اگر ہم پورے ملک کے قومی جمہوری تحریک کے بہاؤ کو نظر میں رکھیں تو معلوم ہوگا کہ ون یونٹ ٹوٹنے کے بعد پنجاب کے طلباء اور نوجوان موقع پرستی کے بجائے جدوجہد کی طرف بڑھے ہیں۔ یہ رجحان روزانہ مضبوط تر ہو رہا ہے اور پنجاب کے طلبہ اور نوجوانوں کا جمہوری تحریک سے رشتہ بھی۔ نتیجتاً "مارشل لا کے خلاف مزاحمت بھی بڑھ رہی ہے، موجودہ بین الاقوامی اور علاقائی صورتحال نے بلوچستان نے طلباء اور نوجوانوں کی تنہائی کو ختم کیا ہے اور ان میں بھی دوسری قومیتوں اور جمہوری طاقتوں سے مل کر جدوجہد کرنے کا رجحان بڑھا ہے نیشنلزم کے جذبہ کے بجائے بین الاقوامیت اور طبقاتی شعور میں اضافہ ہوا ہے اور ان میں انقلابی طاقتیں خود کو منظم کر رہی ہیں افغانستان کے ثور انقلاب نے بھی سرحد کے عوام طلباء اور نوجوانوں میں انقلابی جدوجہد کے خیالات کو متاثر کن طریقے سے پھیلایا ہے۔

۵۸۔ عام طور پر علیحدگی پسندی کے بجائے انقلابی سوچ بڑھ رہی ہے اور انقلابی طاقتیں پہلے کی نسبت زیادہ موثر کردار ادا کر رہی ہیں۔ اسی وجہ سے حکمران طبقہ سوتے میں بھی چیخ اٹھتا ہے کہ سوشلزم درّہ خیبر کے دروازہ پر دستک دے رہا ہے۔

۵۹۔ ہم جانتے ہیں کہ سامراج ہر وقت پرانے اور فرسودہ نظریوں کا ریڈیو۔ ٹی وی پریس۔ فلم اور دوسرے ذرائع سے پروپیگنڈہ کرتا ہے تاکہ نوجوان فراریت کی طرف مائل ہوں اور انقلابی جدوجہد کی طرف نہ جائیں مثلاً (escapism) کا رجحان جس سے زندگی

سے نفرت پیدا ہوتی ہے اور صلاحیتوں کو زنگ لگ جاتا ہے منشیات ایک اور حربہ ہے ذہنی ترقی کو جنسی کجرویوں کے ذریعہ تباہ کرنا بھی سامراج کا طلبا اور نوجوانوں کے خلاف ایک ہتھیار ہے عورتوں کے تقریباً عریاں ماڈل فحاشی اور عریانیت اور ہم جنس پرستی بھی اسی ذہنی کجروی کا نتیجہ ہے جو سامراجی پروپیگنڈہ کے زیر اثر پیدا ہوتی ہے

اور مخش لٹریچر ایک طرف نوجوانوں کو تباہ کرتا ہے دوسری طرف اس کی لاکھوں کی اشاعت سرمایہ داروں کی آمدنی کا ایک ذریعہ ہے مزید یہ کہ ہمارے نوجوانوں کی توجہ ترقی پسند اور سائنسی لٹریچر کی طرف نہیں ہوتی جاسوسی فلمیں اور لٹریچر بھی اسی کھیل کا حصہ ہیں جن سے لوگ قتل اور ڈاکے ڈالنا سیکھتے ہیں مغربی ممالک میں تعلیم کا مرکزی مقصد انفرادیت پیدا کرتا ہے اور یہی زہر پاکستان میں بھی پھیلایا جا رہا ہے انفرادیت، سماجی زندگی سے علیحدگی پسند پیدا کرتی ہے۔ حکمران طبقہ کے مفادات کو یہ انفرادیت پورا کرتی ہے کیونکہ اس سے فرد کی صلاحیتوں کے استحصال میں آسانی ہوتی ہے، تمام سائنسی ترقی، دنیا بھر کی اجتماعی جدوجہد کا نتیجہ ہے لیکن اجارہ دار اسکو صرف اپنے مفاد میں استعمال کرتا ہے سامراج لوگوں کو ذات پات رنگ نسل زبان مذہب کے خانوں میں تقسیم کرتا ہے تاکہ حکومت کرنے میں آسانی ہو۔ سامراج سیاسی عمل میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر عوام پوری طرح سیاسی عمل میں حصہ لیں تو یہ اسکی موت ہوگی۔ اسی لئے حکمران طبقات لوگوں کو دائیں اور بائیں بازو کی انتہا پسندی میں مبتلا رکھتے ہیں کیونکہ یہ دونوں رجحانات رجعت پسند سیاست کا حصہ ہیں ہیروازم کے زیر اثر کچھ نوجوان بڑے بڑے دعوی کرتے ہیں لیکن پھر مایوس ہو کر عوام کو گالیاں دینے لگتے ہیں۔ شخصیت پرستی بھی اسی طرح کا مہلک عارضہ ہے۔ اسی طرح سامراجی پروپیگنڈہ مستقل جدوجہد کے بجائے مصالحت۔ موقعہ پرستی اور اصلاح پسندی پر زور دیتا ہے سرمایہ دار سماج چونکہ ایک طبقاتی سماج ہے۔ اس لئے وہ نوجوانوں میں طبقے

کا احساس کمتری پیدا کرتا ہے۔ صورتحال بہت الجھی ہوئی ہے پھر بھی ہم دنیا بھر کے اور پاکستان کے طلباء اور نوجوان جدوجہد کر رہے ہیں اور فتح یقیناً ہماری ہوگی۔

۶۰۔ ہم طالب علم جانتے ہیں کہ حکمران طبقے اتنے تنہا ہیں کہ آبادی کا کوئی محب وطن حصہ ان کی حمایت کے لئے تیار نہیں ہے۔ اسی لئے یہ عوام کا اقتدار اعلیٰ از خود واپس نہیں کرینگے۔ ہمیں مستقل مزاجی سے جدوجہد کرکے اقتدار اعلیٰ حاصل کرنا پڑے گا۔ اقتدار اعلیٰ سے ہماری مراد یہ ہے کہ ملک کا کنٹرول عوام کے ہاتھ میں ہونا چاہیئے نہ کہ یانکی امریکنوں کے ہاتھ میں۔ اسی لئے ہم جانتے ہیں کہ سامراج کو نکالے بغیر جمہوریت کا تصور محال ہے۔ حکمران طبقہ اتنا تنہا ہو چکا ہے کہ اب وہ پولیس اور دوسرے انتظامی اداروں پر بھی بھروسہ نہیں کرتا اور صرف فوج پر اعتماد کرتا ہے۔ وہ ہماری فوج کو ہمارے محافظ کے بجائے سامراجی کرایہ کی فوج بنا رہے ہیں مجھے یقین ہے کہ میرے ملک کے سپاہی اس کردار کو کبھی پسند نہیں کرینگے۔ خواہ مارشل لاء اس کے لئے کتنی ہی رعایتوں کا اعلان کرے۔ حکومت عوام کی محنت کی کمائی سے روزانہ ایک کروڑ روپیہ مارشل لاء ڈیوٹی پر خرچ کر رہی ہے۔

۶۱۔ آج نہ صرف طلبا بلکہ مزدور کسان خواتین مصنف دانشور وکیل صحافی اور اساتذہ بھی مارشل لاء کے جبر کا شکار ہیں۔ ایک ہی ظالم کے خلاف ان کا اتحاد بڑھ رہا ہے اور یہی اتحاد سامراج کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے گا۔

۶۲۔ مجھے فخر ہے کہ میں DSF کا کارکن ہوں جو طلباء کی سب سے زیادہ ترقی پسند اور سب سے بڑی تنظیم ہے۔ مجھے فخر ہے کہ DSF طلباء کی عالمی تنظیم IUS اور نوجوانوں کی عالمی تنظیم WFDY کی ممبر ہے جو امن جمہوریت اور ترقی کی عالمی تحریک میں اپنا کردار ادا کر رہی ہیں DSF نے ہی طلباء تحریک کا آغاز کیا تھا۔ پروفیسر جمال نقوی جو ۱۹۵۳ء کی طلبہ تحریک کے لیڈر تھے اسی آرگنائزیشن سے وابستہ تھے اور آج میرے ساتھ اس کیس میں ہیں۔ سندھ NSF کے بانی اور آج مزدوروں کسانوں کے رہنما جام

ساتھی بھی میرے ساتھ اس کیس میں ہیں۔ آپ اس ملک کے پس منظر کو دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ مزدور طبقہ کے بیشتر رہنما طالب علموں میں سے آئے ہیں۔ میں سلام کرتا ہوں ان تمام طالب علموں اور محنت کشوں کو جنہوں نے اپنی جانیں نذر کیں اور قربانیاں دیں۔ میں سلام کرتا ہوں میرے ساتھی اور میرے رہنما نذیر عباسی شہید کو جو آج ہمارے ساتھ اس لیے نہیں ہے کہ قصابوں نے اسے قتل کر دیا۔ لیکن یاد رکھو۔ ایک نذیر عباسی کا قتل ہزاروں نذیر عباسی پیدا کرتا ہے۔ ایک حمید بلوچ کی موت ہزاروں حمید بلوچ پیدا کرتی ہے۔ ہم اس ملک کے بہادر لوگوں کا حصہ ہیں اور اپنے ذاتی کیریئر کے بجائے اپنے تاریخی اور محب وطن کردار پر فخر کرتے ہیں۔

۶۳۔ پاکستان کے نوجوانوں کی نمائندگی کرتے ہوئے میں اس فوجی عدالت کو عدلیہ کا حصہ تسلیم نہیں کرتا بلکہ اسے استحصالی حکومت کا ایجنٹ سمجھتا ہوں۔ میں اعلان کرتا ہوں کہ ملک اور عوام کے مفاد میں جو کچھ ہم نے کیا ہے ہم اس پر فخر کرتے ہیں اور یہی کرینگے۔ ہمارا مقصد پاکستان میں سیکولر جمہوری حکومت قائم کرنا ہے جس کی طاقت کا منبع عوام ہوں۔ ہم کسی کے آگے سر جھکانے کو تیار نہیں ہیں۔ ہم قسم کھاتے ہیں کہ ہم پاکستان کو عوام کا پاکستان بنائینگے۔ ہم کسی سے خوفزدہ نہیں ہیں۔ خوفزدہ تو وہ لوگ ہیں جو سمجھتے ہیں کہ ہمیں روک سکیں گے عوام کا جمہوری طاقتور دھارا ان سب کو بہالے جائیگا۔ جیسا افغانستان میں ہوا اور جیسا ساری دنیا میں ہوگا۔ شکست ان کا مقدر ہے اور ہماری فتح ناگزیر ہے۔

ایک ہی حل انقلاب

انقلاب

بدر جمال ابڑو

نام:- بدر جمال ابڑو

ولدیت:- جمال ابڑو

جائے پیدائش:- لاڑکانہ ۱۹ر دسمبر ۱۹۵۳ء

ابتدائی تعلیم: اندرون سندھ کے مختلف شہروں میں حاصل کی۔ سندھ یونیورسٹی سے بی کام کیا۔ اس کے علاوہ آرٹس کونسل آف پاکستان سے مجسمہ سازی میں ڈپلومہ حاصل کیا۔

مختصر حالات زندگی:- آپ کا تعلق سندھ کے مشہور ادبی خاندان سے ہے۔ آپ کے والد جمال ابڑو سندھی کے مشہور افسانہ نگار رہیں۔ بدر خود بھی افسانے لکھتے رہیں اور شاعر بھی ہیں۔ جب ۱۹۸۰ء میں گرفتار ہوئے تو بزنس کر رہے تھے۔ بعد میں ۱۹۸۵ء میں رہا ہوئے اور اب روزنامہ "ہلال پاکستان" میں ہیں۔

بدر جمال ابڑو

انصاف عبادت کی اعلیٰ ترین صورت ہے۔ کسی نتھو اور خیرو کو عدالت کی کرسی پر بٹھا دیجئے میں اس کا احترام کروں گا۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ اس عدالت کی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے لوگ نتھو اور خیرو ہیں۔ وہ اس منظم قوت کے ممبران ہیں جسے اس بدحال اور شکستہ حال دھرتی کے عوام کے وقار اور آزادی کی حفاظت کی خاطر وجود دیا گیا۔ یہ ایک ناقابل وضاحت حقیقت ہے کہ اس کرسی پر بٹھاتے ہوئے کسی بھی شخص میں انصاف اور ذمہ داری کا عجیب احساس سرایت کر جاتا ہے۔

بنیادی حقوق، بے حد بنیادی ہیں۔ وہ انسان کے فطری اور پیدائشی حقوق ہیں بنیادی حقوق کا تصور امریکہ یا یورپ سے درآمد (IMPORT) نہیں کیا گیا۔ انسان پیدا ہوا، اور اسے بیان کی قوت حاصل ہے۔ بولنا اور خیالات کا پرچار کائناتی حق ہے جو پیدا ہوتے ہی حاصل ہوا۔ قلم تلوار سے زیادہ طاقتور ہے، دانائی حقیقت سقراط کی مہربانی نہیں اور علم کا قلم سے حاصل ہونا بھی حقیقت ہے یہ کوئی جرم نہیں کہ ایسے کائناتی حق پر عمل کیا جائے جو انسان کو حاصل ہوا۔ میں کیا کر سکتا ہوں۔ اگر میں شاعر ادیب اور فنکار ہوں یہ میرے خون میں ہے۔ میرے والد کا شمار ملک کے اس حصے میں چوٹی کے ادیبوں میں ہوتا ہے میرے دادا علی خان ابڑو ایک غیر معمولی انسان، نمایاں تعلیم داں اور کئی کتابوں کے مصنف تھے اور عمر بھر مجاہد کی سی زندگی بسر کی۔ میں ایک ادبی خاندان سے تعلق رکھتا ہوں۔ اور میں مجبور ہوں اگر میں مصوری اور مجسموں کے ذریعے سماج میں موجود اذیت اور شکستہ حالی

بیان کرتا ہوں۔ اور مجموں اور شاعری میں انسانی برابری محبت اور برادری کا پرچار کرتا ہوں
دولت سمیٹنے کی مذمت صرف مارکس اور اینگلس نے ہی نہیں کی بلکہ جمع وعددہ کے طاقتور
الفاظ قرآن شریف سے آتے ہیں جو مذمت کرتے ہیں ارتکاز دولت کا اور جو اسے جمع کرتے
اور گنتے ہیں۔ اگر چند ہاتھوں میں دولت کے ارتکاز کی مذمت کرنا جرم ہے تو پھر چاہئیے
اور حضرت ابو ذر غفاری کی نعش ان کی گمشدہ قبر سے کھود نکالیں اور ان کی گردن میں رسہ
ڈال کر اس وقت لٹکائے رکھیئے جب تک ان کے بتائے ہوئے اصولوں کو موت
نہیں آجاتی۔

میرے خیال میں زندگی، انسانی شکستہ حالی اور درد کے خلاف ایک لافانی جدوجہد ہے۔ میں ایسا ہی پرچار اپنے قلم، برش اور چھینی سے جاری رکھوں گا۔ یہ میرا پیدائشی حق ہے آرٹسٹ اور شاعر ملک کا قیمتی سرمایا ہوتے ہیں قلم کے ذریعہ سے علم کا پھیلاؤ کرنا اس کی کائناتی ذمہ داری ہے۔ دانشور کے قلم کی روشنائی شہید کے خون سے زیادہ مقدس ہوتی ہے اس کی روایات ثقافت اور سوچ کی طرف سے اس پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ دولت کے چند ہاتھوں میں جمع ہونے اور اس کی گنتی اور بار بار گنتی کی مذمت کرے اسے یہ ذمہ داری پوری کرنے سے روکنا قابل شرم جرم ہے۔ اسے اس میدان میں آزاد چھوڑ دینا مقدس اصول ہے اور یہ بات انسانیت اور پوری دنیا میں بسنے والے انسانوں کے حق میں ہے قلم کے ذریعہ آزادی سے پرچار میں ترقی اور کامیابی کا راز پنہاں ہے بجائے اس کے کہ میری ان کوششوں کو سراہا جاتا مجھے زنجیروں سے جکڑ لیا گیا اور غدار اور تخریبکار ہونے کا ٹھپہ لگا دیا ہے یہ منافقت کی اعلیٰ ترین شکل ہے خاص طور پر ان کی طرف سے جو صبح اور شام اسلام کی روح کا ڈھنڈورہ پیٹتے ہیں کیا یہ اسلام ہے کہ کسی کو محض ایک ایسے سادہ کارڈ کی بنیاد پر سزا دی جائے جس میں ایک مجرم کو کوڑے لگتے ہوئے دکھایا گیا ہو۔ یہ تصویر ملک کے ہر اخبار میں نمایاں طور پر اور ہیرالڈ میگزین کے ٹائیٹل کے طور پر چھپ چکا ہے۔

جناب شاعر ادیب اور فنکار فطرتاً اچھے لوگ، امن پسند اور قابل عزت شہری

ہوتے ہیں۔ وہ آزادی میں امن کا جھنڈا اونچا رکھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو غدار اور تخریبکار کہنا بذات خود ایک تضاد ہے۔ وہ اپنے ملک اور لوگوں سے محبت کی وجہ سے مصوری کرتا اور گاتا ہے وہ ایسا نہیں ہو سکتا ہیں پھر سے دہراتا ہوں، وہ اپنے لوگوں اور اور دھرتی کا غدار نہیں ہو سکتا۔

میں قلم، برش اور چھینی کے ذریعے خدمت کی وجہ سے بہتر رویہ اور عزت کا مستحق تھا لیکن چند آگ بگولہ، نامعلوم اور سادہ کپڑوں میں ملبوس لوگ میرے دفتر میں طوفان لے آئے انہوں نے مجھے گرفتار نہیں درحقیقت اغوا کیا اور بدتمیزی سے پیش آئے وہ مجھے ایک پرائیویٹ کار میں نامعلوم اور ویران جگہوں کی طرف لے گئے۔ اسے قانون کی اصطلاح میں گرفتاری نہیں کہا جا سکتا۔ اگر یہ گرفتاری تھی تو میں حیران ہوں کہ مجھے میری گرفتاری کے اسباب کیوں نہیں بتائے گئے چار سو سات دن کی اذیت ناک قید کے بعد مجھے بتایا گیا کہ مجھے تخریبکاری کے الزام کے تحت گرفتار کیا گیا ہے اس وقت تک مجھے قید ہوئے دو سال سے زائد ہو چکے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کیا یہ ہے آپ کا اسلامی انصاف؟ مجھے اندیشہ ہے کہ یہ سوال بھی تخریبکاری کے زمرے میں آجائے گا۔ میں کسی شکاری پرندے کے پنجوں میں فاختہ کی مانند محسوس کر رہا ہوں اور مجھے میرے اپنے جسم پر اپنے ہی خون کے چھینٹے دکھا کر کہا جا رہا ہے کہ میں شکاری ہوں، جبکہ اصل شکاری کے خون سے تر پنجوں کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔ مجھے یہی کچھ حاصل ہوا ہے۔

امرتا پریتم کا خیال ہے کہ شاعر ققنس پرندے کی طرح ہوتا ہے وہ پرندہ جو اپنے وجود سے موسیقی پیدا کرتا ہے جب اکہ موسیقی سے آگ بھڑک اٹھتی ہے اور اس کا اپنا ہی وجود جل کر راکھ ہو جاتا ہے اور جب بارش ہوتی ہے تب اس کی راکھ سے پھر جنم لیتا ہے جو پھر اپنے وجود سے موسیقی پیدا کرتا ہے اور پھر جل کر راکھ ہو جاتا ہے شاعر بھی اسی طرح لوجلاتا ہے اور اپنے وجود کی بھینٹ دیتا ہے اور پھر ہر دور میں پیدا ہوتا رہتا ہے جس سے اپنے وجود کی بھینٹ دینے کے لئے یہ ایک تاریخی سچ ہے۔ شاعر کو پھانسی پر چڑھا دیتے

وہ پھر عیسیٰ کی طرح واپس آجائے گا اور زندہ رہے گا میں اعلان کرتا ہوں کہ تاریخ اسے اور مجھے بھی بے گناہ ثابت کرے گی میں اپنے ضمیر کی عدالت میں کھڑا ہوں میرے ضمیر نے بے مجھے بری کر دیا ہے۔ آپ بھی ضمیر کی عدالت کو فیصلہ کرنے دیجئے۔ اس لئے کہ انصاف عبادت ہے۔

بحیثیت ایک فنکار کے میرا کام خیالات اور رنگوں سے حسن پیدا کرنا ہے میرا وکیل ان قانونی پیچیدگیوں کو سلجھائے گا جن کو میں نے بیان نہیں کیا میں نے اپنا فرض پورا کر لیا ہے دوسروں کو ان کا فرض ادا کرنے دیجئے اور انہیں "لو" روشن کرنے دیجئے۔ تاکہ ملک سے اندھیرا چھٹ جائے اور عوام کا شعور بلند ہو۔ آئیے کہ ہم اپنی چھوٹی سی ذمہ داری سادگی سے پوری کریں اور باقی قسمت پر چھوڑ دیں۔ مجھے رابندر ناتھ ٹیگور کا وہ قول یاد آ رہا ہے جس میں ڈوبتا سورج حیران ہے کہ اس کے بعد دنیا کا کیا ہو گا، کون روشن کرے گا۔ اور تب ایک چھوٹی سی کٹیا میں ایک چھوٹا سا دیا ٹمٹما کر کہتا ہے "میں اپنی پوری کوشش کروں گا" آئیے کہ ہم سب مل کر روشنی کے لئے کوشش کریں اور ہر دل کو اس اندھیرے میں منور کر دیں جس نے ہمارے بدنصیب ملک کو گھیر لیا ہے۔ جو درحقیقت ایک جنت ہے۔

اگر ان لوگوں کی نظر میں جو کہ یونیفارم میں ہیں فن کی کوئی معنی ہیں اور اسناد کے وقار کی کوئی حیثیت ہے تو میں کچھ اسناد جمع کرانا چاہوں گا۔

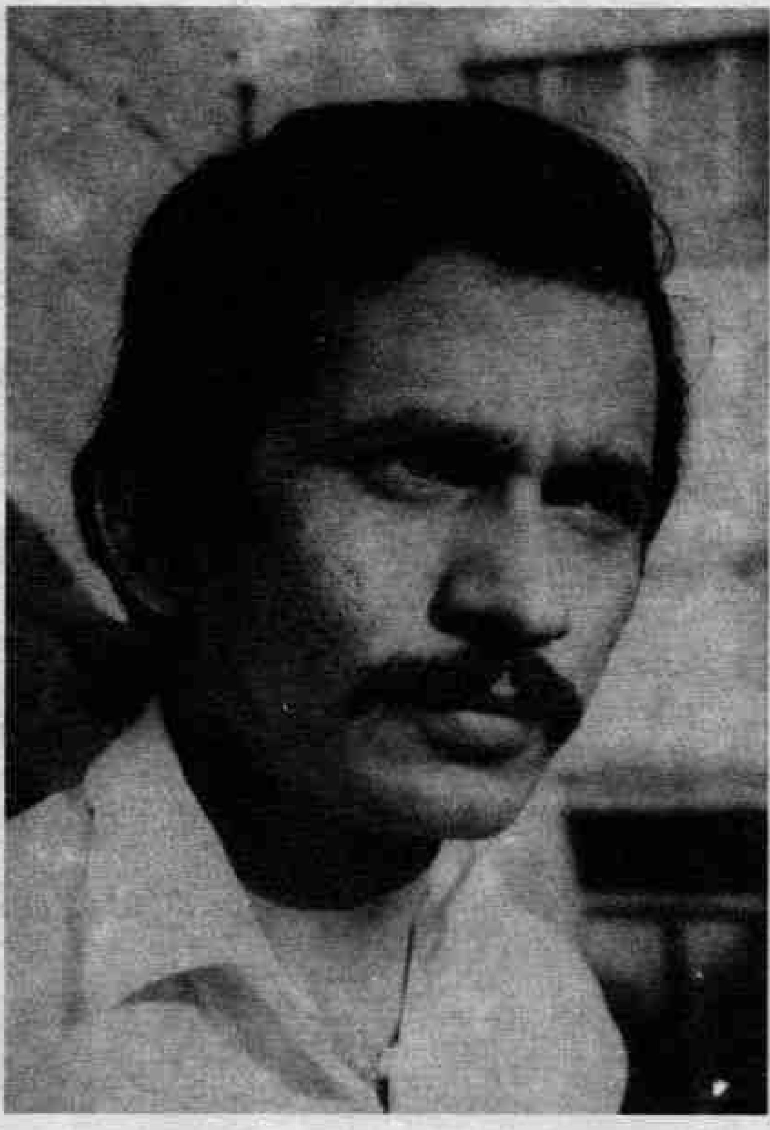
ٹیگور کے بعد مجھے اجازت دیجئے کہ میں خسروؔ کا مسئلہ بیان کر دوں۔

خلق می گوید کہ خسروؔ بت پرستی می کند

آری آری می کنم ۔ با خلق عالم کار نیست

شاید پھانسی پانے کا وہ مجھ سے پہلے حقدار رہے۔

(بدر رجال انجڑو)



سہیل سانگی

سہیل سانگی

نام :- سہیل سانگی

ولد :- محمد رمضان

پیدائش :- تھرپارکر

تعلیم :- ایم اے انگلش

مختصر حالات زندگی :-

سہیل کا تعلق بھی ضلع تھرپارکر سندھ سے ہے۔ آپ جام ساقی کے چچا زاد بھائی بھی ہیں۔ ۱۹۸۰ء میں گرفتار ہوئے حکومت کچھ ثابت نہ کر سکی۔ عدالت نے باعزت بری کر دیا۔ گرفتاری کے وقت روزنامہ سندھ نیوز میں اسسٹنٹ ایڈیٹر تھے۔ اس وقت عبرت میں اسسٹنٹ ایڈیٹر ہیں۔ طالبعلمی کے زمانے میں سیاست میں حصہ لیتے رہے۔ اور سندھ این ایس ایف کے مرکزی رہنما رہے۔

خصوصی فوجی عدالت کراچی کے سامنے

سہیل سانگی

یہ محض ایک اتفاق تھا کہ میں روزگار کی تلاش میں کراچی آیا اور گرفتار ہو گیا، مجھے آج تک کوئی ایسی وجہ سمجھ میں نہیں آتی ہے جس کے تحت میری گرفتاری ہوئی۔ شاید میرا زندگی کو پرکھنے کا زاویہ ان سے بہت مختلف تھا جنھوں نے مجھے گرفتار کیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ مجھے اسی زاویہ کی وضاحت کرنی چاہیئے شاید یہاں پر اسی بات کی ضرورت ہے۔

دنیا ہر لمحے تبدیل ہو رہی ہے۔ دنیا کے رسم و رواج اپنی قدریں تبدیل کر رہے ہیں۔ یہ تبدیلی کائنات کے ہر گوشے میں۔ انسان کے رہن سہن، اس کے ماحول، خیالات اور خوابوں میں ابھر رہی ہے۔ آج کی دنیا وہ نہیں رہی جو کہ غلامی کے دور میں تھی جو کہ جاگیرداری نظام میں تھی۔ آج کی دنیا نوآبادیات کے حصول کے لئے دوسروں کی دھرتی پر قبضہ کر کے ان کو استحصال کرنے کی بھی تمنا نہیں رہی ہے، دنیا بہت آگے بڑھ چکی ہے آج جنوں۔ بھوتوں، پریوں اور شہزادوں کے کردار مر چکے ہیں اور عام آدمی کی نقل و حرکت اور اس کے مسائل ادیبوں کی تحریروں کا مرکز بن چکے ہیں حکومتی نظام میں بادشاہتیں مٹی کے گھروندوں کی طرح مسمار ہو چکی ہیں وہ دن دور نہیں ہے جب دنیا میں فقط چار بادشاہ تاش کے پتوں میں ہی چھپے ہوئے ملیں گے آج نوآبادیاتی نظام ختم ہو چکا ہے۔ آمروں کو ہر جگہ سے دھکیلا جا رہا ہے اور وہ بہاماز، جزائر میں پناہ ڈھونڈنے پر مجبور ہیں، لوگ حکومت کے نظام میں روز بروز زیادہ شریک ہو رہے ہیں۔ آج کی دنیا امن، آزادی، خوشحالی اور جمہوریت

کی دنیا ہے۔ یہ بیسویں صدی ہے اور بیسویں صدی عوام کی صدی ہے . . .

انسان نے خود کو مجبوریوں کی بیڑیوں سے آزاد کرنے کے لئے ایک کٹھن اور لمبا سفر کیا ہے، وہ اپنی زندگی کو زیادہ آسان، اچھا اور پرسکون بنانے کے لئے ازل سے جدوجہد کرتا آرہا ہے۔ انسان نے اس سفر کے آغاز میں پتھر کے دور میں نوکیلے پتھر سے شکار کرکے اور دشمن کو ڈنڈے کے استعمال سے دور رکھنے میں کامیابی حاصل کی۔ اس سفر کو وہ آج بھی جاری رکھے ہوئے ہے، انسان کے استعمال کے آلات اور دشمن کی صورتوں میں ضرور تبدیلی آئی ہے لیکن انسان کی یہ جدوجہد آج بھی جاری ہے . . .

کانٹوں بھری راہ پر چلتے ہوئے اس سفر میں انسان نے ایک وسیع علم، تجربہ اور شعور حاصل کیا۔ یہ تجربہ آلات بنانے اور اس کے استعمال سے لے کر باہمی رہن سہن کے طور طریقوں تک پھیلا ہوا ہے۔ اس سارے عمل میں وہ مختلف سماجی مراحل کی بھٹی سے پکتا ہوا گذرا تو اپنے استعمال میں آنے والی مختلف اشیاء کی تشکیل اور توڑ پھوڑ کے اس تجربے اور شعور کے بعد آج وہ اس فلسفہ پر پورے یقین کے ساتھ کھڑا ہے اور اس مقصد کے لئے ہر مورچے پر لڑائی لڑ رہا ہے کہ انسان کو تمام بیڑیوں سے آزاد ہونا چاہیئے۔ اس کو اپنی پسند کا نظام قائم کرنے کا مکمل اختیار ملنا چاہیئے یہی وجہ ہے کہ آج کا آدمی جمہوریت کی بات کرتا ہے انتخابات اور منتخبہ پارلیمنٹ پر زور دیتا ہے، انسانی فلاح و بہبود اور انسانی حقوق کی بات کرتا ہے۔ انسان کی بقا کے لئے کرۂ ارض کو جنگ کے دیو سے بچانے کے لئے امن کی پری کے ساتھ عشق کرکے تحریک چلاتا ہے اور منصفانہ نظام اور سماجی مساوات کا مطالبہ کرتا ہے . . .

میں سوچتا ہوں۔ یہ کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ ہر آدمی سوچتا ہے۔ انسان کو جانور سے ممیز کرنے کی خاصیت ہی اس کا ذہن ہے۔ انسان اپنے ماضی کے حاصل شدہ تجربات و مشاہدات اور معلومات کی بنیاد پر مستقبل کے بارے میں۔ ایک بہتر مستقبل کے بارے

میں سوچتا ہے۔ یہ سوچنا ہی ہے جس نے انسان کو آج ترقی کی اس منزل پر پہنچایا ہے کہ وہ خلا سے خلاؤں کی طرف بڑھ رہا ہے ان کو تسخیر کر رہا ہے۔ سوچ انسان کو اس کی مخالف خطرناک طاقتوں سے بچانے کے لیے راستے سمجھاتی ہے اور مدافعت اور بقا کا ذریعہ بنتی ہے۔

انسان نے اپنی سوچ کو آلات، ہتھیاروں اور عمل میں تبدیل کر کے فطرت پر قابو پانے کی جنگ لڑتا چلا آ رہا ہے۔ لیکن جب اونچ نیچ کی طبقاتی تقسیم نہیں تھی تو یہ صرف فطرت پر قابو پانے پر ہی خرچ ہوتی تھی۔ سماج میں اس طبقاتی تقسیم کے بعد انسانی سوچ بھی طبقوں میں بٹ گئی اور سوچیں بھی طبقاتی ہو گئیں اور اس کے بعد سوچ، فطرت کے خلاف جدوجہد کے برعکس مختلف ادوار میں مختلف طبقوں کے مابین لڑائی پر خرچ ہونے لگی۔ دنیا کا ہر چھوٹا خواہ بڑا خیال اس طبقاتی جانبداری سے خالی نہیں ہے، ان میں سے ایک وہ سوچ رہی ہے جو کہ ابھرتی ہوئی طاقتوں۔ نئی طاقتوں کی ہے جو کہ انسان کو ترقی اور مزید ترقی کی طرف لے جاتی ہے جبکہ دوسری وہ سوچ ہے جو اپنی مدت پوری کر چکی ہے اور اب انسان کی ترقی کی راہ میں کاوٹ ہے اور وہ ان نئے پیدا شدہ مسائل کو حل کرنے میں ناکام ہو چکی ہے وہ صورتحال کو جوں کا توں رکھنا چاہتی ہے لیکن تاریخ کا پہیہ ہمیشہ آگے کی طرف ہی گھومتا ہے۔۔۔

تمام نظریے، تاریخی قصے، جنگیں اور کہانیاں اور ادب اسی ایک محور کے گرد گھومتے ہیں۔ وہ سوچ کے دو بڑے دھاروں میں سے کسی ایک کے طرفدار ہیں یا دوسرے کے خلاف۔ موسیٰ سے لیکر مارکس تک میں نے یہی پڑھا ہے۔ پتھر کے دور کے انسان سے لیکر یونان کی غلامی کے دور کی جمہوریتوں میں، ہندوستان کے اشوک کے دور میں اور آج کی بیسویں صدی میں بھی میں نے یہی کچھ دیکھا ہے۔ میں صحیح ہوں کیونکہ انسان کی جدوجہد کا ایک ایک قدم، ہر ابھرتا ہوا اور نیا فلسفہ میری صداقت کی (سچے ہونے کی) حمایت میں بولتا ہے۔ انسان کا صدیوں کا تجربہ میرے صحیح ہونے کی تصدیق کرتا

ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی مجھے غلط سمجھتا ہے تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے میری کوئی غلطی نہیں ہے، لیکن اگر کوئی ضد کرتا ہے تو پھر وہ غلطی اس کو انسان کے اس علم اور تجربہ کی ہو سکتی ہے جو اس نے ہزاروں سال کی تکلیف دہ کاوشوں کے دوران حاصل کیا یا ان مقدس کتابوں کی ہے جو کہ ہر دور میں انسان کو صحیح راستے پر لانے کے لیے لکھی گئیں۔ میں انسان ہوں۔ اس کے ساتھ صحافی بھی اور صحافی ہونے کے ساتھ انسانی تاریخ کا ایک ادنیٰ طالب علم۔ میں ہر چیز کو اس کے تاریخی پس منظر میں دیکھنے کا عادی ہوں، مجھے آج کئی ایسی چیزیں نظر آرہی ہیں جو کہ کل نہیں تھیں اور جو کہ کل تھیں۔ وہ اس سے پہلے روز نہیں تھیں، لیکن جناب انسان کی حیثیت میں میں دس لاکھ سالوں سے اپنے حقوق کا استحصال دیکھتا چلا آرہا ہوں تاریخی پس منظر میں دیکھتے ہوئے مجھے اپنا وجود بقا کی طرف جاتا ہوا نظر آرہا ہے۔ لیکن استحصال کی بدی کے دیو کے خلاف انسان کے ذہن نے سماجی تشکیل کا نیا ہتھیار تیار کر دیا ہے۔ یہ ضرب کاری والا ہتھیار دیو کی آنکھیں نکال چکا ہے، وہ مرنے والا ہے اور میں زندگی کی ضمانت پانے والا ہوں انسانی تاریخ سے اخذ کیے گئے اعداد و شمار کی ترکیب سے جو جواب ملتا ہے وہ میں سب کے سامنے رکھتا ہوں لیکن اس جواب نکالنے کے جرم میں مجھے بند کیا جاتا ہے، کیا اس سے زندگی کا کارواں اور سوچوں کا سلسلہ رک جاتا ہے؟ عقل کی ارتقا روکنے کے لئے ہر کتاب چاہے وہ قرآن مجید ہو یا داس کیپٹال کو کیوں نہیں ممنوع قرار دیا جاتا۔ یہ اسکول یہ درسگاہیں کیوں قائم ہیں کیوں کھلی رہنے دی جا رہی ہیں جو کہ علم اور تجربہ کی بنیاد بنتے ہیں اور جہاں صدیوں کا حاصل شدہ تجربہ سکھایا جاتا ہے۔

لیکن یہ سب کچھ کرنا کسی کے بس میں نہیں ہے۔ تاریخ کا پہیہ پیچھے کی طرف نہیں گھمایا جا سکتا۔ انسان کے علم اور تجربے کو مٹایا نہیں جا سکتا۔ علم بوتل میں بند جن کی طرح باہر نکل چکا ہے لہٰذا اب کوششیں یہ کی جا رہی ہیں کہ اس جن کو سست بنایا جا سکے یا اس کا رخ کسی اور طرف موڑا جا سکے مطلب یہ کہ کسی بھی طرح انسانی علم اور

اور تجربے کو مسخ کیا جائے۔ تاکہ علم کی روشنی کم سے کم پھیلے نئی سوچیں کم سے کم پیدا ہوں اور تبدیلیاں کم سے کم رونما ہوں۔ . . . .

میں اس راہ کا مسافر ہوں جو انسان کی ترقی کی عظیم بلندیوں کی طرف جاتی ہے راستے کا رخ اس منزل کی طرف ہے جس کی انسان ابد سے خواہش مند رہا ہے یہی وجہ ہے کہ میں آج خطرناک مجرموں کی طرح ہتھکڑیاں پہنے ہوئے کھڑا ہوں لیکن جناب! سچ پر پہرے نہیں بٹھائے جا سکتے، انسان کو سوچنے سے روکنا کسی کے بس میں نہیں ہے، آدمی کو سوچ سے بانجھ کرنا انسان کو بندر بنانے کی کوشش فضول ہے آدمی زندہ ہے تو مزید سوچے گا اور اگر مر گیا تو دوسرا آدمی سوچے گا۔ اس نے کسی کے جیل میں بند ہونے سے یا مر جانے سے یہ سلسلہ ختم نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کائنات کا ابدی قانون ہے جو کہ صرف کائنات کے خاتمہ پر ہی ختم ہو سکتا ہے۔ جیسی کے ایک پرانے اخبار کے دو سو ایڈیٹروں کو سزائے موت ملی لیکن ہر مرتبہ یہ اخبار نئے ایڈیٹروں کے تحت نکلتا رہا۔

. میں صحافی ہوں۔ صحافی اور ادیب دونوں ایک ہی قبیلے کے فرد ہیں۔ دونوں علم حسن اور سچائی کے متلاشی اور ان کو لوگوں تک پہنچانے والے اور لوگوں کی ترجمانی کرنے والے ہیں، قلم کار ہمارے لئے خواب دیکھتا ہے سپنے بنتا ہے، وہ ہمارے دکھوں اور خوشیوں کو الفاظ اور معنی پہناتا ہے۔ وہ ہمیں اپنے آپ کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے اس طرح سے وہ نہ صرف زندگی کو گذارنے کے قابل بناتا ہے بلکہ سچائی اور خوبصورتی کو تلاش کر کے اس کی اصلاح کرتا ہے۔ صرف ایک ایسے ہی معاشرے میں تخلیق کار کو تخریب کار یا باغی کہا جاتا ہے جو حسن اور سچائی کے خواب دیکھنے اور ان کے لئے جدوجہد کرنے سے خالی ہو اور یہ صلاحیت کھو چکا ہو۔ ہم قلمکاروں کے دل عوام کے دلوں کے ساتھ دھڑکتے ہیں۔

میں تھر پارکر کو کوہ مری نہیں کہتا وہاں پر سرسبز پہاڑوں کے عوض ریت کے بڑے بڑے ٹیلے ہیں۔ دریاؤں، ندیوں اور نالوں کے بجائے پانی کی خوفناک حد تک کمی ہے۔ وہاں کے لوگ جھرنوں سے لطف اندوز ہونے کے بجائے آوارہ بادلوں کی طرف حسرت بھری

نگاہوں سے دیکھتے ہیں اور ایک ایک بوند کو امرت رس سمجھ کر محفوظ کرتے ہیں، میں اپنے ملک کے لوگوں کی عظمت محسوس کر کے، ان کی فطرت سے جنگ کو قلم بند کرنا اپنا اہم ترین فریضہ سمجھتا ہوں، لیکن فطرت کی وحشت، قحط اور لاعلمی کو بیسویں صدی کے خلائی دور میں سراہا نہیں سکتا جناب! . . . . .

OBJECTIVITY صحافت کا بنیادی اصول ہے کیونکہ ہم جو کچھ دیکھتے ہیں وہ پیش کرنے کے بغیر معاشرے کو سچائی کی طرف نہیں بڑھا سکتے، لیکن صحافی صرف کیمرہ نہیں ہے جو کہ کاغذی پھولوں کی تصویریں نکالنے کے لئے فوکس فٹ کئے جائیں اور بعد میں لوگوں کو اصلی ہونے کا دھوکہ دیا جائے۔ صحافی کی آنکھ ضرور کیمرہ ہے۔ لیکن اس کا دل انسانی ہے جس میں درد ہے احساس ہے۔ اس کو ذہن ہے جو کہ سچ اور جھوٹ کا ہر لمحے حساب رکھتا ہے۔ اس لئے صحافی کی کیمرہ (آنکھ) سسکتی ہوئی انسانیت کو ہی فوکس کرتی ہے۔ . .

بھوک، بیروزگاری، جہالت اور بیماری میرے دل میں درد کی لہریں پیدا کر دیتی ہیں میرا دل ڈو دیتا ہے اور میں تڑپ اٹھتا ہوں، ہر حساس آدمی کی طرح۔ کیونکہ یہ درد اس سماج کا درد ہے اور ہم جو رنگوں اور لفظوں سے تصویریں بناتے ہیں وہ خود بھی اسی سماج کی جیتی جاگتی تصویریں ہیں آنکھیں نکالنے اور منہ بنانے سے نہ یہ عکس مٹ سکے گا اور نہ ہی عکس بنانے کا عمل۔ کیونکہ یہ عکس سماج میں موجود ٹھوس حقیقت کا ہے۔ اندھیرے میں روشنی ہونے سے مزید عکس بنیں گے۔ آنکھیں دکھانے سے یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی حساس فنکار یہ نکلی ہوئی آنکھیں اور بگڑا ہوا منہ بھی پینٹ نہ کرلے اگر کوئی ان تصویروں سے اتنا ہی خوفزدہ ہے تو پھر اس عکس کو یعنی انسانی ادب، سوچ و فکر کو بہتر بنائے۔ اس میں تبدیلی فوری اور یقینی طور پر آ جانی چاہیئے . .

اصل برائی اس نظام میں ہے۔ جس میں طبقاتی تقسیم ہے۔ جہالت اور اندھیرا ہے بھوک اور بیروزگاری ہے یہ کیسا عجیب نظام ہے جس میں دوا بیمار کے لئے نہیں۔ غلہ، بھوک کے لیئے نہیں پیدا کیا جاتا، کپڑا ننگے کے لئے نہیں بنا جاتا۔ بلکہ یہ سب کچھ صرف

پیسہ جمع کرنے کے لئے ہوتاہے۔ تو جناب جب تک یہ اونچ نیچ (طبقاتی تفریق) بھوک اور بیروزگاری ہوگی تب تک یہ آواز اٹھتی رہے گی معاشرے کے ہر شعبے سے۔ کارخانے کی چمنیوں سے ہتھوڑے اور درانتی سے۔ فنکار کے فن سے صحافی کے قلم سے۔ شاعر کی کلا سے سنگیت کار کے سُر سے گویے کے ہونٹوں سے۔ مطلب ہر جگہ سے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں پرانے اور حکمران نظریات کا ان لوگوں سے تحفظ کیا جاتاہے جو سوالات پوچھتے ہیں اور مسائل پیش کرتے ہیں، یہ سوال جس طرح سے ادب میں ملتے ہیں اسی طرح فوری ادب یعنی صحافت میں بھی ملتے ہیں، ان سوالات کے جوابات ان لوگوں سے طلب کئے جاتے ہیں جو کہ اس کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔

ممتاز امریکی ماہر اقتصادیات پال بران کتاب ۔ The Political Economy of Growth میں لکھتے ہیں "سچ کا صرف اظہار ہی کافی نہیں ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کسی ایک مسئلے پر سچ کیاہے۔ اس کا اظہار کیونکر کیا جاتاہے یا وہ کون سی وجوہات ہیں جن کی وجہ سے ٹال مٹول کی جاتی ہے۔ حکمران ایسے سچ کی پشت پناہی کرتے ہیں اور اس کا اظہار بھی کرتے ہیں جو بے مقصد ہو۔ ایسا سچ اور اس کا اظہار ایک صورتحال کو جوں کا توں (status quo) کے لئے نظریاتی جواز فراہم کرتاہے۔ اس کے برعکس بامقصد سچ وہ ہے جو آنے والی کل کے سماجی اور تاریخی وجوہات اور اس کے مختلف اجزاء کے مابین رابطہ تلاش کرتاہے ایسے سچ اور اس کے اظہار کو بے رحمی والے امتیاز اور سماجی بندھنوں سے ٹکر لینا پڑتاہے قلمکار کا کام مسائل کی پہچان اور ان کا تجزیہ ہوتاہے تاکہ ایک معقول، انسان دوست اور بہتر نظام کے قیام کے لئے راہ میں پیدا شدہ رکاوٹوں کو دور کیا جاسکے۔ اپنے اس عمل میں ایک دانشوران لوگوں کے قریب پریشان کرنے والا اور تکلیف دینے والا ہے جو ایک ہی صورتحال کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ ایسے سچ کے پرستاروں کو یا تو دقیانوسی (شیخ چلی سے ملتا جلتا سندھ کا کردار) اور میٹا فزیکل کہہ کر نظر انداز کیا جاتاہے یا ان کو باغی اور ناپسندیدہ شمار کیا جاتاہے، ایسے حالات میں بامقصد سچ سے وابستگی اور بھی ضروری ہوجاتی ہے۔

کیونکہ دانشور کی یہ ذمہ داری اور فریضہ ہے کہ وہ انسانی تاریخ کی سب سے اعلیٰ روایات یعنی انسانیت عقل اور ترقی کو تباہ ہونے سے بچائیے۔

بھٹائی نے کہا ہے۔ کاش میں اتنا دانش مند نہ ہوتا کیونکہ دانشمندوں کو ہی دکھ دیکھنے پڑتے ہیں۔ یہ دکھ وتایو فقیر کی طرح بھی تھے تو بلاول شہید اور عنایت شہید کی طرح بھی۔ ہر دور میں "روایتی سوچ" پر سوالات کرنے والوں پر مظالم ڈھائے گئے ہیں، کبھی کسی کو جلاوطن کر کے تو کبھی جیل میں بند کر کے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ڈھلتی ہوئی شام اور اس کے سائے چاہے کتنے ہی بڑے اور خوفناک کیوں نہ ہوں ان کی زندگی چند لمحوں کی ہوتی ہے۔

کتنی عجیب بات ہے کہ مجھے اس لئے پابند وسلاسل کیا گیا ہے کہ میں سوچنا چھوڑ دوں بھوک کو بھوک، دکھ کو دکھ، حسن کو حسن نہیں کہوں، لکھنا چھوڑ دوں رنگ اور خوشبو کی تمیز کھو بیٹھوں۔ ایسا کوئی بھی حساس۔ باشعور آدمی نہیں کر سکتا۔ اور یہ سب کچھ میں بھی نہیں کر سکتا قید خانے کے محدود اور گھٹی ہوئی دنیا میں جہاں محرومیاں بڑھ جاتی ہیں تو وہاں رنگ اور خوشبو کی طلب اور شدت اختیار کر جاتی ہے۔ شاید یہ اس لئے ہے کہ بقول پال بران کے میں انسانی تاریخ کے سب سے اعلیٰ روایات یعنی انسانیت۔ عقل اور ترقی کا وارث ہوں نگہبان ہوں۔ میرا قلم حسن کی تلاش میں سچائی کو اخذ کرنے اور انسانی ذات سے بھوک، بیروزگاری جہالت اور بیماری کے مشکل دن دور کرنے کے لئے کھردرے کاغذوں پر بھی چل سکتا ہے۔

سنسر شپ کے کئی طریقے ہوتے ہیں، ایک یہ کہ اخبارات کے بٹر پیپر پر قینچی چلائی جاتی ہے دوسرا وہ جو "فزیکل سنسر شپ" ہے۔ جس کے نتیجے میں آج میں اور کچھ اور صحافی جیلوں میں بند ہیں، شکر ہے کہ ہمارے یہاں ابھی تک لاطینی امریکہ کے بعض ممالک کی طرح بائیلاجیکل سنسر شپ کی نوبت نہیں آئی ہے۔ جہاں ایک ملک میں تین سال کے مختصر عرصے میں ایک سو صحافی "گم" ہو گئے، یہ تمام قلمکار اس "نئے پن" کی تلاش میں اور اس "نئے پن" کو لوگوں تک پہنچانے کے جرم میں موت قبول کر بیٹھے۔ یہ "نیا پن" جو صحافی کے بے چین سوالوں شاعر کے تخیل اور تخلیق میں چھپا ہوا ہوتا ہے۔ سوال پوچھنا تو تعلیم اور ترقی کی اصل روح ہے۔

ممکن ہے کہ کوئی یہ سوال کر بیٹھے کہ ہم یہ "نیا پن" تو تلاش کرتے ہیں لیکن وہ لوگوں تک کیوں پہنچاتے ہیں؟ تو جناب میں علم کو امانت، سماجی میراث اور اثاثہ سمجھتا ہوں۔ یہ علم جو آج مجھ تک پہنچا ہے اس کو اور اس میں اضافے کرنے کے عمل میں کئی قیمتی زندگیوں کی قربانیاں شامل ہیں۔ اس لئے میں نے جو کچھ سیکھا ہے وہ مجھ پر قرض ہے اور میں جو کچھ جانتا ہوں وہ دوسروں تک پہنچانا اپنا فرض سمجھتا ہوں اور اس طرح سے یہ قرض میں لوٹا دیتا ہوں۔ لیکن میں شیخ ایاز سے اس پر متفق ہوں کہ: "اے انسان ذات میں ابھی تک تمھارا مقروض ہوں تمھاری اصل رقم تو دور کی بات ہے میں ابھی تک تمھارا سود بھی نہیں ادا کر پایا ہوں!"

علم اور ارتقا کے تسلسل کی روشنی میں جو ایسا نہیں کرتا وہ بددیانت ہے اور میں بددیانت کہلوانا نہیں چاہتا تو جناب! صحافت اسی ایمانداری کا نام ہے .....

ہم صحافی، کوئی تفتیشی ادارے تو نہیں ہیں کہ ٹیبل اسٹوریز اور من گھڑت خبریں ڈیلائیں خبریں تو اس سماج میں چاروں طرف پھیلی ہوئی ہیں۔ خبر وہ روشنی ہے جو جہالت کے اندھیرے کو دور کرتی ہے۔ صحافی خود، یہ واقعات رونما کرنے والا نہیں بلکہ بیان کرنے والا ہے اور ان کا پس منظر اور رجحان کو واضح کر کے بتانے والا ہے۔ بغیر کسی ترمیم کے بالکل ویسا ہی جیسے اس نے دیکھا اور محسوس کیا ہے۔ اس طرح سے وہ سچ کو ریکارڈ کرتا ہے جو کہ آگے چل کر تاریخ بنتا ہے۔ جب روشنی (خبر) پر پابندی لگا دی جاتی ہے تب وہاں جہالت اور افواہ پروان چڑھتے ہیں۔ جب انسان کی آنکھوں پر پٹیاں باندھی جاتی ہیں تب وہ یقین کر لیتا ہے کہ کوئی ایسی بات رونما ہو رہی ہے جو اس کے مفاد اور برداشت سے باہر ہے لیکن خبر کے اظہار اور خیالوں کے دھارے کو روکنے سے اور نقصان ہوتا ہے۔ وہ اس طرح سے کہ ذہنی بانجھ پن پیدا ہوتا ہے۔ سوسائٹی کا تمام توازن بگڑ جاتا ہے اور پھر کمیونیکیشن گیپ پیدا ہو جاتا ہے۔ نتیجتاً تعصب ابھرتے ہیں آدمی آدمی نہیں رہتا اور وہ اپنا توازن کھو بیٹھتا ہے۔ کبھی کبھی ذہنی بھی .....

جناب! ۱۹۷۰ء کی دہائی میں ملائیشیا کے جنگلات میں جاپانی فوج کا ایک سپاہی

دیکھا گیا جس کو دوسری عالمی جنگ میں وہاں بھیجا گیا تھا۔ وہ جنگ ختم ہونے کے تیس سال بعد بھی "لڑتا رہا" اور جنگلوں میں چھپتا رہا۔ اس بچارے کو تیس سال کے طویل عرصے کے بعد بھی یہ خبر تک نہیں ہوئی کہ جنگ کب کی ختم ہو چکی ہے اور اس کے مادرِ وطن کی سرزمین کے دو شہر ناگاساکی اور ہیروشیما تباہ ہو چکے ہیں۔ جاپان ہتھیار ڈال چکا ہے۔ دنیا میں بے شمار تبدیلیاں اور انقلابات آچکے ہیں، آپ اس کو پاگل پن کہیں یا "بہادری"۔ لیکن نہیں۔ میں اس کو کمیونیکیشن گیپ کہوں گا جو اچھے بھلے آدمی کو بھی پاگل بنا دیتا ہے۔

جناب! سچ بڑا جرم ہے۔ سچ کہنے اور سچ لکھنے کی پاداش میں قید و بند کی مثالیں ہمارے برصغیر کی تازہ تاریخ میں بھی کم نہیں ہیں آج میں کے ایم سی کمپلیکس میں ملزموں کے کٹہرے میں کھڑا ہوں۔ اسی شہر میں یہاں سے چند فرلانگ کے فاصلے پر تقریباً آدھی صدی پہلے برصغیر کا ممتاز صحافی مولانا محمد علی جوہر بھی خالق دینا ہال میں ملزم ہو کر کھڑا تھا۔ ہمیں ایسے بے باک اور جری قلمکاروں پر فخر ہے۔ جنہوں نے جبر و استبداد اور فریب کے آگے سر نہیں جھکایا۔ ہم پاکستانی اگر ان عظمتوں کے وارث ہیں تو پھر یہ میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں کیوں ہیں۔

تمام دنیا کے عالموں کی یہ رائے ہے کہ سنسر شپ جرم چھپانے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ آپ ہمارے ملک کے اخبارات اٹھا کر دیکھیں ان میں چوریوں، ڈکیتیوں قتل اور اس طرح کے جرائم کی بہت خبریں ملیں گی۔ جب ان تمام جرائم کی خبریں چھپ رہی ہیں تو لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہیں کہ آخر وہ کون سا جرم ہے جو چھپایا جا رہا ہے اخبارات میں قتل، ڈکیتیوں کی خبروں کو ڈسپلے ملتا ہے۔ اس لاقانونیت کی وجہ وہ حالات ہیں وہ پالیسیاں ہیں۔ یہ جرم ان قوانین اور ضابطوں کا بھی ہے جس کے زیر اثر اخبارات میں معلوماتی خبروں اور تبصروں کی تعداد کم ہو گئی ہے۔ لوگوں کو تو معلومات اور واقعات کی پیاس بجھانے کیلئے لازماً کچھ نہ کچھ تو چاہیئے ہی۔ اور جب یہ پیاس جرائم کی خبروں سے بجھائی جاتی ہے تو ایک طرف جرائم کا رجحان بڑھ جاتا ہے تو دوسری طرف لوگوں میں بے حسی اور لاتعلقی بڑھ جاتی ہے۔ اس وجہ سے لوگوں کو جرائم کی خبروں اور

پیر پگارا کے مسخرہ پن کے ذریعے کامک ریلیف مہیا کیا جاتا ہے۔ یہ سب کچھ ہمارے معاشرے کے لئے زیادہ نقصان دہ ہے۔

میں کوئی سیاستدان تو نہیں ہوں لیکن جانور بھی نہیں ہوں۔ بقول شیخ ایاز کے ۔۔

"مجھے یوں نہ روندو کہ میں گھاس نہیں ہوں۔ گرچہ کمزور مگر بے جان نہیں"

توجناب میں انسان ہوں مجھے زندگی اور اس کے رنگوں اور تسلسل سے پیار ہے۔ مجھے میری بیوی، بچوں اور ان کے ارد گرد رہنے والے دوسرے انسانوں سے پیار رہے ہیں۔ ان کو ایک اچھا مستقبل دینا چاہتا ہوں۔ دنیا کے ہر آدمی کی طرح میں بھی چاہتا ہوں کہ میرے اور سب کے بچے وہ سب کچھ نہ جھیلیں جو میں نے بھگتا ہے۔ بس۔ میری اتنی سی خواہش ہے۔ کیا میری اس خواہش میں کوئی تخریبی یا سازشی عمل ہے؟ کیا میری اس خواہش میں بھی کوئی سیاسی جرثومہ ہے۔ اگر یہ سب کچھ سازش ہے اور تخریبی عمل ہے ۔ ۔ ۔ ب کچھ سیاست ہے تو پھر سچ مچ دنیا کا ہر آدمی سازشی ہے۔۔ ہر آدمی سیاستدان ہے۔

بھوک اور دکھ کے ابھرنے والے سوالات مجھے پریشان کر دیتے ہیں۔ مجھے بے چین کر دیتے ہیں اور میں یہ بھی دیکھتا ہوں کہ ان مسائل اور سوالات کی نوعیت انفرادی نہیں ہے کہ ان کا حل بھی انفرادی ہو۔ یہ خود سماج کے اجتماعی سوالات ہیں۔ ان کی نئے سرے سے تشکیل مشترکہ (اجتماعی) جدوجہد کی متقاضی ہے، ایسی بحرانی صورتحال میں کسی بھی آدمی کے لئے صرف تین راستے ہوتے ہیں (۱)، یا تو وہ حالات کے آگے گھٹنے ٹیک دے اور ان سے سمجھوتہ کرکے انسانی ذات کی ترقی اور تسلسل سے انحراف کرکے پوری انسانیت کا مجرم بن جائے (۲)، یا ذہنی طور پر توازن کھو بیٹھے (۳) یا وہ انقلابی بن جائے۔

میں روشنی اور خوشحالی کے خواب دیکھنے والا۔ تعمیر کے لئے جو بھی اینٹ رکھتا ہوں تو اس کو تخریبی سرگرمی کیوں کہا جاتا ہے۔ اگر خواب دیکھنا وہ بھی خوشحالی کے۔ تخریبی عمل ہے تو دنیا کا ہر بڑا تخلیق کار سب سے بڑا تخریب کار رہا ہے۔ ہر عام آدمی بھی تخریب کار ہے اور میں۔ میں تو ایک چھوٹی سی چیز ہوں۔ فقط خوابوں کی تعبیر نکالنے والا۔ کہیں میں نے

پڑھتا تھا کہ جسٹس کیانی مرحوم کے پاس ایک مقدمہ اپیل کے لئے آیا۔ انگریز کا دور تھا۔ لوئر کورٹ نے ایک نوجوان کو اس لئے سات سال قید بامشقت کی سزا سنائی تھی کہ اس نے خواب میں دیکھا تھا کہ آزادی گھوڑے پر چڑھ کر آ رہی ہے۔ جسٹس کیانی نے ملزم کو بری کر دیا اور فیصلے میں لکھا کہ آزادی گھوڑے پر چڑھے یا بیل پر آئے یا پیدل آئے۔ خواب دیکھنا کسی بھی قانون میں جرم نہیں ہے۔

مجھے اس مقدمے میں کیسے اور کیونکر شامل کیا گیا ہے؟ کبھی کبھی میں اپنے بند سیل ہی اس امر پر سوچتا ہوں۔ پھر کتنے ہی سوالات ذہن میں ابھرتے ہیں کیا اس لئے کہ میں پڑھا لکھا ہوں؟ کیا اس لئے کہ میں صحافی ہوں؟ اس وقت یہ بھی خیال آتا ہے کہ شاید اس عدالت کے ممبران کے ذہن میں بھی یہ سوالات اٹھتے ہوں گے۔

میرے انٹروگیٹر نے مجھ سے بعض بہت ہی دلچسپ قسم کے سوالات کئے پوچھا کہ "میں صحافی کیوں ہوں؟" میں نے بتایا کہ صحافت کیا چیز ہوتی ہے اور اس کے کیا لوازمات ہوتے ہیں۔ لیکن وہ اگر مجھ سے یہ پوچھ بیٹھتا کہ میں جام ساقی کا چچازاد بھائی کیوں ہوں تو اس کے اس سوال کا میرے پاس واقعی کوئی بھی جواب نہیں تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ جام ساقی کا چچازاد بھائی ہونا بھی جرم ہے کہ نہیں؟ لیکن اس کا اندازہ مجھے انٹروگیشن اور اس کیس میں ملوث کرنے سے ہو رہا ہے۔

ہم صحافی اور ادیب نفرتوں اور زیادتیوں کی نشاندہی کرتے ہیں جو کہ انسان کو مکمل انسان بنانے کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ شاعر ادیب اور صحافی صرف امن اہنسا کے پیغامبر ہوتے ہیں۔ اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔ سرکار خواہ مجھ پر کتنے اور کیسے ہی الزام کیوں نہ لگائے لیکن سو باتوں کی ایک بات یہ ہے کہ میں سوچوں کی تضاد کے جرم میں بند ہوں جھوٹ کی نگاہ میں اخلاقی قیدی، سرکار کے پاس سیاسی قیدی۔ لیکن مجھ سے پوچھو تو میں ضمیر کا قیدی ہوں۔۔۔

استغاثہ کا کہنا ہے کہ میں نے اگر کوئی جرم نہیں کیا ہے تو مدد ضرور کی ہوگی ایک

پرانی کہاوت ہے کہ "تم اس لئے غلط ہو کیونکہ میں ایسا کہتا ہوں" اس موقع پر مجھے ایک دلچسپ قصہ یاد آرہا ہے۔ ایک آدمی کو حکومت پکڑ کر پھانسی کے تختے پر لے آئی۔ اس بچارے نے منت سماجت کی کہ "مجھے یہ بتایا جائے کہ میرا جرم کیا ہے" سرکار نے اس سے پوچھا کہ بھلا سرکار کو یہ اختیار ہے کہ وہ تم کو پھانسی لگا دے؟ اس غریب نے کہا "ہاں۔ اختیار تو ہے"۔ اس پر سرکار نے کہا کہ سرکار اسی بات کا تمام عمر انتظار کرتی رہی ہے کہ تم کب جرم کرو اور تب جا کے تم کو پھانسی دی جائے۔" تو جناب مجھ پر عائد کئے گئے الزامات ایسے ہیں جن کی حقیقت کو آج تک نہ میں سمجھ سکا ہوں نہ کوئی اور۔۔۔

کسی بھی استغاثہ کے گواہ نے میرے خلاف کچھ بھی نہیں کہا ہے۔ سوائے اس بات کے کہ مجھے گرفتار کیا گیا، میری گرفتاری تو ایک حقیقت ہے۔ آج تقریباً ڈھائی سال ہو گئے ہیں کہ میں جیل میں ہوں۔ کیا جرم ثابت کرنے کے لئے گرفتاری ہی کافی ہے استغاثہ کے گواہوں کے بیانات اس سے زیادہ میرے خلاف کچھ بھی نہیں بتاتے۔ اس مسئلے پر میرا وکیل تفصیلی بحث کرے گا لیکن میں بعض حقائق کورٹ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ میری گرفتاری کے جو استغاثہ کے گواہ بنائے گئے ہیں ان بچاروں کے فرشتوں کو بھی میرے گرفتاری کا علم بھی نہیں تھا۔ گرفتار کرنا تو دور کی بات ان بچاروں نے مجھے کبھی دیکھا بھی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عدالت کے باہر والے کمرے میں چار مرتبہ شناخت کرانے کے باوجود کورٹ کے اندر مجھے نہیں پہچان سکے۔

مجھ سے جو سامان مبینہ طور پر برآمد دکھایا گیا ہے وہ نہ تو تخریبی ہے اور نہ ہی وہ چیزیں مجھے کسی طور پر اس کیس میں ملوث کرتی ہیں۔ میں ایک بات جانتا ہوں کہ ایسے مقدمے جو سوچوں اور نظریات کی بنیاد پر چلائے جاتے ہیں ان میں ملزموں کو عدالتیں تو شاید ہی آزاد کر سکتی ہیں۔ لیکن تاریخ انہیں کبھی بھی نہیں بھولتی۔ فراز اس حقیقت کا اظہار کچھ اس طرح سے کرتا ہے۔

آج ہم دار پہ کھینچے گئے جن باتوں پر
کیا عجب کل وہ زمانے کو نصابوں میں ملیں

میں مطمئن ہوں کہ میں نے انسانیت کی اعلیٰ روایات پر دھبہ آنے نہیں دیا بلکہ میں نے ان کو برقرار رکھا اور اجاگر کیا۔ آدمی سب سے زیادہ مطمئن اپنے ضمیر اور آنے والی نسل کے لئے چھوڑی ہوئی میراث پر ہوتا ہے۔ میرا ضمیر صاف ہے اور میں میری آنے والی نسل کے لئے اعلیٰ روایات چھوڑ رہا ہوں۔

میں مطمئن ہوں۔ میں نے اپنی چھوٹی سی بچی زیب کو جو انسانیت، اس کی اعلیٰ قدروں، انسانی ہمدردی اور جرأت کی جو کہانیاں سنائی تھیں۔ اس پر قائم ہوں۔ میں نے اپنی آنے والی نسل کے ساتھ منافقت نہیں کی ہے۔ غداری نہیں کی ہے زندگی اور قید کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔

میں مطمئن ہوں کہ آج میں تاریخ کے طلباء کے لئے زیادہ نہ سہی۔ لیکن بہتر روایت کو ایک قدم آگے بڑھا رہا ہوں، ہمیں بہتری کی ہی توقع رکھنی چاہیئے۔ وہ یہ کہ آئیے اور یہ دیکھیں کہ ہم سب میں سے کون کتنا وقت اور تاریخ کے تقاضوں پر پورا اترتا ہے۔

۹- جنوری ۱۹۸۳ء کے ایم سی کمپلیکس کراچی سہیل سانگی

الزامات

(۱) مختلف طبقوں اور مذہبی فرقے کے درمیان نفرت پھیلانا MLR - ۴

(۲) عوام میں مسلح افواج کے خلاف منافرت پھیلانا۔ MLR - ۱۳

(۳) نظریہ پاکستان اور ان مقاصد جن کے لئے مارشل لا لاگو کیا گیا ہے کے خلاف کام کرنا۔ MLR - ۱۸ -

(۴) ان کاموں میں مدد دینا پشت پناہی کرنا۔ MLR - ۳۶

(۵) سازش اور بغاوت P.P.C ۱۲۴ - A Read with ۱۴۹

کورٹ:۔ اسپیشل ملٹری کورٹ نمبر ۵ کراچی

پریذیڈینٹ:۔ کرنل محمد عتیق، ممبران:۔ ۱۔ افتخار جلیس ۲۔ اے سی ایم حبیب اللہ بھٹو

ملزمان	وکیل	تاریخ گرفتاری	جوڈیشل کسٹڈی میں آنے کی تاریخ	کورٹ میں بیان دینے کی تاریخ
جام ساقی	بیرسٹر ایس اے وودود	۱۰ دسمبر ۱۹۷۸ء	۲۷ فروری ۱۹۸۰ء	۱۰-۱۱ جنوری ۸۳ء
پروفیسر جمال نقوی	علی امجد ایڈوکیٹ	۳۰ جولائی ۸۰ء	۳ ستمبر ۸۰ء	
سہیل سانگی	محمد یوسف لغاری	۳۱ جولائی ۸۰ء	۳ ستمبر ۸۰ء	۹ جنوری ۸۳ء
امر لال	اختر علی	۲۱ ستمبر ۸۰ء	۱۳ اکتوبر ۸۰ء	۸ جنوری ۸۳ء
تبییر شر	—	۲۹ جولائی ۸۰ء	۲۸ اگست ۸۰ء	۲۷ دسمبر ۸۳ء
کمال وارثی	علی امجد ایڈوکیٹ	۲۹ جولائی ۸۰ء	۳۱ اگست ۸۰ء	یکم جنوری ۸۳ء
بدر ابڑو	شفیع محمدی			

سرکاری وکیل: انور شیر اور امداد علی قاضی

مقدمہ شروع ہونے کی تاریخ ۳۱ دسمبر ۱۹۸۱ سرکاری وکیل نے ابتدائی بیان دیا کہ یہ لوگ افغان سوویت نقطہ نظر کی تبلیغ کرتے ہیں اور کم تنخواہ والے ملازمین کو بھڑکاتے ہیں۔

مورخہ تاریخ کا مقدمہ قائم کیا گیا۔ کل گواہ استغاثہ ۲۵

بائیکاٹ کی درخواست تب سے ۵ لیڈروں نے اپنے وکلاء کو احتجاجاً ہدایات دینے سے انکار کر دیا۔

مورخہ ۲۰ نومبر ۱۹۸۰ کو پروفیسر جمال نقوی کا نام ملزمان کی فہرست سے خارج کر دیا گیا

ڈی ایس ایف پمفلٹ کیس
گواہ صفائی
کامریڈ جام ساقی

میری ذاتی معلومات کے مطابق گھنشام داس ایک وطن پرست شخص ہیں۔ وہ اعلیٰ اخلاقی کردار کے مالک ہیں۔ گذشتہ کئی سالوں یعنی ۱۹۷۶ء سے میں ان سے بالواسطہ واقف ہوں اور ۱۹۸۲ء سے جب وہ جیل میں مجھ سے ملے تھے میں انہیں براہ راست جانتا ہوں۔ گھنشام پر پاکستان کی سالمیت اور استحکام کیخلاف کارروائی کرنے اور پاکستانی فوج کے خلاف اور صوبوں کے مابین نفرت پھیلانے کے الزامات عائد کئے گئے ہیں چنانچہ اس موضوع پر میں انکی پوزیشن کی وضاحت نکتہ بہ نکتہ کرونگا۔

نظریہ پاکستان: آکسفورڈ ڈکشنری میں نظریہ کی تعریف یوں کی گئی ہے "علم ادراک خیالی قیاس آرائی۔ کسی خاص طبقہ یا فرد کا اپنا مخصوص طرز فکر۔ کسی معاشی یا سیاسی تھیوری یا نظام کی بنیاد پر نقطۂ نظر"۔ چنانچہ تصورات سائنس معلومات، ایجادات اور اختراعات کی نوعیت ہمیشہ بین الاقوامی ہوتی ہے۔ نظریات کو کبھی بھی کسی خاص ملک یا جغرافیائی خطہ تک محدود نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تو ساری انسانیت کی میراث ہوتے ہیں۔ دنیا میں تقریباً ۱۰۷ ممالک ہیں۔ لیکن کوئی ایک ملک بھی ایسا نہیں ملے گا جس کے بارے میں یہ کہا جا سکے کہ اس ملک میں "نظریہ امریکہ"، یا "نظریہ سعودی عرب" یا "نظریہ روس" رائج ہے۔ اگر سادہ لوح شخص یہ کہے کہ اسلام "نظریہ پاکستان" ہے تو اس سے یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ اسلام ایک کائناتی مذہب ہے (سارے دوسرے مذاہب اور نظریات کی مانند) اور لاکھوں کی تعداد میں ایسے

مسلمان ہیں جو اسلام کو "نظریہ پاکستان" نہیں مانتے ہیں۔ اُن کا عقیدہ ہے کہ یہ ایک بین الاقوامی مذہب ہے اور وہ خود بھی اس کا ایک جزو ہیں۔ مزید برآں خود ہمارے ملک میں لاکھوں کی تعداد میں مذہبی اقلیتیں موجود ہیں جو اسلام کو نہیں مانتے ہوئے بھی ہمارے ملک کا حصہ ہیں۔

میرے اور میرے دوست کیخلاف ایک مقدمہ میں مس بے نظیر بھٹو (پی پی کی ایکٹنگ پریذیڈنٹ) نے میری صفائی میں بیان دیتے ہوئے کہا تھا کہ ۱۹۷۳ء کے آئین کی پہلی پانچ دفعات ہی نظریہ پاکستان ہیں۔ اسی طرح علامہ سید محمد شاہ امروٹی نے (ایکٹنگ سیکرٹری جمعیت العلمائے پاکستان) نے کہا تھا کہ کسی ملک کا "نظریہ" اس کا اپنا آئین ہوتا ہے۔ چنانچہ پاکستان کا نظریہ ۱۹۷۳ء کا اس کا آئین ہے۔ پس جو شخص غیر آئینی طریقہ پر اس میں کسی بھی قسم کی ترمیم کرتا ہے یا اسے منسوخ کرتا ہے یا اسے معطل کرتا ہے وہ نظریۂ پاکستان کو مجروح کرتا ہے۔

میر غوث بخش بزنجو (پی این پی کے صدر) نے میری صفائی میں گواہی دیتے ہوئے کہا تھا کہ "۱۹۴۰ء کا ریزولیوشن ہی نظریہ پاکستان ہے کیونکہ اسی ریزولیوشن کے مطابق ساری وفاقی وحدتیں خود مختار اور اقتدار اعلیٰ کے اختیارات کی حامل تسلیم کی گئی تھیں۔ یہ ریزولیوشن عوام کا معاہدہ عمرانی ہے اور صرف یہی ریزولیوشن نظریۂ پاکستان کہا جاسکتا ہے

عبدل ولی خان (این ڈی پی کے صدر) نے میرے دفاع میں بیان دیتے ہوئے کہا تھا کہ کسی بھی قانون یا حقیقتاً زیر عمل دستاویز میں کسی نظریہ کی تعریف بیان نہیں کی گئی ہے۔ اپنے مخالفین کو زک پہنچانے کیلئے اسے ہمیشہ مبہم رکھا جاتا رہا ہے اور "نظریہ پاکستان" ایسی مبہم اصطلاح ہے جس کی کوئی واضح اور غیر مبہم تعریف نہیں کی جاسکتی۔ یہ اصطلاح یحییٰ خان کی وضع کی ہوئی ہے وہی یحییٰ خان جسے سپریم کورٹ نے غاصب قرار دیا تھا۔ جب بھی فوجی جنتا ملک کی جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت

میں ناکام ہو جاتی ہے تو نظریاتی سرحدیں گڑھ کر ان کے تحفظ کا دعویٰ کرنے لگتی ہے

میرے خیال میں نظریہ ہمیشہ طبقاتی ہوتا ہے۔ دوسرے طبقات یا ساری دنیا بھی انہیں قبول کرے تب بھی نظریہ کی طبقاتی حیثیت باقی رہتی ہے مثال کے طور پر اشتراکیت پرولتاری طبقہ کا نظریہ ہے۔ لیکن آج پاکستان میں تقریباً سارے ہی محب وطن اور محنت کش طبقہ کے افراد اسے مانتے اور تسلیم کرتے ہیں پاکستان کے عوام نے ۱۹۷۰ء اور ۱۹۷۷ء کے آزادانہ اور منصفانہ انتخابات میں اپنے سماجی اور معاشی نظام کے طور پر اشتراکیت کے حق میں ووٹ دیکر اپنے نظریہ کو واضح کر دیا ہے۔ چنانچہ پاکستانی عوام کے لئے (اگر کوئی) نظریہ پاکستان ہے تو وہ اشتراکیت کا نظریہ ہے اور جو شخص اسکی مخالفت کرتا ہے وہ غداری کے جرم کا مرتکب ہے۔ گھنشام پرشاد نے نہ تو ۱۹۷۳ء کے آئین کی مخالفت کی ہے نہ ۱۹۴۰ء کے ریزولیوشن کی اور نہ تو اس نے ایک منتخب شدہ حکومت کا تختہ الٹ کر اپنی ذاتی مرضی کو ہم پر مسلط کیا ہے۔ مزید برآں انہوں نے اشتراکیت کی مخالفت بھی نہیں کی ہے جو پاکستان کے عوام کی رائے عامہ ہے۔ پس انہیں نظریہ پاکستان کی مخالفت کرنے کا مجرم نہیں گردانا جا سکتا۔

صوبوں کے درمیان نفرت

پاکستان نہ تو وحدانی مملکت ہے اور نہ وحدانی مملکت کی حیثیت سے اسکی سالمیت برقرار رہ سکتی ہے یہ چار صوبوں پر مشتمل ہے۔ ڈسٹرکٹ اور ضلعوں کی مانند ہمارے صوبے محض انتظامی وحدتیں نہیں ہیں پاکستان کئی قومیتوں پر مشتمل ریاست ہے۔ ہمارے صوبے تہذیبی اور قومی وحدتیں ہیں۔ یہ صوبے پاکستان نے تخلیق نہیں کئے بلکہ ۱۹۴۰ء کے ریزولیوشن کے ذریعہ صوبوں نے پاکستان بنایا اور یہ فیصلہ کیا کہ وفاقی وحدتیں خود مختار اور اقتدار اعلیٰ کی مالک ہونگی چنانچہ مرکزی حکومت کو کن سے اختیارات دیئے جائیں یہ فیصلہ کرنے کا اختیار مرکز کو نہیں بلکہ صوبوں

یا قومیتوں کو ملنا چاہیئے ۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران نازی جرمنی نے چند ہفتوں ہی کی مدت میں بہت سی ریاستوں کو نیست و نابود کر دیا۔ لیکن سویت یونین نے جہاں پر قوم کو مرکز سے علیحدہ ہو جانے کا حق حاصل ہے نہ صرف برسوں تک ڈٹ کر نازیوں کا مقابلہ کیا بلکہ نازی فوج کو واپس برلن تک دھکیل دیا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کئی قومیتوں پر مشتمل ریاستوں میں اگر قومیت کو حق خود ارادیت حاصل ہو تو ایسی ریاستیں بہت استوار اور پائیدار ثابت ہونگی ۔

بدقسمتی سے ہماری فوج کے ایک بڑے حصہ کا تعلق صرف پنجاب سے ہے چنانچہ جب بھی پاکستان میں مارشل لا نافذ ہوتا ہے چھوٹے صوبوں کے جذبات پنجاب کیخلاف ابھر جاتے ہیں اور چاروں صوبوں کے درمیان بھائی چارگی کی فضا تباہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ ۱۹۴۰ء کے ابتدا ہی میں ڈاکٹر امبر کار نے یہ پیش بینی کر لی تھی اور برطانوی حکومت کو تنقید کا نشانہ بھی بنایا تھا کہ صرف چند علاقوں سے فوجیوں کی بھرتی مارشل لا کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہے ۔ مارشل لا تو وحدانی طرز حکومت سے بھی بدتر ہے ۔کیونکہ مارشل لا میں اقتدار کا منبع فرد واحد ہوتا ہے جو اپنی ذات کے سوائے کسی دوسرے کی نمائندگی نہیں کرتا (فرد کی بجائے) اقتدار کا منبع غیر منتخب ادارہ ہو تو ایسی صورت میں بھی قومیتیں اپنے حقوق سے محروم ہو جاتی ہیں۔ یہاں میں پرزور طریقہ پر اس بات کی وضاحت کر دینا چاہتا ہوں کہ مارشل لا کی مخالفت سے میرا مطلب فوج کی مخالفت کرنا ہرگز نہیں ہے۔ مارشل لا کی مخالفت سے میرا مطلب ایسے حکومتی جتھہ سے ہے جو اپنے مفادات اور گھناؤنے عزائم کی تکمیل کے لئے پوری فوج کو استعمال کر رہا ہے ۔ صوبوں کو کچلنے کے لئے بھی یہ فرد واحد یا حکومتی جتھہ فوج ہی کو استعمال کر رہا ہے ۔ اب تو یہ بات بھی ثابت ہو چکی ہے کہ جون ۷۷ء تک منتخب شدہ وزیراعظم اور پی این اے نے متفقہ طور پر جنرل محمد یحیٰی خان سے بلوچستان سے فوجی کارروائی ختم کر کے فوج واپس بلالینے کا مطالبہ کیا لیکن انہوں نے

ڈھٹائی کے ساتھ اس مطالبہ کو رد کردیا - اب صورت حال یہ ہے کہ پورے پاکستان میں اور خاص طور پر سندھ میں جبر و تشدد کی مدد سے حکومت کیجا رہی ہے - نتیجہ یہ ہے کہ ایک طرف تو فوج بدنام ہو رہی ہے اور دوسری طرف صوبے ایک دوسرے سے بدظن ہو رہے ہیں

چنانچہ جو شخص بھی قومیتوں کے ساتھ ناانصافی اور مارشل لاء کے خلاف آواز بلند کرتا ہے یا قومیتوں کے حقوق کا مطالبہ کرتا ہے وہ درحقیقت ملک کی سالمیت اور استحکام کو تقویت پہنچاتا ہے - گھنشام پرشاد نے نہ صرف یہ کہ مارشل لاء نافذ نہیں کیا ہے بلکہ طالب علم رہنما کی حیثیت سے ہر قسم کی ناانصافی کو ختم کرنے کی جدوجہد کرتے رہے ہیں اور اس لئے انہیں صوبوں کے درمیان نفرت پھیلانے کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جاسکتا -

فوج کیخلاف نفرت

لوگوں کے دلوں سے فوج کا وقار ایک طرح سے بہت کم ہوگیا ہے اور اس کی بڑی وجہ خود مارشل لاء کا نفاذ ہے - اگرچہ پوری کی پوری فوج مارشل لاء کی کارروائی میں ملوث نہیں ہے - فوج کی تنظیم اس طرح ہوئی ہے جہاں سارے فوجی اختیارات اعلیٰ ترین فوجی عہدیدار کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں اور صرف چند افراد ہی ساری فوجی تنظیم پر قابض ہوتے ہیں - پھر چند ایسے واقعات بھی ہوئے جو کسی سول حکومت کے دور میں رونما نہیں ہوئے تھے - مثال کے طور پر بستی بہار راجن پور پنجاب کی متعدد عورتوں کو مادر زاد برہنہ پولیس چوکی تک پریڈ کر کے جانے اور ان کے مردوں کو کتوں کی طرح بھونکتے ہوئے ان عورتوں کے پیچھے چلنے پر مجبور کیا گیا - عورتوں کو ننگا نچایا گیا - اس واقعہ میں ۴۰ پولیس والے ۷ ہم رنگروٹ اور ۷ دوسرے افراد ملوث تھے - کیس میں ملوث سارے سرکاری ملازمین ضمانت پر رہا ہوگئے ہیں - ان کے

مقدمہ کی سماعت بھی سول عدالت میں ہو رہی ہے (ڈان ۲ر نومبر ۸۴ء) پھر نواب پور کا واقعہ ہے جس میں دو خواتین کو بری طرح زد و کوب کر کے شہر میں برہنہ گھمایا گیا۔ جب عوام نے اس واقعہ کیخلاف احتجاج کیا تو جنرل ضیاء نے کہا کہ ایسے گھناؤنے جرائم کے مرتکب مجرموں کو سزا دینے کیلئے ملک میں سرے سے کوئی قانون بھی موجود نہیں ہے۔ برخلاف اس کے امداد چانڈیو، شیر محمد منگریو اور محمد خان سولنگی جیسے طالب علم رہنماؤں کو محض جمہوریت کا مطالبہ کرنے پر سات سال کی قید با مشقت اور کوڑوں کی سزا دینے کیلئے ملک میں قانون موجود ہے۔ ۱۷ر اکتوبر ۱۹۸۵ء کو تھوڑی ریلوے کراسنگ پر کئی طالب علم مارے گئے اور کئی دوسرے زخمی کئے گئے، غالباً سندھیوں نے تحریک بحالی جمہوریت کے دوران جس پامردی سے جدوجہد میں حصہ لیا انہیں اس تشدد کے ذریعہ سبق سکھانا مقصود تھا۔ یہ کارروائی ایک بریگیڈیئر اور دوسرے افسران کی موجودگی میں کی گئی۔ یہ واقعات عوام کے دلوں میں کس قسم کے جذبات ابھار سکتے ہیں؟۔

مزید برآں نام نہاد ریفرنڈم سے پہلے تقریباً ہر سیاسی جماعت کے رہنماؤں کو پارٹی بنیاد پر الیکشن میں حصہ لینے کی پیش کش کی گئی بشرطیکہ (۱) کسی فوجی جنرل کو کسی جرم کے ارتکاب کا ذمہ دار نہ ٹھہرایا جائے (۲) جنرلوں یعنی NLC اور فوجی فاؤنڈیشن کی ذاتی یا اجتماعی املاک کو کسی صورت چھیڑا نہ جائے (۳) جو صنعتیں مارشل لاء کے دور میں دوبارہ ذاتی ملکیت میں دیدی گئی ہیں انہیں پھر سے قومیایا نہیں جائے (۴) امریکہ کے ساتھ جن تعلقات کی تجدید ہوئی ہے انہیں برقرار رکھا جائے (۵) افغان مسئلہ حل نہیں کیا جائے تاکہ بھاری دفاعی بجٹ فوج کی غیر ضروری اہمیت اور امریکہ سے دوستی کا جواز مل سکے (۶) پاکستان میں عوام ملکی سیاسی عمل میں حصہ نہ لیں۔ (ب) مندرجہ بالا شرائط پر عمل درآمد کو یقینی بنانے کے لئے جنرل ضیاء کو اگلے پانچ سالوں کیلئے صدر تسلیم کیا جائے۔

تقریباً ساری سیاسی جماعتوں نے ان شرائط کو ماننے سے انکار کر دیا۔ لیکن اس کے باوجود نام نہاد الیکشن کرا لئے گئے جنرل ضیاء اور ان کے ہم رکابوں نے سازش کے ساتھ منتخب شدہ حکومت کا تختہ الٹا تھا۔ پروفیسر غفور نے یہ بات تسلیم کی ہے کہ PNA کی تحریک جنرل ضیاء کے ایماء کے مطابق چلائی گئی۔ اپنے بیان کی صداقت کے ثبوت میں میں ۲۶ مارچ ۱۹۸۵ء کا جسارت پیش کر رہا ہوں۔ جس میں پروفیسر غفور نے اس حقیقت کو مانا ہے۔ اخبار کے اس تراشہ پر صدر کے دستخط موجود ہیں۔ (دستاویز ۵۶ کے ساتھ تراشہ منسلک) جبکہ نوابزادہ نصراللہ کے بیان کے مطابق پی پی پی اور PNA میں سمجھوتہ کا مسودہ مکمل ہو چکا تھا۔

یور آنر (حضور والا) بہت کم لوگوں کو اس کا علم ہے کہ پوری فوج نہیں بلکہ اس کا ایک مختصر سا جتھا اس ساری قابل نفرین کارروائی کا ذمہ دار ہے۔ چونکہ گھنشام پرشاد پر یہ مندرجہ بالا الزامات سرے سے عائد ہی نہیں کئے گئے ہیں اس لئے انہیں کسی طور بھی فوج کے خلاف نفرت پھیلانے کا مورد الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔

نوجوانوں کی کارکردگی۔ ہمارے طالب علموں کو اس حقیقت کا بخوبی شعور ہے کہ وہ قوم کے نوجوان باہمت اور روشن ضمیر سپوت ہیں۔ انہیں اس کا بھی احساس ہے کہ ضروریات زندگی کی ساری لوازمات کے حصول کے لئے وہ اپنی قوم کے مرہون منت ہیں۔ ان کے کپڑے کتابیں اور تعلیمی اداروں کی عمارتیں قوم کے محنت کش عوام کے خون پسینہ کی پیداکردہ ہیں تیسری دنیا کے ممالک میں ایک طرف تو سامراج نے فوجی طاقت میں اضافہ کیا اور دوسری طرف سماج کے دوسرے منظم اداروں کو پنپنے کا موقع میسر نہیں ہونے دیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ ان ممالک میں عوام کے سروں پر ہمیشہ مارشل لاء کی تلوار لٹکتی رہتی ہے۔ ہندوستان میں بھی اگرچہ مختلف قومیتیں بستی ہیں لیکن چونکہ وہاں بہت ساری تنظیموں اور اداروں مثلاً کانگریس کمیونسٹ پارٹی ٹریڈ یونین کسان سبھائیں طلبہ کی تنظیمیں وغیرہ موجود ہیں۔ اس لئے وہاں مارشل لاء کی کوئی گنجائش نہیں

ہے وہاں ہر شخص جانتا ہے کہ اگر مارشل لا آیا تو ملک کا شیرازہ منتشر ہو جائے گا۔ ہندوستان ایسے ملک میں جسکی آبادی تقریباً ۷۰ کروڑ ہے وہاں فوج کی نفری تعداد صرف ۱۰ لاکھ ہے ہمارے یہاں ۹ کروڑ کی آبادی پر فوج کی نفری طاقت ۵ لاکھ سے کچھ اوپر ہی ہے۔ بنگلہ دیش میں اگرچہ ۹ کروڑ کی آبادی پر صرف ۶۰ ہزار نفری فوج ہے لیکن برطانوی سامراج کے چھوڑے ہوئے اثرات اور دوسرے منظم اداروں کے نہ ہونے کی وجہ سے وہاں بھی مارشل لا ہے۔ یہ کہنا کہ اشتراکی ممالک میں کوئی فوجی جنرل کسی منتخب شدہ حکومت کا تختہ الٹنے پر قادر نہیں ہوتا۔ اسکی وجہ صرف یہ نہیں ہے کہ عوام منظم ہیں اور فوجی ڈھانچہ جمہوری بنیادوں پر قائم ہوتا ہے بلکہ ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ معمولی سپاہی سے لیکر اونچے افسران تک میں سیاسی شعور اتنا زیادہ پختہ ہوتا ہے کہ کوئی جنرل حکومت پر فوجی قبضہ کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

مندرجہ بالا حقائق کی رو سے طلباء چونکہ قوم کے بچے ہیں اور انہیں اپنی قوم کے احسانات کا قرض چکانا ہے اس لئے یہ ان کا فرض بنتا ہے کہ وہ طلباء کی تنظیمیں منظم کریں شہر میں تعلیمی سہولتیں اور تعلیم حاصل کریں اور اپنی مثال کے ذریعہ عوام کو منظم ہونے میں معاون بنیں۔ چنانچہ طلباء کی چند تنظیمیں ایسی ہیں جن کا رہنما ہونا جرم نہیں بلکہ اعزاز ہے

مارشل لاء کا مقصد

شروع میں یہ دعویٰ کیا گیا کہ مارشل لاء کے نفاذ کا مقصد ۹۰ دنوں کے اندر اسکی زیر نگرانی آزادانہ اور غیر جانب دارانہ انتخابات کرانا ہے ان ۹۰ دنوں کی مدت ۳۰۰۰ دن گذر چکنے کے بعد بھی ابتک پوری نہیں ہوئی ہے پھر محاسبہ کا بہانہ تراشا گیا۔ لیکن وہ سارے لوگ جنہیں نااہل قرار دیا گیا تھا چونکہ اب وہ موجودہ حکومت کے حمایتی بن گئے ہیں اس لئے بے داغ قرار دیدیئے گئے۔ یہ بھی دعویٰ کیا گیا تھا

کہ مارشل لاء ملک میں امن وامان قائم کرنے کیلئے نافذ کیا گیا ہے۔ لیکن ملک میں ہونے والے جرائم کے سالانہ اعداد وشمار سے ثابت ہوتا ہے کہ امن وامان کی صورت حال کہیں زیادہ خراب ہو گئی ہے۔ موجودہ حکومت نے عدلیہ کا وقار بحال کرنے کا دعویٰ بھی کیا تھا لیکن موجودہ صورتحال یہ ہے کہ عدالت عالیہ جو پہلے کسی حکومت کو جائز یا ناجائز قرار دینے کی اہل تھی اب ایک سیکنڈ لیفٹیننٹ کے جاری کردہ احکام کو بھی چیلنج نہیں کر سکتی۔ خواہ یہ سکنڈ لیفٹیننٹ ایک ٹیبل کو بھینس ہی کیوں نہ قرار دیدے۔ یہ بھی دعویٰ کیا گیا تھا کہ یہ حکومت ملکی معیشت کو سدھارنا چاہتی ہے۔ لیکن آج یہ حال ہے کہ پہلے ہم ۶ بیلین ڈالر کے مقروض تھے اور اب ہم ۱۴ بیلین ڈالر کے مقروض ہیں مزید برآں جس وقت موجودہ حکومت نے سول حکومت کا تختہ الٹا تھا۔ اس وقت ملک میں ۱۶ بیلین کرنسی نوٹ گردش میں تھے۔ آج ان پاکستانی نوٹوں کی تعداد بڑھ کر ۵۵ بیلین ہو گئی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ افراط زر نے ضروریات زندگی کی قیمتیں آسمان پر پہنچا دی ہیں۔

جہاں تک اسلام کے نافذ کرنے کا دعویٰ ہے تو اس سلسلہ میں کچھ نہ کہنا ہی بہتر ہوگا۔ چنانچہ مارشل لاء کے قائم رہنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ ذاتی اقتدار کو مستقل قائم رکھا جائے۔ اگر صورت حال یہ ہے تو ہر محب وطن پاکستانی کا فرض بنتا ہے کہ اس حکومت کی مخالفت کرے تاکہ عوام اپنا اقتدار واپس لے سکیں۔ اس لئے اگر گھنشام پرشاد جمہوریت کا مطالبہ کر رہے ہیں تو کوئی جرم نہیں کر رہے ہیں۔

کردار

میں اپنی معلومات کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ گھنشام پرشاد ایک محب وطن شخص ہیں۔ انکا اخلاقی کردار بہت اعلیٰ ہے۔ اور وہ آج تک کسی اخلاقی جرم کے

الزام میں ملوث نہیں ہوئے ہیں۔ فوجی جنرلوں میں عام رجحان یہ پایا جاتا ہے کہ جب انکی اپنی فوج کے افراد یا کوئی غیر ملکی فوج انکی حکومت کو الٹ دیتی ہے یا وہ خود کسی دوسری حکومت کے حوالہ اپنا کوئی خطہ زمین کر دیتے ہیں تو اس حالت میں وہ اقتدار عوام کے حوالہ کر دیتے ہیں

ارجنٹینا میں یہی صورت ہوئی فاک لینڈز انگلینڈ کے حوالہ کرکے فوجی جنرل اقتدار سے دستبردار ہوگئے ہمارے اپنے ملک میں چھوڑنے سے پہلے جنرل یحییٰ خان نے ملک کا ایک حصہ توڑکر علیحدہ کر دیا۔ ہندوستانی فوج سے شکست کھانے کے بعد ہی اقتدار منتخب حکومت کے حوالے کیا۔ جنرل ایوب خان کی مثال بھی ہمارے سامنے ہے۔ وہ الیکشن کرانے کیلئے اس وقت تیار ہوئے جب عوام نے انکی بنیادی جمہوریت وحدانی طرز حکومت اور بالواسطہ انتخابات کو ٹھکرا دیا۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ جب بھی کسی ملک میں مارشل لاء نافذ ہوتا ہے اس کی سالمیت اور استحکام خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔ اس لئے جو فرد بھی مارشل لاء نافذ کرتا ہے ملک کی سالمیت کو داؤ پر لگاتا ہے۔

طبقہ لوگوں کے ایسے گروہ کو کہتے ہیں جن کے مفاد یکساں ہوں اور ذرائع پیداوار کے ساتھ ان کے تعلق کی نوعیت بھی ایک ہو۔ اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ملک میں چار اہم طبقات ہیں (۱) محنت کش یا مزدور طبقہ یعنی پرولتاری (۲) سرمایہ دار طبقہ (۳) کسان طبقہ (۴) زمیندار باقی لوگ اضافی حیثیت رکھتے ہیں یا متوسط طبقہ کے کہے جا سکتے ہیں اور فیوڈل مالکان کے مفاد ہمیشہ ایکدوسرے سے ٹکرلتے ہیں مزدور اور سرمایہ دار کے مفاد بھی ایکدوسرے کی ضد ہوتے ہیں۔ جب زمیندار کسی کسان کو زمین سے بے دخل کرتا ہے یا اسے جبری بیگار پر مجبور کرتا ہے تو دراصل وہ طبقاتی نفرت کو جنم دینے کا موجب بنتا ہے۔ اسی طرح اگر سرمایہ دار ملوں میں تالہ بندی کرتا ہے یا مزدوروں کی چھانٹی کرتا ہے تو وہ دراصل طبقاتی نفرت پیدا کرتا ہے۔ جو لوگ اس کے اس طرز عمل کی مخالفت کرتے ہیں وہ دراصل طبقاتی شعور بیدار کرتے ہیں۔ ابھی حال

ہی میں جب حکومت نے ملتان میں مزدوروں پر گولی چلا کر سینکڑوں مزدوروں کو ہلاک کر دیا تو دراصل حکومت نے طبقاتی نفرت پیدا کی تھی ٹنڈو میں جب ایک زمیندار نے بے شمار کسانوں کو ہلاک کرا دیا تو حکومت نے اس زمیندار کو نہ صرف بری کر دیا بلکہ اسے وزارت کے عہدہ سے بھی سرفراز کیا۔ تو اصل میں تو یہ حکومت ہے جو طبقوں کے درمیان نفرت پیدا کرتی ہے۔ اس لئے میرے خیال میں مسٹر گھنشام پرشاد کو طبقاتی نفرت پھیلانے کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔

سوویت یا اشتراکی لٹریچر کھلے بازار میں دستیاب ہے۔ اس لئے یہ ناجائز لٹریچر نہیں ہے۔ یہاں تک کہ میں کمیونسٹ ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں لیکن مجھے خصوصی فوجی عدالت نمبر ۲ کراچی نے باعزت بری کر دیا ہے۔

میں نے عدالت میں وہ لٹریچر دیکھا ہے جو اس مقدمہ کے سلسلہ میں ضبط کیا گیا ہے اور میں دعوی سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ ہرگز پاکستان کے خلاف نہیں ہے۔ ہاں حکومت اور مارشل لاء کے خلاف ضرور ہے اور میرے خیال میں حکومت پر تنقید کرنا یا اسکی مخالفت کرنا ہر شخص کا پیدائشی حق ہے۔

اے پی پی کی جرح

گھنشام کو دیئے جانے سے پہلے ہی میں نے عدالتی کارروائی کی رپورٹ پڑھی تھی میں کہتا ہوں کہ اس میں ملک کے خلاف کوئی مواد نہیں ہے۔ مجھے ایک فوجی عدالت نے بری کر دیا ہے۔ میں ۱۰ ردسمبر ۱۹۷۸ء کو گرفتار ہوا تھا۔ لاہور کے قلعہ اور کئی دوسرے کنسنٹریشن کیمپوں میں سترہ مہینہ تک بغیر کوئی مقدمہ چلائے ہوئے مجھے جیل میں نظربند رکھا گیا۔ حیدرآباد کی خصوصی فوجی عدالت میں مجھ پر مقدمہ چلا۔ اگرچہ سندھ ہائی کورٹ نے میری رٹ پٹیشن کے نتیجہ میں جس میں میں نے کہا تھا کہ میرے خلاف مذکورہ مقدمہ زیادہ سے زیادہ سرسری فوجی عدالت میں چلایا جا سکتا ہے پہلے ہی حکم امتناعی جاری کر دیا تھا۔ اس وقت تک سرسری عدالت زیادہ سے زیادہ ایک سال کی سزا

کسی مجرم کو دیتی تھی لیکن حکومت نے ایک ترمیم کے ذریعہ خصوصی فوجی عدالت کو ہائی کورٹ کے حکم امتناعی پر بالادستی دیدی۔ چنانچہ خصوصی فوجی عدالت نے مجھے دس سال قید بامشقت کی سزا سنائی۔ بعد میں خصوصی فوجی عدالت نمبر ۵ کراچی نے انہی سارے الزامات سے مجھے باعزت بری کر دیا۔ ملزم گھنشام پر گذشتہ دو سال سے ایک کیس کے سلسلہ میں مقدمہ چل رہا ہے۔ میں نہ تو DSF کا رکن ہوں نہ اس تنظیم کا عہدہ دار۔ میں پروگریسیو جئے سندھ اسٹوڈنٹ فیڈریشن کا بھی نہ تو رکن ہوں نہ عہدیدار ابراہیم سورو پاکستان کا ایک اچھا شہری ہے۔ میرے ان سے کوئی ذاتی تعلقات نہیں ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ لوگ عام طور سے مجھے کامریڈ کی حیثیت سے جانتے ہیں

عدالتی اقتباسات

س! اخبارات میں جو کچھ چھپتا ہے کیا اسے قابل وثوق گردانا جا سکتا ہے؟

ج! ہاں اگر ایک ہفتہ کے اندر اسکی تردید نہ چھپے تو اسے قابل وثوق سمجھا جا سکتا ہے۔

س! آپ کی تعلیمی صلاحیت اور سماجی حیثیت کیا ہے؟

ج۔ میں سنہ ۱۹۸۵ء میں سندھ یونیورسٹی سے علم سیاسیات میں پوسٹ گریجویشن کیا ہے۔ میں سندھی زبان کا شاعر ہوں اور سندھی میں نظمیں اور ایک ناولٹ لکھا ہے۔ میں پاکستان نیشنل عوامی پارٹی کی مرکزی کمیٹی کا جوائنٹ سیکرٹری نیشنل عوامی پارٹی کی مرکزی کمیٹی کا جوائنٹ سیکرٹری نیشنل عوامی پارٹی سندھ کا جنرل سیکرٹری ہوں اور زمانہ طالب علمی میں سندھ نیشنل اسٹوڈنٹ فیڈریشن کا صدر تھا۔ فی الحال میں سندھ مرکزی ہاری کمیٹی اور پاکستان کی کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کا رکن ہوں

س! اپنی گرفتاری کی تفصیل بیان کیجئے۔ آپ کے خلاف کیا الزامات عائد کئے گئے اور ان جرائم کے لئے کیا سزا ملی۔

ج۔ فوج اور پولیس کے افراد نے دس دسمبر ۱۹۷۸ء کو حیدرآباد میں مجھے

میرے دوست کے گھر سے گرفتار کیا۔ الزامات وہی تھے جو اس مقدمہ میں مجھ پر عائد کئے گئے ہیں۔ میں ابھی بتا چکا ہوں کہ مجھے کیا سزا ملی (دس سال قید بامشقت)

س ۴۔ آپ کے خیال میں پاکستان کی سالمیت کس طرح برقرار رکھی جا سکتی ہے؟

ج۔ کسی بھی ملک کی سالمیت وہاں کے عوام کی مرضی ہی سے برقرار رہ سکتی ہے۔ ویت نام میں امریکہ اور اس کے حلیفوں کی دس لاکھ فوج بھی وہاں کے عوام کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور نہ کر سکی۔ ان کی آبادی ڈیڑھ کروڑ کے لگ بھگ تھی۔ یہاں ہمارے ملک میں اگر صرف سیاسی عمل کی آزادی ہو تو عوام نظریات اور طبقاتی بنیادوں پر متحد ہوں گے جب پاکستان برطانوی سامراج کے ہاتھوں سے آزاد ہوا اس وقت ہمارے نام نہاد نجات دہندگان اپنے سفید فام آقاؤں کی خدمات سرانجام دے رہے تھے کو اس لئے پورے اعتماد کے ساتھ یہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ پاکستان اس لئے قائم ہے کہ یہ پاکستان کے عوام کی مرضی ہے اور خدانخواستہ اگر کوئی قومیت پاکستان سے علیحدہ ہونے کا فیصلہ کرے تو اس روئے زمین پر کوئی فوج ایسی نہیں ہے جو عوام کو ہمیشہ دبا کر رکھ سکے۔

س۔ کیا پاکستان میں آپ اسلام کے مقابلہ میں کسی دوسرے نظام حیات کو ترجیح دے سکتے ہیں؟

ج۔ میرے خیال میں یہ فیصلہ کرنا پاکستان کے عوام کا حق ہے کہ انہیں کونسا سماجی نظام چاہیئے۔ ہم کسی فرد یا ادارہ کو اپنی مرضی مسلط کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔



کامریڈ جام ساقی۔ پروفیسر جمال نقوی۔ رہائی کے بعد سیاسی مصروفیات



امرلال جلسہ سے خطاب
کرتے ہوئے



جیل کے دن جیل کی راتیں
سفید شلوار قمیض میں احمد کمال وارثی



جام ساقی کیس میں
گواہانِ صفائی
کے
بیانات



میر غوث بخش بزنجو

حلف

میر صفر خان، عمر ۶۵ سال

میں اپنے طالب علمی کے زمانے سے سیاست میں حصہ لے رہا ہوں لیکن میں نے عملی سیاست کا آغاز ۱۹۲۹ء سے کیا۔ میں جام ساقی کو ۱۹۶۸ء سے جانتا ہوں میں پاکستان نیشنل پارٹی کا صدر ہوں اور میں ۱۹۷۲ء سے ۱۹۷۳ء تک بلوچستان کا گورنر بھی رہا ہوں۔

میں جام ساقی پر الزامات مسترد کرتا ہوں

میں نے جام ساقی کو کبھی تخریب کاری یا ملک دشمن سرگرمیوں میں شریک ہوتے نہیں دیکھا۔ ملزم جام ساقی نے مختلف مواقعوں پر میرے ساتھ کام کیا ہے اور میں نے اسے ملک کا وفادار اور ایک ثابت قدم سیاسی رہنما پایا ہے۔ پاکستان میں یہ ایک بڑی افسوسناک روایت ہے کہ حکمران اپنے مخالف سیاستدانوں پر غداری اور ملک دشمنی کا الزام لگاتے ہیں اس میں ایسی کوئی بھی سیاسی جماعت یا سیاسی رہنما نہیں ہے جس پر ملک دشمنی یا غداری کا الزام نہ لگا ہو۔ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ آج کے حکمرانوں کو بھی کل غدار تصور کیا جائیگا۔ جام ساقی پر جو یہ الزام لگایا گیا ہے کہ وہ مسلح افواج کیخلاف نفرت پھیلاتے ہیں مجھے اس الزام سے اتفاق نہیں ہے جام ساقی ایسا نہیں کرتے۔

فوج کیخلاف نفرت کون پھیلاتا ہے

میں فوج کیخلاف نفرت پھیلانے کا ذمہ دار اُن اہم جو جنرلوں کو تصور کرتا ہوں جو مارشل لاٗ نافذ کرتے ہیں اور اپنے ذاتی اقتدار کو قائم رکھنے کیلئے فوج کو پاکستانی عوام کے بالمقابل لاکھڑا کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ ان کی صلاحیتوں سے بالاتر ہے میں صوبوں کے مابین بھی نفرتوں کو جنم دینے کی ذمہ داری حکمرانوں اور مفاد پرستوں پر عائد کرتا ہوں کیونکہ ان لوگوں نے ذاتی مفادات کیلئے پاکستان کی شکل و صورت کو مسخ کر دیا ہے۔ پاکستان ایک وفاقی ملک تھا اور اسکی وفاقی اکائیاں خود مختار اور آزاد تھیں۔ قائداعظم اور ان کے رفیقوں نے ملک کا جو تصور دیا تھا وہ یہ تھا کہ وفاق پاکستان، اکائیوں پر مشتمل ہو گا۔ ہمارے صوبے انتظامی اکائیاں ہیں پاکستان کی وفاقی اکائیاں تاریخی اکائیاں ہیں ماسوائے چند ایک گنے چنے لوگوں کے باقی تمام وفاقی اکائیوں کے ساتھ تھے لیکن ایک کے بعد دوسرے حکمران نے اس انتہائی اہم اور بنیادی مسئلہ کو پیچیدہ بنا دیا ہر حکمران نے پاکستان کو وحدانی ریاست بنانے کی کوشش کی اور اس کے نتائج کو نظر انداز کیا جس کی ایک مثال پاکستان کو "ون یونٹ" بنانا ہے چنانچہ اس طرح وفاقی اکائیوں کی حیثیت میونسپلٹی سے کم ہو گئی اور مرکزی حکومت نے خود کو وفاقی اکائیوں کے تمام چھوٹے و بڑے مسائل میں براہ راست ملوث کر لیا۔ وفاقی اکائیوں کو زیادہ تر حلقہ اقتدار سے دور رکھا گیا اور انہیں حکومت میں شرکت کی دعوت نہیں دی گئی جس کے نتیجے میں مشرقی پاکستان ہم سے علیحدہ ہو گیا۔ مثال کے طور پر بار بار مارشل لاٗ نافذ کیا گیا، ون یونٹ کا نظام مسلط کیا گیا اور غیر جماعتی نظام کے ذریعے مشرقی پاکستان کے عوام کو ان کے حق رائے دہی سے محروم کر دیا گیا۔ میں پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یہی وہ اسباب تھے جو صوبوں کے مابین نفرتوں کو جنم دینے میں ممد و معاون ثابت ہوئے جام ساقی اور دیگر سیاستدانوں پر یہ الزام نہیں لگایا جا سکتا کہ انہوں نے صوبوں میں نفرت پھیلائی۔

مارشل لاء کی مخالفت

میں اس بات کو پاکستان کے ہر شہری کا حق سمجھتا ہوں کہ وہ مارشل لاء کی مخالفت کرے اور ملک میں جمہوریت بحال کرے۔ میں یہاں یہ بھی کہنا چاہوں گا کہ اور تو اور خود جنرل ضیاء الحق بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ حکومت کرنے کا سب اچھا طریقہ مارشل لاء ہے۔ موجودہ مارشل لاء کو کسی بیمار شخص کیلئے ایک آپریشن سمجھا جا سکتا ہے جسے بعد میں فزیشن کے پاس لے جانا ضروری ہوتا ہے یعنی اقتدار پھر عوام کے حوالے کر دیا جائے تو حقیقی معنوں میں حکمران ہیں اگر آپریشن کے چھ سال تک طویل کر دیا جائے تو پھر مریض کی جان کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے مجھے ایسی کسی بغاوت کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے جس کا الزام جام ساقی پر عائد کیا گیا ہے

نظریہ پاکستان

پاکستان کوئی ذی ہوش شے نہیں بلکہ زمین کا ایک جغرافیائی ٹکڑا ہے اس لئے اس کا اپنا کوئی نظریہ نہیں ہو سکتا صرف انسان کو ہی اللہ تعالیٰ نے اس گرانقدر خوبی سے مالا مال کیا ہے کہ اس کا کوئی نظریہ خیال اور سوچ ہو، دو قومی نظریئے کی بنیاد پر برصغیر کی تقسیم برصغیر کے آئینی مسائل کا حل تھا۔ قائداعظم اور مسلمانوں کی کوششوں کے باوجود کانگریس نے حتی المقدور یہ کوشش کی کہ بھارت کو متحد رکھا جائے لیکن کسی تصفیے پر سمجھوتہ نہ ہو سکا اور ناگزیر حالات کی بناء پر برصغیر کو تقسیم کر دیا گیا۔

مسئلہ ایران و افغانستان

ایران اور افغانستان میں ہونے والے انقلابات کا پاکستان پر براہ راست اثر پڑا ہے کیونکہ پاکستان ان دونوں ممالک کے نزدیک ترین ہمسایہ ہے۔ مجھے افغان مسئلہ پر بہت زیادہ تشویش ہے ہمیں ان دونوں مسائل پر غیر جانبداری سے نظر ڈالنا چاہیئے۔ ہمیں افغانستان میں ہونے والی تبدیلی پر پریشان نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ یہ اُن کا داخلی معاملہ ہے پاکستان

جب سے معرض وجود میں آیا ہے ہم یہاں مختلف نظاموں کو اپناتے رہے ہیں لیکن افغانستان کے حکمرانوں اور عوام نے کبھی ہمارے داخلی معاملات میں مداخلت نہیں کی۔ جب ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء میں پاکستان کی مسلح افواج بھارت کے ساتھ برسرپیکار تھیں تو اس وقت بھی افغان حکمرانوں نے نہ تو ہمیں پریشان کیا اور نہ ہماری سرحدوں پر کوئی گڑبڑ کی۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہم نے "انسانی بنیادوں" کے نام پر یہاں افغان مہاجرین کی بہت بھاری تعداد کو پناہ دیکر ایک بہت بڑی غلطی کی ہے یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ایک بار جب مہاجر کسی ملک میں آباد ہو جائیں تو پھر وہ وہاں سے کبھی اپنے ملک واپس نہیں جاتے افغان مہاجرین اس ملک کا انتہائی سنگین مسئلہ ہیں اور یہ بات ناممکنات میں سے نہیں ہے کہ افغان مہاجرین اپنی بندوقوں کا رخ کابل کے بجائے اسلام آباد کی طرف پھیر دیں خدانخواستہ اگر ہم نے ایران کے معاملے میں بھی ایسی ہی سنگین غلطی کا ارتکاب کیا تو یہ پاکستان کی یکجہتی و سالمیت کیلئے انتہائی تباہ کن ہو گی۔

ادب پر پابندی

پاکستان میں سوشلزم، کمیونزم یا کسی بھی مسلک سے متعلق کتابیں پڑھنے یا رکھنے پر کوئی پابندی نہیں ہے یہ مضامین ہماری جامعات اور کالجوں میں پڑھائے جاتے ہیں لیکن کمیونسٹ پارٹی سمیت ہمارے ملک میں تمام سیاسی جماعتوں پر پابندی عائد ہے جب سے پاکستان معرض وجود میں آیا ہے میں نے ایسے احکامات نہیں دیکھے جن سے کمیونسٹ پارٹی پر پابندی عائد کرنا مقصود ہو۔ سیاسی جماعتوں اور سیاسی سرگرمیوں پر مکمل پابندی کے باوجود سیاسی جماعتیں کسی نہ کسی طرح اپنا کام جاری رکھتی ہیں اور سیاسی سرگرمیاں بھی جاری رہتی ہیں۔

نظریہ

جنرل یحییٰ خان کے دور تک نظریہ پاکستان جیسی کوئی اصطلاح سامنے نہیں آئی تھی اور اسے جماعت اسلامی نے وضع کیا اور استعمال کیا۔ جہاں تک مجھے یاد ہے نظریہ

پاکستان وہ تھا جس پر قائداعظم نے عملدرآمد کیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ پاکستان کے موجودہ اور سابقہ حکمرانوں سمیت اس سلسلے میں کوئی قائداعظم سے زیادہ بہتر طور پر کچھ نہیں جانتا۔ قائد اعظم نے ملک کو ایک آزاد، جمہوری نظام دیا تھا آئین پاکستان یا کوئی اور قانون یہاں مارشل لاء نافذ کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔ تاہم منتخب جمہوری اور قانونی حکومت، سویلین حکمرانوں کی مدد کیلئے فوج کو طلب کر سکتی ہے۔ اور ایسی صورت میں فوج، سول حکام کے احکامات کی پابند ہوگی۔

میں نے جام ساقی کو آخری بار ۱۹۷۳ء میں دیکھا تھا یا پھر آج دیکھ رہا ہوں۔ اس دوران میں نے انہیں نہیں دیکھا۔ مجھے جام ساقی پر عائد کئے جانے والے الزامات کے بھی کوئی علم نہیں اور میری ہمیشہ سے یہ رائے رہی ہے کہ جام ساقی بالکل بے قصور بے گناہ ہے میں اس بات پر یقین نہیں کر سکتا کہ جام ساقی تخریب کاری میں ملوث ہوگا۔

گواہ کو سرخ پرچم شمارہ نمبر ۲ کے صفحہ ۱۲ پر اداریہ پڑھکر سنایا گیا اور عدالت کے روبرو اس کا بیان یہ تھا کہ اداریہ میں تخریب کاری کی کوئی بات نہیں ہے اور تو اور اداریہ میں لفظ "ریاست" تک استعمال نہیں کیا گیا۔ یہ کہنا درست ہے کہ غاصب وہ فرد یا گروہ ہوتا ہے جو اُن لوگوں کی مدد یا حمایت کرتا ہے جو بزور قوت عوام کے حقیقی حقوق غصب کر لیتے ہیں اور غاصب منتخب نہیں ہوتا اور اس نے عوام سے منظوری حاصل نہیں کی ہوتی۔ جو اداریہ مجھے پڑھکر سنایا گیا ہے اس میں تخریب کاری یا نفرت کا کوئی اشارہ تک نہیں ہے البتہ پوسٹر لگانے، جلسے کرنے، اور دیواروں پر لکھنے کے ذریعے جام ساقی کی رہائی کی اپیل ضرور کی گئی ہے کیونکہ جلسوں کے انتظامات کرنے پر مکمل پابندی عائد ہے اور یہ پابندی غیر قانونی اور غیر آئینی مارشل لاء نے عائد کی ہے چنانچہ یہ احکامات بھی غیر قانونی ہیں۔

عبدالولی خان

موجودہ حکومت نے امریکہ کے ساتھ ۱۹۵۹ء کے فوجی معاہدہ (۱) کو دوبارہ نافذ العمل بنایا ہے جس سے ملک کے تمام محب وطن طبقات اور ترقی پسند لوگوں میں بجا طور پر یہ خوف پیدا ہوا ہے کہ ملک کو عالمی طاقتوں کی کشمکش میں ملوث کیا جا رہا ہے۔ ہندوستان سے پچھلی دو جنگوں میں یہ معاہدہ ہمارے کسی کام نہ آیا پھر بھی موجودہ مارشل لاء حکومت اس معاہدہ کو زندہ کر رہی ہے۔ جسے منتخب حکومت نے مسترد کر دیا تھا۔

جب ایک مرتبہ حکومت خود کو غیر ملکی مفادات سے وابستہ کر لیتی ہے تو اسکا فطری رد عمل داخلی پالیسیوں میں نظر آتا ہے اور سامراج کے خلاف ہر آواز کو دبانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

مارشل لاء

موجودہ مارشل لاء جب نافذ ہوا تو میں حیدرآباد سنٹرل جیل میں مقید تھا۔ اس مارشل لاء کا سبب یہ بتایا گیا تھا کہ پچھلی حکومت کا محاسبہ کیا جائے گا اور وعدہ کیا گیا تھا کہ ۹۰ دن میں انتخابات کروائے جائینگے یہ وعدہ ہنوز تکمیل طلب ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ انتخابات اسی وقت ہونگے جب پاکستان کے عوام سنجیدگی سے یہ مطالبہ کرینگے۔ سرخ پرچم (۲۶-۱۹۷۷ء) کے صفحہ ۶ پہ جو لکھا گیا ہے اس میں زیادہ تر سچائی موجود ہے اس میں جام سے یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ اس حکومت نے اگر انتخابات نہ کرائے تو لوگ اسے خود ہی ہٹا دیں گے۔

فوج

میرے خیال میں جام ساقی پر فوج کے خلاف نفرت پھیلانے کا الزام غلط ہے۔ میری ماں اس کی بات کا مطلب یہ ہے کہ فوج کو ملکی سیاست میں ملوث کیا جارہا ہے اور میری رائے میں فوج ایک قومی ادارہ ہے جس پر ہر شہری کا حق ہے جو بھی اسے سیاست میں ملوث کرتا ہے وہ اسے کسی مخصوص سیاسی نظریے کے تحت کرتا ہے اور اس قومی ادارہ کو نقصان پہنچاتا ہے فوجی کیمپوں میں تشدد اور اذیت گاہیں، لوگوں میں اس کے خلاف نفرت پیدا کرتی ہیں۔ جام ساقی کی بات کو اسی روشنی میں دیکھنا چاہیئے۔

نظریہ پاکستان

حیدرآباد کیس میں مجھ پر بھی یہی الزام تھا۔ میں نے یہ مطالبہ کیا کہ وکیل سرکار اس جرم کی وضاحت کیونکہ نہ تو قانونی کتابوں میں اسی کا تذکرہ ہے اور نہ ہی اس آئین میں جس پر میں نے دستخط کئے ہیں۔ عدالت نے اس اصطلاح کی تشریح کرنے سے معذوری ظاہر کی۔

آئین کی دفعہ ۲۴۵ کے تحت مسلح افواج کا رول متعین کر دیا گیا ہے دفعہ ۶ میں درج ہے کہ فوج کو اقتدار پر قبضہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے اور دستور کی منسوخی کو انتہائی درجہ کی غداری سمجھا جائے گا۔ لہٰذا مارشل لاء کے قانونی ہونے کا کوئی سوال نہیں ہے۔

صوبوں کے درمیان نفرت پھیلانے کے مسئلہ پر میں آپ کو قیام پاکستان کے فوری بعد کا عرصہ یاد دلاتا ہوں جب اسمبلی آئین بنا رہی تھی اور اس وقت ایکا ایکی حکمران طبقہ پر کھلا کہ مشرقی بنگال کی آبادی مغربی پاکستان کے چاروں صوبوں کی مجموعی آبادی سے زیادہ ہے۔ اس لئے اگر دستور جمہوری ہوا تو اقتدار مشرقی پاکستان کے ہاتھ میں منتقل ہو جائے گا۔ لہٰذا ون یونٹ بنایا گیا۔ ون یونٹ ٹوٹ گیا۔ لیکن قومیتوں کے حقوق غصب رہے۔

بے نظیر بھٹو

(اقتباسات)

آج پاکستان میں قانونی حکومت نہیں ہے بلکہ مارشل لاء کی حکمرانی ہے مارشل لاء کا مطلب فوج کی حکومت ہے۔ ایسی حکومت جو فوجی رجمنٹ کے کمانڈر کی مرضی پر ہوتی ہے اور جو رائے عامہ سے نہیں بلکہ بندوق کی نالی پر قائم ہوتی ہے۔ میں مارشل لاء عدالتوں کو غیر قانونی سمجھتی ہوں۔ قانونی طور پر مجرم وہ ہوتا ہے جسے کوئی قانونی عدالت سزا دے جسے مارشل لاء کی عدالت سزا دے وہ شخص قانونی طور پر معصوم ہے۔

انقلاب ایران

عوام سینوں پر گولیاں کھانے کو اسی وقت تیار ہوتے ہیں جب ان کے پیش نظر کوئی عظیم مقصد ہو۔ کوئی نظام جب اپنے تضادات اپنے اندر حل نہیں کر سکتا تو لازمی طور پر دم توڑ دیتا ہے۔ میں شہید بھٹو کے الفاظ دہراتی ہوں "انقلاب تاریخ کی کہکشاں ہے۔ انقلاب کا مطلب ناانصافی اور نابرابری کا خاتمہ ہے۔ اس کا مطلب استحصال اور نوآبادیاتی نظام کا خاتمہ ہے۔ اس کا مطلب تیسری دنیا کے ممالک کے لئے نیا معاشی نظام ہے۔ انقلاب کا مطلب ظلم کا خاتمہ ہے..."

نظریہ پاکستان

پاکستان تاریخی ریاست نہیں ہے بلکہ آزادی کی جدوجہد چونکہ ایک نظریہ کی بنیاد پر تھی اس لئے یہ نظریاتی ریاست ہے۔ میری رائے میں اس نظریہ کی بنیاد غیر منقسم ہندوستان میں مسلمانوں کو معاشی و سیاسی حقوق نہ ملنے کے خوف پر تھی۔۔ قائداعظم نے اپنی تقریروں میں پاکستان کو ایک جمہوری ریاست قرار دیا۔ جس میں اقتدار اعلیٰ عوام کے پاس ہو اور عدلیہ آزاد ہو تاکہ لوگوں کو ان کے سیاسی و معاشی حقوق حاصل ہوں۔۔۔ کچھ گروہ یہ کہتے ہیں کہ پاکستان کا نظریہ اسلام ہے جبکہ تمام مسلمان یہ جانتے ہیں کہ اسلام جغرافیائی سرحدوں میں قید نہیں ہے۔ اسلام کی تعریف یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت کیجائے اور مسلمان وہ ہے جو اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔ اس لئے اسلام کا نظریہ ہر اس مسلمان کے لئے ہے جو پوری کائنات میں کہیں بھی اللہ کی اطاعت کرے اس کے لئے کوئی مخصوص جغرافیائی حد بندی ضروری نہیں۔

قائداعظم نے چٹاگانگ میں ۱۹۴۸ء میں ایک تقریر میں کہا تھا کہ وہ اسلامی سوشلزم کی حمایت کرتے ہیں اور پبلک سیکٹر کو اہمیت دیتے ہیں۔ پی پی پی نے اسلامی معیشت کے نعرے پر لڑائی لڑی اور اس پر عمل کرنے کیلئے عوام سے لازمی اختیار ( ) حاصل کیا۔

مارشل لاء کے مقاصد

مارشل لاء کا پہلا مقصد پی این اے اور پی پی پی کے درمیان ۴ جولائی کو ہونے والے معاہدہ کو روکنا تھا۔ دوسرا مقصد بھٹو حکومت کو بدنام کرنا تھا کہ انتخابات میں دھاندلی ہوئی ہے جو سراسر جھوٹ تھا۔ تیسرا مقصد اس جھوٹ کو بڑھاوا دینا تھا کہ ملک میں خانہ جنگی کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا چوتھا مقصد اقتدار حاصل کرنے کیلئے اس غداری کو چھپانا تھا جو آئین توڑ

کر کی گئی اور یہ کہا گیا کہ پی پی پی نے آئین کو نقصان پہنچایا ہے۔ پانچواں مقصد محاسبہ تھا جو کبھی مکمل نہ ہوا۔ چھٹا مقصد اس جھوٹ کو پھیلانا تھا کہ وزیر اعظم کا ارادہ چیف آف آرمی اسٹاف کو ہٹانے کا ہے۔ ساتواں مقصد مضبوط معاشی نظام قائم کرنا تھا جو درحقیقت ملک و لوٹ مار کا اڈہ بنانے پر ختم ہوا۔ آٹھواں مقصد انقلاب کے اثرات کو روکنا تھا۔

ہر ملک اپنے قومی مفادات کے مطابق پالیسی بناتا ہے۔ اگر کسی دوسرے ملک کی پالیسی سے اسکی ہم آہنگی ہوتی ہے تو دونوں ایکدوسرے کی حمایت کرتے ہیں اگر ہم آہنگی نہیں ہوتی تو حمایت نہیں کرتے ۱۹۷۱ء کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ ایک سپر پاور سے ہم متعدد معاہدوں میں بندھے ہوئے تھے لیکن سب کاغذی پرزے تھے۔ اس سپر پاور کے مفادات ہم سے ہم آہنگ نہ تھے اس لئے اتنے معاہدوں میں سے ایک بھی ہمارے کام نہ آیا۔

مولانا سیّد محمد شاہ امروٹیؒ

ولد

سید نظام الدین شاہ، عمر ۷۰ سال، مذہب اسلام

امروٹ شریف ضلع شکارپور۔ سندھ

میں جمعیت علمائے اسلام کا قائمقام سیکرٹری اور ایم آر ڈی سندھ کا سیکرٹری جنرل ہوں۔ مزید براں میں امروٹ شریف کی درگاہ کا گدی نشین بھی ہوں

اسلام اور موجودہ حکومت

اسلام ہمیں اخوت ومساوات کا درس دیتا ہے۔ اسلام کے مطابق ہر مسلمان سپاہی ہے۔ اسلام میں باقاعدہ پیشہ ور فوج کا کوئی تصور نہیں ہے۔ اسلام میں مارشل لاء کا بھی کوئی تصور نہیں ہے۔ علماء دین کی اکثریت موجودہ حکومت کو غیر شرعی حکومت سمجھتی ہے۔ مجھے اس سے اتفاق ہے کہ زیادہ تر علماء موجودہ حکومت کی جانب سے نافذ کردہ زکواۃ وعشر کو اسلامی تصور کرتے ہیں لیکن پاکستان ایک ایسا ملک ہے جسے خارجی ریاست سمجھا جاتا ہے چنانچہ یہاں عشر نافذ نہیں کیا جا سکتا۔

اسلام اور جغرافیائی سرحدیں

میں اس سے اتفاق کرتا ہوں کہ اسلام ایک آفاقی مذہب ہے اور اس کے پیروکاروں کو کسی جغرافیائی خطے کا پابند نہیں بنایا جا سکتا ہے اور نہ ہی کسی مخصوص خطے میں مقید کیا

جاسکتا ہے۔ مجھے اس سے بھی اتفاق ہے کہ اسلام کو بحیثیت مذہب کے کسی ایک خطے کیلئے مخصوص نہیں کیا جاسکتا محدود نہیں کیا جاسکتا۔ کسی کو بھی مطلق العنان نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ جو کوئی بھی کسی مسلمان کے جذبات واحساسات کو ٹھیس پہنچائے گا یا مجروح کرے گا وہ اسلام اور مذہب کیلئے خطرے کا باعث ہوگا۔

نظریہ پاکستان

میں آئین پاکستان کو نظریۂ پاکستان سمجھتا ہوں جیسے معرض التوا میں ڈال دیا گیا ہے۔ میں اس سے اتفاق کرتا ہوں کہ جس کسی نے آئین کو معطل کیا اس نے نظریۂ پاکستان کو نقصان پہنچایا۔ اسلام بنیادی انسانی حقوق کا احترام عدلیہ کی آزادی اور قانون کو مشعل راہ سمجھنے کا درس دیتا ہے میں ان مطالبات سے بھی متفق ہوں کہ مزدوروں کو ان کے بنیادی حقوق دیئے جائیں۔ زمین ہاریوں میں تقسیم کی جائے اور یہ مطالبات غیر اسلامی نہیں ہیں۔ سوشلزم بھی زرعی اراضی کی کسانوں میں تقسیم اور بنیادی صنعتوں کو قومی ملکیت میں لینے کا درس دیتا ہے یہ بھی اسلام کے خلاف نہیں ہے میرے نزدیک سوویت یونین کے مسلمانوں پر کتاب لکھنا کوئی جرم یا غیر اسلامی کام نہیں ہے۔

اسلام مخلصانہ تنقید کی اجازت دیتا ہے۔ حکمران اور حکومت پر تنقید کرنا غیر اسلامی نہیں ہے اور نہ ہی کوئی جرم ہے۔ اگر حکومت منتخب نہیں ہے تو غیر اسلامی ہے موجودہ حکومت امریکہ سے مدد مانگتی ہے اور دوستی کی تجدید کی ہے حالانکہ امریکہ لبنان میں مسلمانوں کو قتل کرنے میں اسرائیل کے ساتھ ہر طرح کا تعاون کر رہا ہے اور اسکی مدد کر رہا ہے۔ میں اس بات سے اتفاق کرتا ہوں کہ موجودہ حکومت نے سیاسی جماعتوں کے خیالات سے اتفاق نہیں کیا ہے اس نے مجاہدین کی جنگ کو پاکستان کیلئے جنگ قرار دیا ہے۔ سوشلزم ایک معاشی واقتصادی نظام ہے۔

جنرل ضیاء کی حکومت کو غاصب قرار دینا درست ہے کیونکہ پاکستان کے عوام نے اسے منتخب نہیں کیا ہے مجھے نہیں معلوم کہ جام ساقی پر کیا الزامات ہیں۔ موجودہ حکومت کیخلاف دیواروں پر نعرے لکھنے پوسٹر لگانے یا جلسوں کا اہتمام کرنا اور پاکستان کے عوام کو خبردار کرنا کوئی جرم نہیں ہے۔ یہ کہنا درست نہیں ہے کہ "ہلچل" کے پہلے صفحے کو دیکھ کر بغاوت کا احساس پیدا ہوتا ہے۔

عدالت کا سوال! کیا اسلام اور سوشلزم ایک دوسرے سے متصادم ہیں؟

جواب:۔ یہ دونوں معاشی و اقتصادی نظام ہیں۔ اسلام مذہب کے ساتھ ساتھ ایک اقتصادی نظام بھی ہے لیکن سوشلزم اسلام کا درس نہیں دیتا۔

معراج محمد خان

(اقتباسات)

میں جام ساقی کو عظیم محب وطن سمجھتا ہوں جو عوام کے حقوق اور جمہوریت کے لئے لڑتا رہا ہے جام ساقی نظریہ پاکستان کی اُس توجیح کیخلاف ہے جو مخصوص مفادات رکھنے والے لوگ کرتے۔ رہے ہیں۔ قائد اعظم نے نظریہ پاکستان کی کوئی تشریح نہیں کی تھی۔ جام ساقی نے قومی خود اختیاری کے لئے کام کیا ہے اور یہ کوئی جرم نہیں ہے۔ میری لئے میں قومی خود اختیاری نہ دینے سے پاکستان کا وجود خطرہ میں پڑجائے گا۔ میں فوجی عدالتوں کو غیر قانونی سمجھتا ہوں۔ کمیونسٹ لٹریچر پر پاکستان میں کوئی پابندی نہیں ہے۔ تمام حکومتی اداروں بمع فوج پر تنقید کرنا جرم نہیں ہے۔ میں ایران کے انقلاب پر سرخ پرچم کی تحریر سے اتفاق کرتا ہوں

منہاج برنا

(اقتباسات)

میں گذشتہ تیس سال سے صحافی ہوں اور متعدد اخباروں سے وابستہ رہا ہوں اور اس وقت APNEC کا چیئرمین ہوں پریس، رائے عامہ کی تنظیم ہے اور ریاست کا چوتھا ستون کہلاتی ہے موجودہ مارشل لا کا ۱۹۷۳ء کے آئین سے کوئی جواز نہیں ہے۔ اسلام میں مارشل لا کا کوئی تصور نہیں ہے نہ اسلامی تاریخ میں اس کا تذکرہ ہے۔ نظریہ پاکستان کی کوئی قانونی یا عدالتی توجیح نہیں ہے۔ پریس آرڈیننس کی تمام سیاسی پارٹیوں نے مذمت کی ہے۔ کتاب شائع کرنے کیلئے کسی سرکاری اجازت نامے کی ضرورت نہیں ہے۔ ڈیکلریشن صرف پرنٹنگ مشین رکھنے اور اخبارات شائع کرنے کیلئے چاہیئے ایران کے انقلاب کے بارے میں جو سرخ پرچم میں لکھا گیا ہے میں اس سے متفق ہوں پاکستان کے عوام نے انقلاب ایران کا خیر مقدم کیا ہے تمام سیاسی پارٹیاں پاکستان پر امریکی اثرات کیخلاف ہیں اور یہ کہنا کوئی جرم نہیں ہے۔ میں مارشل لا پر تنقید کی روسی یا افغان نقطہ نظر نہیں سمجھتا۔ موجودہ حکمرانوں کے لئے غاصب کا لفظ استعمال کرنا غلط نہیں ہے کیونکہ وہ عوام کا منتخبہ نہیں ہے۔

فتحیاب علی خان

(اقتباسات)

میں مزدور کسان پارٹی کا صدر ہوں جو ایم آر ڈی میں شامل ہے۔ نظریہ پاکستان ایک مبہم اصطلاح ہے جس کے کوئی قانونی معنی نہیں ہیں۔ نظریہ جغرافیائی حدود کا پابند نہیں ہوتا اگر ایسا ہوتا تو پاکستان تقسیم ہونے کے بعد نظریہ مشرقی پاکستان اور نظریہ مغربی پاکستان پیدا ہو گئے ہوتے۔ پاکستان کی بنیاد لاہور قرارداد ۱۹۴۰ء اور دہلی قرارداد ۱۹۴۶ء تھی۔ مسلح افواج ریاست اور آئین کے تحت تشکیل پاتی ہیں۔ اس لئے جام ساقی نے انکے اقدام پر تنقید کر کے کوئی جرم نہیں کیا۔ میں نے اور متعدد دوسرے لوگوں نے اس پر تنقید کی ہے صرف جام ساقی ہی نہیں بلکہ پورا پاکستان مارشل لاء حکمرانوں کیخلاف ہے۔

افضل صدّیقی

(مدیر روزنامہ امن) (اقتباسات

سائیکلو اسٹائل مشین رکھنے پر کوئی پابندی نہیں ہے اور نہ سرکاری اجازت کی ضرورت ہے کسی مواد کو پمفلٹ / کتاب کی شکل میں چھاپنے کیلئے بھی سرکاری اجازت کی ضرورت نہیں ہے میں UNO کے چارٹر آف ہیومن رائیٹس سے متفق ہوں اور حکومت پاکستان نے بھی اس چارٹر پر دستخط کئے ہیں۔ موجودہ حکومت عوام کے بنیادی حقوق نہیں دے رہی ہے اور اس نے ۱۹۷۳ء کا آئین معطل کیا ہوا ہے۔ کوڑوں کی سزا غیر اسلامی ہے کیونکہ اسلامی قانون نافذ نہیں ہے۔ کسی ملک کی ہڑتال کے بارے میں خبر شائع کرنا غیر قانونی نہیں ہے۔ ڈان ۲۵ جنوری ۸۳ء میں شائع ہونے والی خبر کا عندیہ ہے کہ پاکستان کو ۱۶۔ ایف کی ٹیکنالوجی اس لئے مل رہی ہے کہ امریکہ پاکستان کو اسرائیل اور مصر لیبیا حلیف سمجھتا ہے۔ قائداعظم نے نظریہ پاکستان کا تذکرہ نہیں کیا اسی لئے ہر سیاسی پارٹی نظریہ پاکستان کی اپنی اپنی تعریف گھڑ رہی ہے۔ کمیونسٹ پارٹی نے (E × 7-5 (E)) لوگوں سے حاکم ہونے کیلئے تیار رہنے کی اپیل کی ہے۔ اس طرح کے خیالات جنگ ۱۳ جنوری ۸۳ء میں بھی موجود ہیں۔ جنگ کے اسی شمارہ میں یوسف ہارون کا یہ بیان موجود ہے کہ موجودہ حکومت ایماندارانہ انتخاب نہیں کرائیگی۔ پارٹی کے پرچہ میں بھی یہ بات کہی گئی ہے۔

مارشل لاء سے میری مراد فوجی قانون ہے۔ پاکستان کی آئینی حکومت کا تختہ الٹ کر مارشل لاء نافذ ہوا ہے میں سرخ پرچم کے صفحہ ۲ کے بیان سے متفق ہوں جسمیں جنرل ضیاء کو حکومت کے سربراہ کی حیثیت سے غاصب کہا گیا ہے اور میں موجودہ مارشل لاء کو غاصب سمجھتا ہوں۔ کمیونسٹ پارٹی پر پچھلی حکومتوں نے پابندی لگائی تھی کمیونسٹ لٹریچر پر کوئی پابندی نہیں ہے۔

ہماری دیگر مطبوعات

ناول

جانگلوس (جلد اول)	شوکت صدیقی
جانگلوس (جلد دوم)	شوکت صدیقی
جانگلوس (جلد سوم۔ آخری جلد)	شوکت صدیقی
چاردیواری	شوکت صدیقی
خدا کی بستی	شوکت صدیقی
کمین گاہ	شوکت صدیقی
ظہیرالدین بابر	پریمقل قادروف
تیمور کے بعد	عادل یعقوبوف

افسانے

اندھیرا اور اندھیرا	شوکت صدیقی
راتوں کا شہر	شوکت صدیقی
کیمیاگر	شوکت صدیقی
تیسرا آدمی	شوکت صدیقی
افسردہ ستاروں کا ہجوم	ریاض رؤفی
اکیلا آدمی	آصف الرحمٰن طارق
جھلنگا پلنگ	آصف الرحمٰن طارق
بلبلے کا وزن	آصف الرحمٰن طارق
نے چراغ نے گلے	صفیہ احمد
گونگی کوئلیں	رفعت عباس

مضامین

طبقاتی جدوجہد اور بنیاد پرستی	شوکت صدیقی
ضمیر کے قیدی	نثار حسین
انٹرویو: سخن امروز	خان ظفر افغانی

شاعری

مرثیہ چوتھے ستون کا	منہاج برنا
قفس زاد	رضیہ فصیح احمد

ضمیر کے قیدی

نثار حسین

رکتاب
کراچی